بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولقد لبثت فیکم عمرا من قبله افلا تعقلون

الحمد للہ

سیرت المہدی علیہ السلام

حصہ اوّل

مرتبہ

حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے سلمہ اللہ تعالیٰ

حسب فرمائش

مولانا المکرم معظم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل منشی فاضل اوّل مدرس مدرسہ احمدیہ۔ قادیان

محمد فخر الدین احمدی (ملتانی) مہتمم احمدیہ کتاب گھر قادیان دارالامان کو شائع کرنیکا فخر حاصل ہوا

۱۹۳۵ء

قیمت فی جلد عہ مجلد عہ

بشیر احمد بمبئی تحریر فرمود

دوسرا ایڈیشن

اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے بلحاظ ظاہری و باطنی خوبیوں کے بہ نسبت پہلے کے زیادہ آب و تاب سے تیار ہوا ہے۔ اس میں قیمتی اضافہ ان تشریحی عبارات کا ہے۔ جو پہلے ایڈیشن کی بعض روایات پر کج فہم معترضین کے بیہودہ اور لایعنی اعتراضا کے ازالہ کی خاطر مخدوم و مکرم حضرت میرزا بشیر احمدؐ صاحب سلمہ ربہ ایم۔ اے مؤلفہ کتاب ہذا نے رقم فرمائی ہیں۔ لاریب اس قیمتی اضافہ نے پہلے ایڈیشن کو ایک طرہ کی شاندار جلا دے دی ہے۔ جواب ایک حد تک جزو لاینفک کا حکم رکھتا ہے۔ حضرت مؤلف موصوف نے باوجود بیحد عدیم الفرصتی اور کثیر الاشغالی کے اس عاجز دیرینہ نیازمند خاکسار ملتانی کی حقیر سی درخواست کو شرف قبولیت بخش کر نہ صرف نظر ثانی کی ہی زحمت اٹھائی۔ بلکہ اسکے کاپیوں بعد پروفوں کی دوگنی تصحیح کی ذمہ واری بھی خود ہی اٹھائی۔ نہ صرف خود ہی بلکہ مخدوم و مکرم حضرت مولوی شیر علی صاحب کو بھی تصحیح میں ساتھ ہی شامل رکھا فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو بزرگوں کی مساعی جمیلہ کے طفیل خاکسار جیسے سیہ کار انسان کو بھی اس مقدس تالیف کی دوبارہ اشاعت کی سعادت بخشی۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ان ہر دو بزرگوں پر بڑے بڑے افضال و اکرام نازل فرماوے۔ اور خاکسار ملتانی کو بھی جو سراسر مجسمہ عصیان ہے۔ محض اپنے فضل سے مغفرت و بخشش کا وارث بناوے۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار فخر الدین احمدی ملتانی

۲۲ دسمبر ۱۹۳۵ء

اشعار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

قربانِ تست جانِ من اے یارِ محسنم
با من کدام فرق تو کردی کہ من کنم

ہر مطلب و مراد کہ مے خواستم ز غیب
ہر آرزو کہ بود بخاطر معینم

از جود و دادۂ ہمہ آں مدعائے من
واز لطف کردۂ گذرِ خود بمکنم

ہیچ آگہی نبود ز عشق و وفا مرا
خود ریختی متاعِ محبت بدامنم

ایں خاک تیرہ را تو خدا اکسیر کردۂ
بود آں جمالِ تو کہ نمودست احسنم

ایں صیقلِ دلم نہ بزہد و تعبد است
خود کردۂ بلطف و عنایاتِ روشنم

بر منتِ تو ہست بریں مشتِ خاک من
جانم رہینِ لطفِ عمیمِ تو ہم تنم

راستِ ترک ہر دو جہاں گر رضائے تو
آید بدست اے پنہ و کہف و مامنم

فصلِ بہار و موسمِ گل نایدم بکار
کاندر خیالِ روئے تو ہر دم بگلشنم

حاجتے بود بادیبِ دگر مرا
من تربیت پذیر ز ربِّ مھیمنم

ں سال عنایت ازلی شد قریب من
کامد ندائے یار ز ہر کوئی و برزنم

ب مرا بہر قدم استوار دار
وآں روز خود مباد کہ عہدِ تو بشکنم

در کوئے تو اگر سرِ عشاق را زنند
اول کسے کہ لاف تعشّق زند منم

سیرت النبی

مؤلفہ

حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی حکمت اور فلسفہ نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روحانی اور جسمانی حسن و احسان کو نہایت خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ جس کے مطالعہ پر ایک طرف تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان قوی ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف محبت بڑھتی ہے خصوصاً غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کے مطالعہ کے لئے یہ بہترین تحفہ ہے۔ قیمت رعایتی صرف ۱۲ر مجلد ۱۴ر

سیرت مسیح موعودؑ

مؤلفہ

حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

جو مختصر مگر جامع طور پر نہایت سلیس انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ایک ناواقف غیر احمدی اور نو احمدی کو حضرت اقدس کی زندگی۔ حضور علیہ السلام کے کام اور سلسلہ احمدیہ کی پہلی اور حال اور آئندہ ترقیوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ قیمت صرف قسم اول ۲ر

سلسلہ احمدیہ کی ہر قسم کی کتب کے ملنے کا پتہ

کتاب گھر قادیان

پہلی بار فخر الدین ملتانی نے اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام چودھری اللہ بخش پرنٹر چھپوا کر قادیان سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہٖ المسیح الموعود مع التسلیم

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اعمال نیت سے ہوتے ہیں۔ اور ہر شخص اپنی نیت کے مطابق پھل پاتا ہے۔

خاکسار مرزا بشیر احمد ابن حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارادہ کیا ہے۔ واللہ الموفق کہ جمع کروں ان لوگوں کے واسطے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت نہیں اُٹھائی۔ اور نہ آپ کو دیکھا ہے۔ آپکے کلمات وحالات وسوانح اور دیگر مفید باتیں متعلق آپکی سیرت اور خُلق وعادات وغیرہ کے۔ پس شروع کرتا ہوں میں اس کام کو آج بروز بُدھ بتاریخ ۲۵ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۲۱ء بعد نماز ظہر اس حال میں کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیت الدعا میں بیٹھا ہوں۔ اور میں دُعا کرتا ہوں اللہ تعالےٰ سے کہ وُہ مجھے صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور اس کتاب کے پُورا کرنے کی توفیق دے اللّٰھم آمین۔

میرا ارادہ ہے واللہ الموفق کہ جمع کروں اس کتاب میں تمام وہ ضروری باتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متعلق خود تحریر فرمائی ہیں اور وُہ جو دُوسرے لوگوں نے لکھی ہیں۔ نیز جمع کروں تمام وہ زبانی روایات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق مجھے پہنچی ہیں۔ یا جو آیندہ پہنچیں اور نیز وُہ باتیں جو میرا ذاتی علم اور مشاہدہ ہیں۔ اور میں انشاء اللہ تعالےٰ صرف وہی روایات تحریر کرونگا۔ جن کو میں صحیح سمجھتا ہُوں۔ مگر میں الفاظِ روایت کی صحت کا دعویدار نہیں ہوں اور نہ لفظی روایت کا کماحقہ التزام کر

سکتا ہوں۔ نیز میں بغرض سہولت تمام روایات اردو زبان میں بیان کرونگا۔ خواہ دراصل وہ کسی اور زبان میں روایت کیگئی ہوں اور فی الحال تمام روایات عموماً بغیر لحاظ معنوی ترتیب کے صرف اسی ترتیب میں بیان کرونگا جس میں کہ وہ میرے سامنے آئیں۔ پھر بعد میں خدا نے چاہا اور مجھے توفیق ملی تو انہیں معنوی ترتیب سے مرتب کر دیا جاویگا۔

اخذ روایات میں جن شرائط کو میں نے ملحوظ رکھا ہے ان کا ذکر موجب تطویل سمجھ کر اس جگہ چھوڑتا ہوں۔ اللھم وفق واعن فانك انت الموفق والمستعان۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ ان سے فرمایا تھا حضرت مسیح موعودؑ نے کہ مجھے معلوم ہوا ہے اللہ تعالیٰ کیطرف سے یا فرمایا۔ کہ بتایا گیا ہے مجھے اللہ تعالےٰ کی طرف سے کہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم بہت پڑھنا چاہیئے۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ اس وجہ سے آپ اسے بہت کثرت سے پڑھتے تھے۔ حتّٰی کہ رات کو بستر پر کروٹ بدلتے ہوئے بھی یہی کلمہ آپ کی زبان پر ہوتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ میں نے جب یہ روایت مولوی شیر علی صاحب سے بیان کی۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سبحان اللہ بہت پڑھتے تھے۔ اور مولوی صاحب کہتے تھے۔ کہ میں نے آپ کو استغفار پڑھتے کبھی نہیں سنا۔ نیز خاکسار اپنا مشاہدہ عرض کرتا ہے۔ کہ میں نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سبحان اللہ پڑھتے سنا ہے آپ بہت آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر اور سکون اور اطمینان اور نرمی کے ساتھ یہ الفاظ زبان پر دُہراتے تھے۔ اس طرح کہ گویا ساتھ ساتھ صفات باری تعالےٰ پر بھی غور فرماتے جاتے ہیں۔

(۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ جب کبھی رفع حاجت سے فارغ ہو کر آتے تھے۔ وضو کر لیتے تھے۔ سوائے اسکے کہ بیماری یا کسی اور وجہ سے آپ رُک جاویں +

(۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز پنجگانہ کے سوا عام طور پر دو قسم کے نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک نماز اشراق (دو یا چار رکعات) جو آپ کبھی کبھی پڑھتے تھے اور دوسرے نماز تہجد (آٹھ رکعات) جو آپ ہمیشہ پڑھتے تھے سوائے اسکے کہ آپ زیادہ بیمار ہوں۔ لیکن ایسی صورت میں بھی آپ تہجد کے وقت بستر پر لیٹے لیٹے ہی دُعا مانگ لیتے تھے۔ اور آخری عمر میں بوجہ کمزوری کے عموماً بیٹھ کر نماز تہجد ادا کرتے تھے +

(۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر صبح کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لیئے سو جاتے تھے۔ کیونکہ رات کا زیادہ حصہ آپ جاگ کر گذارتے تھے جسکی وجہ یہ تھی۔ کہ اول تو آپ کو اکثر اوقات رات کے وقت بھی مضامین لکھنے پڑتے تھے۔ جو آپ عموماً بہت دیر تک لکھتے رہتے تھے دوسرے آپ کو پیشاب کے لیئے بھی کئی دفعہ اُٹھنا پڑتا تھا اسکے علاوہ نماز تہجد کے لیئے بھی اُٹھتے تھے۔ نیز والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب مٹی کے تیل کی روشنی کے سامنے بیٹھکر کام کرنا ناپسند کرتے تھے۔ اور اسکی جگہ موم بتیاں استعمال کرتے تھے۔ ایک زمانہ میں کچھ عرصہ گیس کا لیمپ بھی استعمال کیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عادت تھی۔ کہ کئی کئی موم بتیاں جلا کر سامنے رکھوا لیتے تھے۔ اگر کوئی بتی بجھ جاتی تھی۔ تو اسکی جگہ اور جلا لیتے تھے۔ اور گھر میں عموماً موم بتیوں کے بنڈل منگوا کر ذخیرہ رکھوا لیتے تھے۔ خاکسار کو یاد ہے کہ ایک دفعہ اس دالان

میں جو بیت الفکر کے ساتھ ملحق شمال کی طرف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام شمالی دیوار کے پاس پلنگ پر بیٹھے ہوئے شاید کسی کام میں مصروف تھے۔ اور پاس موم کی بتیاں جلی رکھی تھیں۔ حضرت والدہ صاحبہ بتیوں کے پاس سے گذریں تو پشت کی جانب سے انکی اوڑھنی کے کنارے کو آگ لگ گئی۔ اور ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا۔ تو جلدی سے اُٹھ کر اپنے ہاتھ سے آگ بجھائی۔ اس وقت والدہ صاحبہ کچھ گھبرا گئی تھیں۔

(۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فریضہ نماز کی ابتدائی سنتیں گھر میں ادا کرتے تھے۔ اور بعد کی سنتیں بھی عموماً گھر میں اور کبھی کبھی مسجد میں پڑھتے تھے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ حضرت صاحب نماز کو لمبا کرتے تھے یا خفیف؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ عموماً خفیف پڑھتے تھے۔

(۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے باغ میں پھر رہے تھے جب آپ سنگترہ کے ایک درخت کے پاس سے گذرے تو میں نے (یعنی والدہ صاحبہ نے) یا کسی اور نے کہا کہ اس وقت تو سنگترہ کو دل چاہتا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ کیا تم نے سنگترہ لینا ہے؟ والدہ صاحبہ نے یا اس شخص نے کہا کہ ہاں لینا ہے۔ اسپر حضرت صاحب نے اس درخت کی شاخوں پر ہاتھ مارا۔ اور جب آپ کا ہاتھ شاخوں سے الگ ہوا تو آپ کے ہاتھ میں ایک سنگترہ تھا۔ اور آپ نے فرمایا یہ لو۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے دریافت کیا۔ کہ وہ سنگترہ کیسا تھا؟ والدہ صاحبہ نے کہا زرد رنگ کا پکا ہوا سنگترہ تھا۔ میں نے پوچھا۔ کیا پھر آپ نے اسے کھایا؟ والدہ صاحبہ نے کہا یہ مجھے یاد نہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت صاحب نے کس طرح ہاتھ

مارا تھا؟ اس پر والدہ صاحبہ نے اس طرح ہاتھ مار کر دکھایا۔ اور کہا کہ جس طرح پھل توڑنے والے کا ہاتھ درخت پر ٹھیرتا ہے۔ اس طرح آپ کا ہاتھ شاخوں پر نہیں ٹھیرا بلکہ آپ نے ہاتھ مارا اور فوراً لوٹا لیا۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ کیا اسوقت سنگترہ کا موسم تھا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ نہیں اور وہ درخت بالکل پھل سے خالی تھا۔ خاکسار نے یہ روایت مولوی شیر علی صاحب کے پاس بیان کی تو انہوں نے کہا کہ مَیں نے یہ روایت حضرت خلیفہ ثانیؓ سے بھی سُنی ہے آپ بیان کرتے تھے۔ کہ حضرت صاحب نے میرے کہنے پر ہاتھ مارا اور سنگترہ دیا تھا۔

(۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا۔ کہ ایک دفعہ جب مَیں کسی سفر سے واپس قادیان آرہا تھا۔ تو مَیں نے بٹالہ پہنچکر قادیان کے لیئے یکہ کرایہ پہ کیا۔ اس یکہ میں ایک ہندو سواری بھی بیٹھنے والی تھی۔ جب ہم سوار ہونے لگے۔ تو وُہ ہندو جلدی کرکے اُس طرف چڑھ گیا۔ جو سورج کے رُخ سے دُوسری جانب تھی اور مجھے سورج کے سامنے بیٹھنا پڑا۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ جب ہم شہر سے نکلے تو ناگاہ بادل کا ایک ٹکڑا اُٹھا اور میرے اور سورج کے درمیان آگیا۔ اور ساتھ ساتھ آیا۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے دریافت کیا کہ کیا وُہ ہندو پھر کچھ بولا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا یاد پڑتا ہے۔ کہ حضرت صاحب نے فرمایا تھا۔ کہ پھر اس ہندو نے بہت معذرت کی اور شرمندہ ہُوا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ وہ گرمی کے دِن تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہی روایت مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے بھی بیان کی ہے۔ انہوں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے یہ واقعہ سنا تھا۔ صرف یہ اختلاف ہے۔ کہ مولوی صاحب نے بٹالہ کی جگہ امرت سر کا نام لیا اور یہ بین ظاہر کیا اس بات پر کہ اس ہندو نے اس خارق عادت امر کو محسوس کیا تھا۔ اور بہت شرمندہ ہُوا تھا۔

(٨) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ کسی مقدمہ کے واسطے میں ڈلہوزی پہاڑ پر جا رہا تھا۔ راستہ میں بارش آگئی۔ میں اور میرا ساتھی یکہ سے اُتر آئے۔ اور ایک پہاڑی آدمی کے مکان کی طرف گئے جو راستہ کے پاس تھا۔ میرے ساتھی نے آگے بڑھ کر مالک مکان سے اندر آنیکی اجازت چاہی۔ مگر اُسنے روکا اس پر ان کی باہم تکرار ہوگئی اور مالک مکان تیز ہو گیا اور گالیاں دینے لگا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ میں یہ تکرار سُنکر آگے بڑھا۔ جونہی میری اور مالک مکان کی آنکھیں ملیں تو پیشتر اسکے کہ میں کچھ بولوں اسنے اپنا سر نیچے ڈال لیا اور کہا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ میری ایک جوان لڑکی ہے اسلیئے میں اجنبی آدمی کو گھر میں نہیں گھسنے دیتا مگر آپ بیشک اندر آجائیں۔ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ وہ ایک اجنبی آدمی تھا۔ نہ میں اسے جانتا تھا۔ اور نہ وُہ مجھے جانتا تھا۔

(٩) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ جب میں کسی سفر میں تھا۔ رات کے وقت ہم کسی مکان میں دُوسری منزل پر چوبارہ میں ٹھیرے ہُوئے تھے۔ اسی کمرہ میں سات آٹھ اور آدمی بھی ٹھیرے ہوئے تھے۔ جب سب سو گئے۔ اور رات کا ایک حصہ گذر گیا تو مجھے کچھ ٹک ٹک کی آواز آئی اور میرے دِل میں یہ خدشہ پیدا ہوا۔ کہ اس کمرے کی چھت گرنے والی ہے۔ اسپر میں نے اپنے ساتھی مسیتا بیگ کو آواز دی کہ مجھے خدشہ ہے کہ چھت گرنیوالی ہے اُسنے کہا میاں یہ تمہارا وہم ہے۔ نیا مکان بنا ہُوا ہے اور بالکل نئی چھت ہے آرام سے سو جاؤ۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ میں پھر لیٹ گیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی ڈر میرے دِل پر غالب ہُوا میں نے پھر اپنے ساتھی کو جگایا مگر اسنے پھر اسی قسم کا جواب دیا۔ میں پھر ناچار

لیٹ گیا۔ مگر پھر میرے دل پر شدت کے ساتھ یہ خیال غالب ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا شہتیر ٹوٹنے والا ہے۔ میں پھر گھبرا کر اُٹھا اور اس دفعہ سختی کے ساتھ اپنے ساتھی کو کہا کہ میں جو کہتا ہوں کہ چھت گرنے والی ہے اُٹھو۔ تو تم اُٹھتے کیوں نہیں۔ اسپر ناچار وہ اُٹھا اور باقی لوگوں کو بھی ہم نے جگا دیا پھر میں نے سب کو کہا کہ جلدی باہر نکل کر نیچے اُتر چلو۔ دروازے کے ساتھ ہی سیڑھی تھی۔ میں دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ اور وہ سب ایک ایک کر کے نکل کر اُترتے گئے۔ جب سب نکل گئے تو حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ پھر میں نے قدم اُٹھایا۔ ابھی میرا قدم شاید آدھا باہر اور آدھا دہلیز پر تھا۔ کہ یک لخت چھت گری۔ اور اس زور سے گری کہ نیچے کی چھت بھی ساتھ ہی گر گئی حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ جن چارپائیوں پر ہم لیٹے ہوئے تھے۔ وہ ریزہ ریزہ ہو گئیں۔ خاکسار نے حضرت والدہ صاحبہ سے دریافت کیا۔ کہ مسیتا بیگ کون تھا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ وہ تمہارے دادا کا ایک دور نزدیک سے رشتہ دار تھا۔ اور کارندہ بھی تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اس روایت کو ایک دفعہ اس طرح پر بیان کیا تھا۔ کہ یہ واقعہ سیالکوٹ کا ہے جہاں آپ ملازم تھے۔ اور یہ کہ حضرت مسیح موعود فرماتے تھے۔ کہ اسوقت میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ چھت بس میرے باہر نکلنے کا انتظار کر رہی ہے۔ اور نیز حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے بیان کیا کہ اس کمرہ میں اسوقت چند ہندو بھی تھے۔ جو اس واقعہ سے حضرت صاحب کے بہت معتقد ہو گئے۔

(۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے حضرت مسیح موعودؑ نے بیان فرمایا کہ جب بڑے مرزا صاحب (یعنی حضرت مسیح موعود کے والد صاحب) کشمیر میں ملازم تھے۔ تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہماری والدہ نے کہا کہ آج میرا دل کہتا ہے کہ کشمیر سے کچھ آئیگا۔ تو اسی

دن کشمیر سے آدمی آگیا اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ ادھر والدہ صاحبہ نے یہ کہا اور ادھر دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کشمیر سے آدمی آیا ہے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھی۔ کہ تمہارے دادا کشمیر سے اپنے آدمی کو چند ماہ کے بعد خط اور روپیہ دیکر بھیجا کرتے تھے۔ نقدی وغیرہ چاندی سونے کی صورت میں ایک گدڑی کی تہ کے اندر سلی ہوئی ہوتی تھی۔ جو وہ آدمی راستہ میں پہنے رکھتا تھا۔ اور قادیان پہنچکر اتار کر اندر گھر میں بھیج دیتا۔ گھر والے کھول کر نقدی نکال لیتے تھے۔ اور پھر گدڑی واپس کر دیتے تھے۔ نیز والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تمہارے دادا کشمیر میں صوبہ تھے۔ اسوقت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بھی اوپر سے تشریف لے آئے اور فرمانے لگے کہ جس طرح انگریزوں میں آج کل ڈپٹی کمشنر اور کمشنر وغیرہ ہوتے ہیں اسی طرح کشمیر میں صوبے گورنر علاقہ ہوتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہماری دادی صاحبہ یعنی حضرت مسیح موعود کی والدہ صاحبہ کا نام چراغ بی بی تھا۔ وہ دادا صاحب کی زندگی میں ہی فوت ہوگئی تھیں انکو حضرت صاحب سے بہت محبت تھی۔ اور آپ کو ان سے بہت محبت تھی۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے۔ کہ جب آپ ان کا ذکر فرماتے تھے۔ تو آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں +

(۱۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنوں میں سے منگل کے دن کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ نیز بیان کیا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے کہ جب مبارکہ بیگم (ہماری ہمشیرہ) پیدا ہونے لگیں۔ تو منگل کا دن تھا۔ اسلیئے حضرت صاحب نے دعا کی۔ کہ منگل گذرنے کے بعد پیدا ہو چنانچہ وہ منگل گذرنے کے بعد بدھ کی رات کو پیدا ہوئیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جمعہ کے دن توام پیدا ہوئے تھے۔ اور فوت ہوئے منگل کے دن۔ اور

جاننا چاہیئے۔ کہ زمانہ کی شمار صرف اہل دُنیا کے واسطے ہے۔ اور دُنیا کے واسطے واقعی آپکی وفات کا دن ایک مصیبت کا دِن تھا۔

(اس روایت سے یہ مراد نہیں ہے کہ منگل کا دِن کوئی منحوس دن ہے۔ بلکہ جیسا کہ حصہ دوم کی روایت نمبر ۳۱۱ و ۳۲۲ و ۳۶۰ میں تشریح کی جاچکی ہے۔ اس سے صرف یہ مراد ہے۔ کہ منگل کا دِن بعض اجرام سماوی کے مخفی اثرات کے ماتحت اپنے اندر سختی اور تکلیف کا پہلو رکھتا ہے۔ چنانچہ منگل کے متعلق حدیث میں بھی آنحضرت صلعم کا یہ قول آتا ہے۔ کہ منگل وہ دن ہے۔ جس میں خدا تعالےٰ نے پتھریلے پہاڑ اور ضرر رسان چیزیں پیدا کی ہیں دیکھو تفسیر ابن کثیر زیر آیت خلق الارض فی یومین الخ)

(۱۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخری بیماری بیمار ہوئے اور آپ کی حالت نازک ہوئی تو مَیں نے گھبرا کر کہا۔ "اللہ یہ کیا ہونے لگا ہے"۔ اسپر حضرت صاحب نے فرمایا۔ "یہ وہی ہے جو مَیں کہا کرتا تھا"۔ خاکسار مختصراً عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء یعنی پیر کی شام کو بالکل اچھے تھے۔ رات کو عشاء کی نماز کے بعد خاکسار باہر سے مکان میں آیا۔ تو مَیں نے دیکھا کہ آپ والدہ صاحبہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ مَیں اپنی بستر پر جاکر لیٹ گیا۔ اور پھر مجھے نیند آگئی۔ رات کے پچھلے پہر صبح کے قریب مجھے جگایا گیا۔ یا شاید لوگوں کے چلنے پھرنے اور بولنے کی آواز سے مَیں خود بیدار ہُوا تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسہال کی بیماری سے سخت بیمار ہیں۔ اور حالت نازک ہے اور ادھر ادھر معالج اور دوسرے لوگ کام میں لگے ہوئے ہیں۔ جب مَیں نے پہلی نظر حضرت مسیح موعودؑ کے اوپر ڈالی۔ تو میرا دِل بیٹھ گیا۔ کیونکہ مَیں نے ایسی حالت آپکی اس سے پہلے نہ دیکھی تھی۔ اور میرے دِل پر یہی اثر پڑا کہ یہ مرض الموت ہے۔ اس وقت

آپ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اتنے میں ڈاکٹر نے نبض دیکھی تو ندارد۔ سب سمجھے کہ وفات پا گئے۔ اور یکدم سب پر ایک سناٹا چھا گیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد نبض میں پھر حرکت پیدا ہوئی۔ مگر حالت بدستور نازک تھی اتنے میں صبح ہو گئی۔ اور حضرت مسیح موعود کی چارپائی کو باہر صحن سے اُٹھا کر اندر کمرے میں لے آئے جب ذرا اچھی روشنی ہو گئی۔ تو حضرت مسیح موعود نے پُوچھا کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ غالباً شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے عرض کیا کہ حضور ہو گیا ہے۔ آپ نے بستر پر ہی ہاتھ مار کر تیمم کیا اور لیٹے لیٹے ہی نماز شروع کر دی۔ مگر آپ اسی حالت میں تھے۔ کہ غشی سی طاری ہو گئی۔ اور نماز کو پُورا نہ کر سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ عرض کیا گیا حضور ہو گیا ہے۔ آپ نے پھر نیت باندھی۔ مگر مجھے یاد نہیں کہ نماز پُوری کر سکے یا نہیں۔ اسوقت آپکی حالت سخت کرب اور گھبراہٹ کی تھی۔ غالباً آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر نے پوچھا۔ کہ حضور کو خاص طور پر کیا تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ مگر آپ جواب نہ دے سکتے اسلیئے کاغذ قلم دوات منگوائی گئی۔ اور آپ نے بائیں ہاتھ پر سہارا لے کر بستر سے کچھ اُٹھ کر لکھنا چاہا مگر بمشکل دو چار الفاظ لکھ سکے اور پھر بوجہ ضعف کے کاغذ کے اُوپر قلم گھسٹتا ہوا چلا گیا۔ اور آپ پھر لیٹ گئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے منہ سے گو نکل رہا تھا اور گو کے ساتھ خون بھی شامل تھا۔ یہ آخری تحریر جس میں غالباً زبان کی تکلیف کا اظہار تھا اور کچھ حصہ پڑھا نہیں جاتا تھا۔ جناب والدہ صاحبہ کو دیدی گئی۔ نو بجے کے بعد حضرت صاحب کی حالت زیادہ نازک ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد آپ کو غرغرہ شروع ہو گیا۔ غرغرہ میں کوئی آواز وغیرہ نہیں تھی۔ بلکہ صرف سانس لمبا لمبا اور کھچ کھچ کر آتا تھا۔ خاکسار اس وقت آپکے سرہانے کھڑا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر والدہ صاحبہ کو جو اس وقت ساتھ والے کمرے میں تھیں۔ اطلاع دی گئی وہ مع چند گھر کی مستورات کے آپ کی چارپائی کے پاس آکر زمین پر بیٹھ گئیں۔ اس وقت اکثر محمد حسین شاہ

لاہوری نے آپکی چھاتی میں پستان کے پاس انجکشن یعنی دوائی کی پچکاری کی۔ جس سے وہ جگہ کچھ اُبھر آئی۔ مگر کچھ افاقہ محسوس نہ ہوا۔ بلکہ بعض لوگوں نے بُرا منایا۔ کہ اس حالت میں آپ کو کیوں یہ تکلیف دی گئی ہے تھوڑی دیر تک غرغرہ کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ہر آن سانسوں کے درمیان کا وقفہ لمبا ہوتا گیا۔ حتّٰی کہ آپ نے ایک لمبا سانس لیا اور آپ کی روح رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اللّٰھم صل علیہ وعلٰی مطاعہ محمد و بارک وسلّم۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ کی یہ روایت جو شروع میں درج کی گئی ہے جب دوبارہ والدہ صاحبہ کے پاس برائے تصدیق بیان کی۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کا ذکر آیا۔ تو والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ حضرت مسیح موعود کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا۔ مگر اسکے بعد تھوڑی دیر تک ہم لوگ آپ کے پاؤں دباتے رہے۔ اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے۔ اور مَیں بھی سو گئی۔ لیکن کچھ دیر کے بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالباً ایک یا دو دفعہ رفع حاجت کے لیئے آپ پاخانہ تشریف لے گئے اسکے بعد آپ نے زیادہ ضعف محسوس کیا۔ تو اپنے ہاتھ سے مجھے جگایا۔ مَیں اُٹھی تو آپ کو اتنا ضعف تھا کہ آپ میری چارپائی پر ہی لیٹ گئے اور مَیں آپکے پاؤں دبانے کے لیئے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا۔ تم اب سو جاؤ۔ مَیں نے کہا۔ نہیں مَیں دباتی ہوں۔ اتنے میں آپکو ایک اور دست آیا۔ مگر اب اسقدر ضعف تھا۔ کہ آپ پاخانہ نہ جا سکتے تھے۔ اسلیئے مَیں نے چارپائی کے پاس ہی انتظام کر دیا اور آپ وہیں بیٹھ کر فارغ ہوئے اور پھر اُٹھ کر لیٹ گئے اور مَیں پاؤں دباتی رہی۔ مگر ضعف بہت ہو گیا تھا اسکے بعد ایک اور دست آیا اور پھر آپ کو ایک قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے۔ تو اتنا ضعف تھا کہ آپ لیٹتے لیٹتے پشت کے بل چارپائی پر گر گئے۔ اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت

دِگرگوں ہوگئی۔ اسپر مَیں نے گھبرا کر کہا "اسد یہ کیا ہونے لگا ہے" تو آپ نے فرمایا "یہ وہی ہے جو مَیں کہا کرتا تھا" خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پُوچھا۔ کیا آپ سمجھ گئی تھیں۔ کہ حضرت صاحب کا کیا منشاء ہے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ 'ہاں' والدہ صاحبہ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جب حالت خراب ہُوئی اَور ضعف بُہت ہوگیا۔ تو مَیں نے کہا کیا مولوی صاحب (حضرت مولوی نورالدین صاحب) کو بُلا لیں؟ آپ نے فرمایا بلا لو نیز فرمایا۔ محمود کو جگا لو۔ پھر مَیں نے پُوچھا محمد علی خان یعنی نواب صاحب کو بلا لوں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ کہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت صاحب نے اس کا کچھ جواب دیا یا نہیں اور دیا تو کیا دیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ مرض موت میں آنحضرت صلعم کو بھی سخت کرب تھا۔ اور نہایت درجہ بے چینی اور گھبراہٹ اور تکلیف کی حالت تھی اَور ہم نے دیکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا بھی بوقت وفات قریباً ایسا ہی حال تھا۔ یہ بات ناواقف لوگوں کے لیئے موجب تعجب ہوگی۔ کیونکہ دُوسری طرف وہ یہ سُنتے اَور دیکھتے ہیں کہ صوفیاء اَور اولیاء کی وفات نہایت اطمینان اَور سکون کی حالت میں ہوتی ہے سو دراصل بات یہ ہے۔ کہ نبی جب فوت ہونے لگتا ہے۔ تو اپنی امت کے متعلق اپنی تمام ذمہ واریاں اسکے سامنے ہوتی ہیں۔ اور ان کے مستقبل کا فکر مزید برآں اسکے دامنگیر ہوتا ہے۔ تمام دنیا سے بڑھ کر اس بات کو نبی جانتا اور سمجھتا ہے کہ موت ایک دروازہ ہے۔ جس سے گزر کر انسان نے خدا کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ پس موت کی آمد جہاں اس لحاظ سے اس کو مسرور کرتی ہے۔ کہ وصالِ محبوب کا وقت قریب آن پُہنچا ہے۔ وہاں اسکی عظیم الشان ذمہ داریوں کا احساس اَور اپنی اُمت کے متعلق آیندہ کا فکر اسے غیر معمولی کرب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مگر صوفیاء اور اَولیاء ان فکروں سے آزاد ہوتے ہیں۔ ان پر صرف اِن کے نفس کا بار ہوتا ہے مگر نبیوں پر ہزاروں

لاکھوں کروڑوں انسانوں کا بار۔ پس فرق ظاہر ہے۔

(اس روایت میں حضرت والدہ صاحبہ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ انکی گھبراہٹ کے اظہار پر حضرت مسیح موعودؑ نے یہ فرمایا کہ "یہ وہی ہے جو میں کہا کرتا تھا" اسکے متعلق مَیں نے حضرت والدہ صاحبہ سے دریافت کیا تھا کہ اس سے کیا مراد ہے جس پر انہوں نے فرمایا کہ حضرت صاحب کی یہ مراد تھی کہ جیسا کہ مَیں کہا کرتا تھا۔ کہ میری وفات کا وقت قریب ہے۔ سو اب یہ وہی موعود وقت آگیا ہے۔ اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ان الفاظ میں گویا حضرت صاحب نے مجھے ایک رنگ میں تسلی دی تھی۔ کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وہی مقدر وقت ہے جسکے متعلق میں خدا سے علم پاکر ذکر کیا کرتا تھا۔ اور جس طرح خدا کا یہ وعدہ پُورا ہو رہا ہے۔ اسی طرح خدا کے دوسرے وعدے بھی جو میرے بعد خدائی نصرت وغیرہ کے متعلق ہیں۔ پُورے ہونگے اور خدا تم سب کا خود کفیل ہوگا۔ نیز حضرت والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ حضرت صاحب کو اسہال کی شکایت اکثر ہو جایا کرتی تھی۔ جس سے بعض اوقات بہت کمزوری ہو جاتی تھی ..... اور آپ اسی بیماری سے فوت ہوئے)

(۱۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جن ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسالہ الوصیت لکھ رہے تھے ایک دفعہ جب آپ شریف (یعنی میرے چھوٹے بھائی عزیزم مرزا شریف احمد) کے مکان کے صحن میں ٹہل رہے تھے۔ آپ نے مجھ سے کہا۔ کہ مولوی محمد علی سے ایک انگریز نے دریافت کیا تھا۔ کہ جس طرح بڑے آدمی اپنا جانشین مقرر کیا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے بھی کوئی جانشین مقرر کیا ہے یا نہیں؟ اسکے بعد آپ فرمانے لگے تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا مَیں محمود (حضرت خلیفۃ المسیح ثانی) کو لکھدوں یا فرمایا مقرر کردوں؟ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔

میں نے کہا کہ جس طرح آپ مناسب سمجھیں کریں ۔

(۱۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہماری جماعت میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں۔ جن کو دُنیوی شان و شوکت کا خیال ہے کہ محکمے ہوں دفاتر ہوں بڑی بڑی عمارتیں ہوں وغیرہ وغیرہ دُوسرے وُہ ہیں۔ جو کسی بڑے آدمی مثلاً مولوی نورالدین صاحب کے اثر کے نیچے آکر جماعت میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور انہی کے ساتھ وابستہ ہیں تیسری قسم کے وُہ لوگ ہیں۔ جن کو خاص میری ذات سے تعلق ہے۔ اور وہ ہر بات میں میری رضا اور میری خوشی کو مقدم رکھتے ہیں ۔

(۱۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جس وقت لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہُوئے۔ اس وقت حضرت مولوی نورالدین صاحب اس کمرہ میں موجود نہیں تھے۔ جس میں آپ نے وفات پائی جب حضرت مولوی صاحب کو اطلاع ہُوئی تو آپ آئے اور حضرت صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور پھر جلد ہی اس کمرے سے باہر تشریف لے گئے۔ جب حضرت مولوی صاحب کا قدم دروازے کے باہر ہوا اس وقت مولوی سیّد محمد احسن صاحب نے رقّت بھری آواز میں حضرت مولوی صاحب سے کہا۔ انت صدّیقی۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا مولویصاحب یہاں اس سوال کو رہنے دیں۔ قادیان جاکر فیصلہ ہوگا۔ خاکسار کا خیال ہے کہ اس مکالمہ کو میرے سوا کسی نے نہیں سُنا ۔

(۱۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تین انگوٹھیاں تھیں ایک الیس اللہ بکاف عبدہ والی جس کا آپنے کئی جگہ اپنی تحریرات میں ذکر کیا ہے۔ یہ سب سے پہلی انگوٹھی ہی جو دعویٰ سے بہت عرصہ پہلے تیار کرائی گئی تھی دُوسری وہ انگوٹھی جس پر آپ کا

الہام غرستک بیدی رحمتی وقدرتی الخ درج ہے۔ یہ آپ نے دعوٰی کے بعد تیار کروائی تھی۔ اور یہ بھی ایک عرصہ تک آپ کے ہاتھ میں رہی۔ الہام کی عبارت نسبتاً لمبی ہونے کی وجہ سے اس کا نگینہ سب سے بڑا ہے۔ تیسری وہ جو آخری سالوں میں تیار ہوئی۔ اور جو وفات کے وقت آپکے ہاتھ میں تھی۔ یہ انگوٹھی آپ نے خود تیار نہیں کروائی بلکہ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ میں حضور کے واسطے ایک انگوٹھی تیار کرانا چاہتا ہوں اسپر کیا لکھواؤں۔ حضور نے جواب دیا 'مولا بس' چنانچہ اس شخص نے یہ الفاظ لکھوا کر انگوٹھی آپ کے پیش کردی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت ایک شخص نے یہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے اُتار لی تھی۔ پھر اس سے والدہ صاحبہ نے واپس لے لی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے ایک عرصہ بعد والدہ صاحبہ نے ان تینوں انگوٹھیوں کے متعلق ہم تینوں بھائیوں کے لیئے قرعہ ڈالا۔ الیس اللہ بکاف عبدہ والی انگوٹھی بڑے بھائی صاحب یعنی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے نام نکلی۔ غرستک بیدی والی خاکسار کے نام اور 'مولا بس' والی عزیزم میاں شریف احمد صاحب کے نام نکلی ہمشیرگان کے حصہ میں دو اور اسی قسم کے تبرک آئے۔

(۱۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذکر فرمایا کہ ایک دفعہ میں کسی مقدمہ کی پیروی کے لیئے گیا۔ عدالت میں اور اور مقدمے ہوتے رہے۔ اور میں باہر ایک درخت کے نیچے انتظار کرتا رہا۔ چونکہ نماز کا وقت ہوگیا تھا۔ اس لئے میں نے وہیں نماز پڑھنا شروع کردی۔ مگر نماز کے دوران میں ہی عدالت سے مجھے آوازیں پڑنی شروع ہوگئیں۔ مگر میں نماز پڑھتا رہا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا۔ تو میں نے دیکھا کہ میرے پاس عدالت کا ہرکارہ کھڑا ہے۔ سلام پھیرتے ہی اس نے مجھے کہا مرزا صاحب مبارک ہو آپ مقدمہ جیت گئے ہیں۔

(۱۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جوانی کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس زمانہ میں مجھ کو

معلوم ہوا یا فرمایا اشارہ ہوا کہ اس راہ میں ترقی کرنے کے لیئے روزے رکھنے بھی ضروری ہیں۔ فرماتے تھے۔ پھر میں نے چھ ماہ لگاتار روزے رکھے اور گھر میں یا باہر کسی شخص کو معلوم نہ تھا کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔ صبح کا کھانا جب گھر سے آتا تھا۔ تو میں کسی حاجتمند کو دیدیتا تھا۔ اور شام کا خود کھا لیتا تھا۔ میں نے حضرت والدہ صاحبہ سے پوچھا۔ کہ آخر عمر میں بھی آپ نفلی روزے رکھتے تھے یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے کہا کہ آخر عمر میں بھی آپ روزے رکھا کرتے تھے۔ خصوصاً شوال کے چھ روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے۔ اور جب کبھی آپ کو کسی خاص کام کے متعلق دُعا کرنا ہوتی تھی تو آپ روزہ رکھتے تھے۔ ہاں مگر آخری دو تین سالوں میں بوجہ ضعف و کمزوری رمضان کے روزے بھی نہیں رکھ سکتے تھے (خاکسار عرض کرتا ہے کہ کتاب البریہ میں حضرت صاحب نے روزوں کا زمانہ آٹھ نو ماہ بیان کیا ہے)

(۱۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلی دفعہ دورانِ سر اور ہسٹیریا کا دورہ بشیر اول (ہمارا ایک بڑا بھائی ہوتا تھا جو ۱۸۸۸ء میں فوت ہو گیا تھا) کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا۔ رات کو سوتے ہوئے آپ کو اٹھو آیا اور پھر اسکے بعد طبیعت خراب ہو گئی۔ مگر یہ دورہ خفیف تھا۔ پھر اسکے کچھ عرصہ بعد آپ ایک دفعہ نماز کیلئے باہر گئے اور جاتے ہوئے فرما گئے۔ کہ آج کچھ طبیعت خراب ہے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ تھوڑی دیر کے بعد شیخ حامد علی (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک پرانے مخلص خادم تھے۔ اب فوت ہو چکے ہیں) نے دروازہ کھٹکھٹایا کہ جلدی پانی کی ایک گاگر گرم کر دو۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ میں سمجھ گئی۔ کہ حضرت صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی ہو گی۔ چنانچہ میں نے کسی ملازم عورت کو کہا کہ اس سے پوچھو میاں کی طبیعت کا کیا حال ہے۔ شیخ حامد علی نے کہا۔ کہ کچھ خراب ہو گئی ہے۔ میں پردہ کرا کے مسجد میں چلی گئی۔ تو آپ لیٹے ہوئے تھے۔ میں جب پاس گئی تو

فرمایا کہ میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ لیکن اب افاقہ ہے۔ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ کہ میں نے دیکھا کہ کوئی کالی کالی چیز میرے سامنے سے اُٹھی ہے اور آسمان تک چلی گئی ہے۔ پھر میں چیخ مار کر زمین پر گر گیا اور غشی کی سی حالت ہوگئی والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ اسکے بعد سے آپ کو باقاعدہ دَورے پڑنے شروع ہوگئے خاکسار نے پُوچھا۔ دَورہ میں کیا ہوتا تھا۔ والدہ صاحبہ نے کہا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوجاتے تھے اور بدن کے پٹھے کھچ جاتے تھے۔ خصوصاً گردن کے پٹھے۔ اور سر میں چکر ہوتا تھا۔ اور اس حالت میں آپ اپنے بدن کو سہار نہیں سکتے تھے۔ شروع شروع میں یہ دَورے بہت سخت ہوتے تھے۔ پھر اسکے بعد کچھ تو دَوروں کی ایسی سختی نہیں رہی۔ اور کچھ طبیعت عادی ہوگئی۔ خاکسار نے پُوچھا اس سے پہلے تو سر کی کوئی تکلیف نہیں تھی؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا پہلے معمولی سر درد کے دورے ہُوا کرتے تھے۔ خاکسار نے پُوچھا کیا پہلے حضرت صاحب خود نماز پڑھاتے تھے والدہ صاحبہ نے کہا کہ ہاں مگر پھر دَوروں کے بعد چھوڑ دی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ مسیحیت کے دعوٰی سے پہلے کی بات ہے۔

(اس روایت میں جو حضرت مسیح موعود کے دَوران سر کے دوروں کے متعلق حضرت والدہ صاحبہ نے ہسٹیریا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے وُہ بیماری مراد نہیں ہے۔ جو علم طب کی رُو سے ہسٹیریا کہلاتی ہے۔ بلکہ یہ لفظ اس جگہ ایک غیر طبی رنگ میں دَورانِ سر اور ہسٹیریا کی جزوی مشابہت کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ جیسے کہ حصہ دوم کی روایت نمبر ۳۲۵ و ۳۶۹ میں تشریح کی جا چکی ہے۔ حضرت مسیح موعود کو حقیقتاً ہسٹیریا نہیں تھا چنانچہ خود حضرت مسیح موعود نے جہاں کہیں بھی اپنی تحریرات میں اپنی اس بیماری کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اسکے متعلق کبھی بھی ہسٹیریا وغیرہ کا لفظ استعمال نہیں کیا اور نہ ہی علم طب کی رو سے دَورانِ سر کی بیماری کسی صورت میں ہسٹیریا یا مراق کہلا سکتی ہے۔ بلکہ دَورانِ سر کی بیماری کے لیئے انگریزی میں غالباً وڑیگو

کا لفظ ہے۔ جو غالباً سر درد ہی کی ایک قسم ہے جس میں سر میں چکر آتا ہے اور گردن وغیرہ کے پٹھوں میں کھچاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ اور اس حالت میں بیمار کے لیئے چلنا یا کھڑے ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن ہوش و حواس پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ خاکسار راقم الحروف نے متعدد دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کو دورے کی حالت میں دیکھا ہے۔ اور کبھی بھی ایسی حالت نہیں دیکھی۔ جس میں ہوش و حواس پر کوئی اثر پڑا ہو اور حضرت مسیح موعود کی یہ بیماری بھی دراصل آنحضرت صلعم کی ایک پیشگوئی کے مطابق تھی۔ جس میں بتایا گیا تھا۔ کہ مسیح موعود دو زرد چادروں (یعنی دو بیماریوں) میں لپٹا ہوا نازل ہوگا۔ دیکھو مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ بحوالہ مسلم وغیرہ۔ اور روایت میں جو یہ لفظ آتے ہیں۔ کہ پہلے دورے کے وقت آپ نے کوئی کالی کالی چیز آسمان کی طرف اٹھتی دیکھی۔ سو دوران سر کے عارضہ میں یہ ایک عام بات ہے۔ کہ سر چکر کی وجہ سے ارد گرد کی چیزیں گھومتی ہوئی اوپر کو اٹھتی نظر آتی ہیں۔ اور بوجہ اسکے کہ ایسے دورے کے وقت مریض کا میلان آنکھیں بند کر لینے کی طرف ہوتا ہے۔ عموماً یہ چیزیں سیاہ رنگ اختیار کر لیتی ہیں اور دورے میں غشی کی سی حالت ہو جانے سے جیسا کہ خود الفاظ بھی اسی حقیقت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ حقیقی غشی مراد نہیں بلکہ بوجہ زیادہ کمزوری کے آنکھیں نہ کھول سکنا یا بول نہ سکنا مراد ہے۔ واللہ اعلم)

(۴۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلی بیعت لدھیانہ میں لی تھی۔ پہلے دن چالیس آدمیوں نے بیعت کی تھی پھر جب آپ گھر میں آئے تو بعض عورتوں نے بیعت کی۔ سب سے پہلے مولوی صاحب (حضرت مولوی نورالدین صاحب) نے بیعت کی تھی۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ آپ نے کب بیعت کی؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ میرے متعلق مشہور ہے کہ میں نے بیعت سے توقف کیا اور کئی سال بعد بیعت کی۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ میں کبھی بھی آپ سے الگ نہیں ہوئی۔ ہمیشہ

آپکے ساتھ رہی اور شروع سے ہی اپنے آپ کو بیعت میں سمجھا اور اپنے لیئے باقاعدہ الگ بیعت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ ابتدائی بیعت کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسیحیت اور مہدویت کا دعوٰے نہ تھا۔ بلکہ عام مجددانہ طریق پر آپ بیعت لیتے تھے۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ حضرت مولوی صاحب کے علاوہ اور کس کس نے پہلے دن بیعت کی تھی؟ والدہ صاحبہ نے میاں عبداللہ صاحب سنوری اور شیخ حامد علی صاحب کا نام لیا +

(۲۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعوٰی مسیحیت شایع کرنے لگے تو اس وقت آپ قادیان میں تھے۔ آپ نے اسکے متعلق ابتدائی رسالے یہیں لکھے۔ پھر آپ لدھیانہ تشریف لے گئے اور وہاں سے دعوٰے شایع کیا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ دعوٰے شایع کرنے سے پہلے آپ نے مجھ سے فرمایا تھا۔ کہ میں ایسی بات کا اعلان کرنے لگا ہوں جس سے ملک میں مخالفت کا بہت شور پیدا ہوگا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ اس اعلان پر بعض ابتدائی بیعت کرنیوالونکو بھی ٹھوکر لگ گئی +

(۲۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ میں میر حامد شاہ صاحب کے مکان پر تھے۔ اور سو رہے تھے۔ مَیں نے آپکی زبان پر ایک فقرہ جاری ہوتے سُنا۔ مَیں نے سمجھا کہ الہام ہوا ہے پھر آپ بیدار ہو گئے۔ تو مَیں نے کہا۔ کہ آپ کو یہ الہام ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تم کو کیسے معلوم ہوا؟ مَیں نے کہا مجھے آواز سُنائی دی تھی۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ الہام کے وقت آپکی کیا حالت ہوتی تھی؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور ماتھے پر پسینہ آجاتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ اپنے مکان کے چھوٹے

صحن میں (یعنی جو والدہ صاحبہ کا موجودہ صحن ہے) ایک لکڑی کے تخت پر تشریف رکھتے تھے۔ غالباً صبح یا شام کا وقت تھا آپ کو کچھ غنودگی ہوئی۔ تو آپ لیٹ گئے۔ پھر آپ کے ہونٹوں سے کچھ آواز سنی گئی۔ جس کو ہم سمجھ نہیں سکے۔ پھر آپ بیدار ہوئے۔ تو فرمایا مجھے اس وقت یہ الہام ہوا ہے۔ مگر خاکسار کو وہ الہام یاد نہیں رہا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ جب آپکو الہام ہوتا تھا۔ تو اسکے بعد آپ غنودگی سے فوراً بیدار ہو جاتے تھے۔ اور اسے تحریر کر لیتے تھے۔ اوائل میں اپنی کسی عام کتاب پر نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ پھر آپ نے ایک بڑے سائز کی کاپی بنوالی اسکے بعد ایک چھوٹی مگر ضخیم نوٹ بک بنوالی تھی۔ خاکسار نے پوچھا کہ اب وہ نوٹ بک کہاں ہے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا تمہارے بھائی کے پاس ہے۔ اور خاکسار کے ماموں ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب بھی بیان کرتے تھے۔ کہ میں نے بھی ایک دفعہ حضرت صاحب کو الہام ہوتے دیکھا تھا۔

(۲۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر کا کام آخری زمانہ میں ٹیڑھے نب سے کیا کرتے تھے اور بغیر خطوط کا سفید کاغذ استعمال فرماتے تھے۔ آپ کی عادت تھی۔ کہ کاغذ لے کر اسکی دو جانب شکن ڈال لیتے تھے۔ تاکہ دونوں طرف سفید حاشیہ رہے اور آپ کالی روشنائی سے بھی لکھ لیتے تھے۔ اور بلیو بلیک سے بھی اور مٹی کا اُپلہ سا بنوا کر اپنی دوات اس میں نصب کروا لیتے تھے تاکہ گرنے کا خطرہ نہ رہے۔ آپ بالعموم لکھتے ہوئے ٹہلتے بھی جاتے تھے یعنی ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھتے بھی۔ اور دوات ایک جگہ رکھ دیتے تھے۔ جب اسکے پاس سے گذرتے۔ نب کو تر کر لیتے۔ اور لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی تحریر کو پڑھتے بھی جاتے تھے۔ اور آپ کی عادت تھی۔ کہ جب آپ اپنے طور پر پڑھتے تھے۔ تو آپ کے ہونٹوں سے گنگنانے کی آواز آتی تھی۔ اور سننے والا الفاظ صاف نہیں سمجھ سکتا تھا۔ خاکسار نے مرزا سلطان احمد صاحب کو پڑھتے سُنا ہے۔ ان کا طریق حضرت صاحب کے طریق سے بہت ملتا

ہے۔ آپ کی تحریر پختہ مگر شکستہ ہوتی تھی۔ جسکو عادت نہ ہو۔ وہ صاف نہیں پڑھ سکتا تھا۔ لکھے ہوئے کو کاٹ کر بدل بھی دیتے تھے۔ چنانچہ آپ کی تحریر میں کئی جگہ کٹے ہوئے حصے نظر آتے تھے۔ اور آپکا خط بہت باریک ہوتا تھا۔ چنانچہ نمونہ درج ذیل ہے:۔

اصل خط

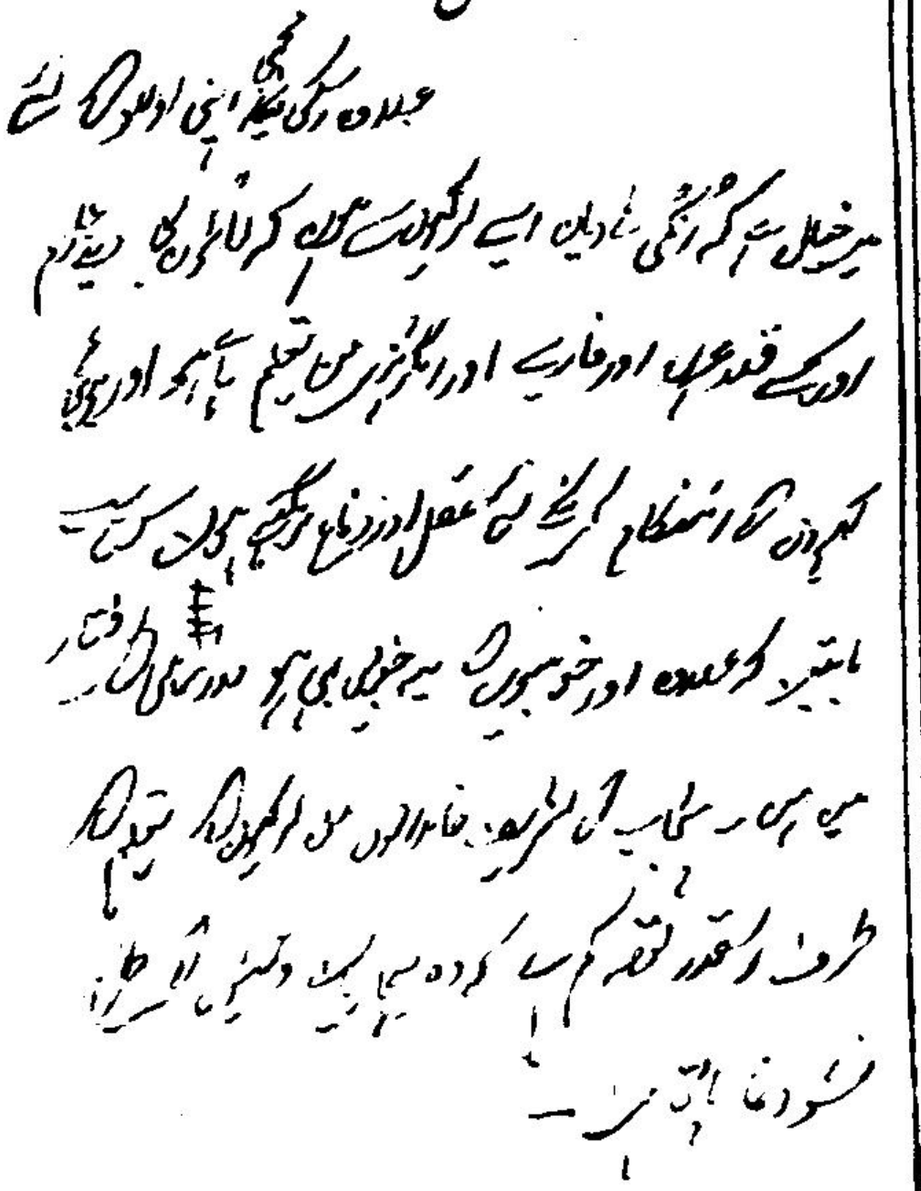

نقل خط

علاوہ اس کے مجھے اپنی اولاد کے لئے یہ خیال ہے کہ انکی شادیاں ایسی لڑکیوں سے ہوں۔ کہ انہوں نے دینی علوم اور کسیقدر عربی اور فارسی اور انگریزی میں تعلیم پائی ہو۔ اور بڑے گھروں کے انتظام کرنے کیلئے عقل اور دماغ رکھتی ہوں۔ سو یہ سب باتیں کہ علاوہ اور خوبیوں کے یہ خوبی بھی ہو۔ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ پنجاب کے شریف خاندانوں میں لڑکیوں کی تعلیم کی طرف اسقدر توجہ کم ہے۔ کہ وہ سچا پاکیزہ دلنشیوں کی طرح نشوونما پاتی ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ عبارت ایک خط سے لی گئی ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۸۹۹ء میں مرزا محمود بیگ صاحب پٹی کو لکھا تھا۔

(۲۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب تمہارے تایا (مرزا غلام قادر صاحب یعنی حضرت صاحب کے بڑے بھائی) لاولد فوت ہو گئے۔ تو تمہاری تائی حضرت صاحب کے پاس روئیں۔ اور کہا۔ کہ اپنے بھائی کی جائداد سلطان احمد کے نام بطور متبنّٰے کے کرادو۔ وہ ویسے بھی اب تمہاری ہے۔ اور اس طرح بھی تمہاری رہے گی۔

چنانچہ حضرت صاحب نے تمہارے تایا صاحب کی تمام جائداد مرزا سلطان احمدؐ کے نام کرادی۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا۔ کہ حضرت صاحب نے متبنّٰے کی صورت کس طرح منظور فرمالی؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ یہ تو یونہی ایک بات تھی۔ ورنہ وفات کے بعد متبنّٰے کیسا۔ مطلب تو یہ تھا۔ کہ تمہاری تائی کی خوشی کے لئے حضرت نے تمہارے تایا کی جائداد مرزا سلطان احمدؐ کے نام داخل خارج کرادی۔ اور اپنے نام نہیں کرائی۔ کیونکہ اس وقت کے حالات کے ماتحت ویسے بھی مرزا سلطان احمدؐ کو آپ کی جائداد سے نصف حصہ جانا تھا۔ اور باقی نصف مرزا فضل احمدؐ کو۔ پس آپ نے سمجھ لیا۔ کہ گویا آپ نے اپنی زندگی میں ہی مرزا سلطان احمد کا حصہ الگ کردیا۔

(۲۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب مرزا فضل احمدؐ فوت ہُوا۔ تو اسکے کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب نے مجھے فرمایا۔ کہ تمہاری اولاد کے ساتھ جائداد کا حصہ بٹانے والا ایک فضل احمدؐ ہی تھا۔ سو وہ بیچارہ بھی گزر گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ ہمارے دادا صاحب کے دو لڑکے تھے ایک حضرت صاحب جن کا نام مرزا غلام احمدؐ تھا اور دوسرے ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب جو حضرت صاحب سے بڑے تھے۔ ہمارے دادا نے قادیان کی زمین میں دو گاؤں آباد کرکے انکو اپنے دونوں بیٹوں کے نام موسوم کیا تھا۔ چنانچہ ایک کا نام قادر آباد رکھا۔ اور دوسرے کا احمدؐ آباد۔ احمدؐ آباد بعد میں کسی طرح ہمارے خاندان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور صرف قادر آباد رہ گیا۔ چنانچہ قادر آباد حضرت صاحب کی اولاد میں تقسیم ہُوا اور اسی میں مرزا سلطان احمدؐ صاحب کا حصہ آیا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ اب قریباً چالیس سال کے عرصہ کے بعد احمدؐ آباد جو ہمارے خاندان کے ہاتھ سے نکل کر غیر خاندان میں جا چکا تھا۔ واپس ہمارے پاس آگیا ہے۔ اور اب وہ کلیۃً صرف ہم تین بھائیوں کے پاس ہے۔ یعنی مرزا سلطان احمدؐ صاحب کا اس میں حصہ نہیں۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ قادر آباد قادیان سے مشرق کی جانب واقع ہے۔ اور احمدؐ آباد جانبِ شمال ہے۔

(۲۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے (جو خاکسار کے حقیقی ماموں ہیں) کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ میں دعویٰ مسیحیت شائع کیا۔ تو میں ان دنوں چھوٹا بچہ تھا۔ اور

شاید تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے اس دعوے سے کچھ اطلاع نہیں تھی۔ ایک دن میں مدرسہ گیا تو بعض لڑکوں نے مجھے کہا کہ وہ جو قادیان کے مرزا صاحب تمہارے گھر میں ہیں۔ انہوں نے دعوے کیا ہے کہ حضرت عیسےٰ فوت ہو گئے ہیں اور یہ کہ آنے والے مسیح وہ خود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے۔ کہ میں نے ان کی تردید کی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ تو زندہ ہیں اور آسمان سے نازل ہونگے۔ خیر جب میں گھر آیا۔ تو حضرت صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ میں نے سنا ہے۔ آپ کہتے ہیں۔ کہ آپ مسیح ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ کہ میرا یہ سوال سنکر حضرت صاحب خاموشی کے ساتھ اٹھے اور کمرے کے اندر الماری سے ایک نسخہ کتاب فتح اسلام (جو آپ کی جدید تصنیف تھی) لاکر مجھے دیدیا اور فرمایا اسے پڑھو۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے۔ کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی دلیل ہے۔ کہ آپ نے ایک چھوٹے بچے کے معمولی سوال پر اس قدر سنجیدگی سے توجہ فرمائی۔ ورنہ یونہی کوئی بات کہکر ٹال دیتے +

(۲۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ میں حدیث میں یہ پڑھتا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بال صحابہ برکت کے لیئے رکھتے تھے اس خیال سے میں نے ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور مجھے اپنے کچھ بال عنایت فرماویں۔ چنانچہ جب آپ نے حجامت کرائی۔ تو مجھے اپنے بال بھجوا دیئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میرے پاس بھی حضرت صاحب کے کچھ بال رکھے ہیں +

(۲۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ ایکدفعہ جب مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اول) قادیان سے باہر گئے ہوئے تھے میں مغرب کی نماز میں آیا تو دیکھا۔ کہ آگے حضرت مسیح موعودؑ خود نماز پڑھا رہے تھے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ حضرت صاحب نے چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھیں۔ مگر سوز و درد سے لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ جب آپ نے نماز ختم کرائی۔ تو میں آگے ہوا مجھے دیکھ کر آپ نے فرمایا قاضی صاحب میں نے آپ کو بہت تلاش کیا۔ مگر آپ کو نہیں پایا۔ مجھے

اس نماز میں سخت تکلیف ہوئی ہے۔ عشاء کی نماز آپ پڑھائیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہوگی۔

(۲۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جن دنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کرم دین سے گورداسپور میں مقدمہ تھا اور آپ گورداسپور گئے ہوئے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ سب لوگ کچہری میں چلے گئے یا اِدھر اُدھر ہو گئے اور حضرت صاحب کے پاس صرف میں اور مفتی محمد صادق صاحب رہ گئے۔ حضرت صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ سو رہے ہیں۔ اسی حالت میں آپ نے سر اُٹھایا اور کہا کہ مجھے الہام ہوا ہے لکھ لو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت وہاں کوئی قلم دوات یا پنسل موجود نہ تھی آخر ہم باورچی خانہ سے ایک کوئلہ لائے اور اس سے مفتی صاحب نے کاغذ پر لکھا۔ آپ پھر اسی طرح لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ نے الہام لکھایا۔ غرض اسی طرح آپ نے اسوقت چند الہامات لکھائے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک الہام مجھے یاد ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ یسئلونك عن شانك قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ یعنی تیری شان کے متعلق سوال کرینگے تو ان سے کہدے 'اللہ' پھر چھوڑ دے ان کو ان کی بیہودہ گوئی میں۔ دوسرے دن جب آپ عدالت میں پیش ہوئے۔ تو وکیل مستغیث نے آپ سے منجملہ اور سوالات کے یہ سوال بھی کیا۔ کہ یہ جو آپ نے اپنی کتاب تحفہ گولڑویہ میں اپنے متعلق لکھا ہے۔ اور اسنے اس کتاب سے ایک عبارت پڑھ کر سنائی جس میں آپ نے بڑے زوردار الفاظ میں اپنے علوّ مرتبت کے متعلق فقرات لکھے ہیں۔ کیا آپ واقعی ایسی ہی اپنی شان سمجھتے ہیں؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ ہاں یہ اللہ کا فضل ہے یا کوئی ایسا ہی کلمہ بولا۔ جس میں اللہ کیطرف بات کو منسوب کیا تھا۔ مولوی صاحب نے بیان کیا۔ کہ حضرت صاحب کو اس وقت خیال نہیں آیا۔ کہ یہ سوال و جواب آپ کے الہام کے مطابق تھا۔ پھر جب

آپ گورداسپور سے واپس قادیان آنے لگے۔ تو مَیں نے راستہ میں موڑ پر آکر آپ سے عرض کیا۔ کہ حضور میرا خیال ہے کہ حضور کا وہ الہام اس سوال و جواب میں پورا ہُوا ہے حضرت صاحب بہت خوش ہُوئے کہ ہاں واقعی یہی ہے۔ آپ نے بہت ٹھیک سمجھا ہے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ اسکے چند دن بعد مجھے شیخ یعقوب علی صاحب نے کہا کہ حضرت صاحب ایک اور موقعہ پر بھی ذکر فرماتے تھے۔ کہ مولوی شیر علی نے اس الہام کی تطبیق خوب سمجھی ہے اور خوشی کا اظہار فرماتے تھے +

(اس روایت میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب تحفہ گولڑویہ کا ذکر آتا ہے۔ اسکے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں تحفہ گولڑویہ کی بجائے تریاق القلوب کا نام لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سہو ہُوا ہے۔ اور درست یہی ہے کہ عدالت میں جس کتاب کے متعلق پُوچھا گیا تھا وہ تحفہ گولڑویہ تھی نہ کہ تریاق القلوب جیسا کہ حصہ دوم کی روایت ۳۸۹ میں مسل عدالت کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے)

(۳۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت تھی کہ ہر شخص کی خواب توجہ سے سنتے تھے۔ اور بسا اوقات نوٹ بھی فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب مرزا امام الدین وغیرہ نے مسجد کے نیچے کا راستہ دیوار کھینچکر بند کر دیا تھا اور احمدیوں کو سخت تکلیف کا سامنا تھا۔ اور آپ کو مجبوراً قانونی چارہ جوئی کرنی پڑی تھی۔ (اس موقعہ کے علاوہ کبھی آپ نے کسی کے خلاف خود مقدمہ دائر نہیں کیا) مَیں نے خواب دیکھا کہ وہ دیوار گرائی جا رہی ہے اور مَیں اسکے گرے ہُوئے حصے کے اوپر سے گذر رہا ہوں۔ مَیں نے یہ خواب آپ کے پاس بیان کیا آپ نے بڑی توجہ سے سُنا اور نوٹ کر لیا۔ اس وقت مَیں بالکل بچہ تھا +

(۳۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جن دِنوں ۱۹۰۵ء کا بڑا

زلزلہ آیا تھا۔ اور آپ باغ میں رہائش کے لیئے چلے گئے تھے۔ مفتی محمد صادق صاحب کے لڑکے محمد منظور نے جو اِن دِنوں میں بالکل بچہ تھا۔ خواب میں دیکھا کہ بہت سے بکرے ذبح کئے جا رہے ہیں۔ حضرت صاحب کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے کئی بکرے منگوا کر صدقہ کروا دیئے۔ اور حضرت صاحب کی اتباع میں اور اکثر لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ میرا خیال ہے۔ اسوقت باغ میں ایک سو سے زیادہ بکرا ذبح ہوا ہوگا +

(۳۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ۱۹۰۵ء کا زلزلہ آیا تو میں بچہ تھا۔ اور نواب محمد علی خان صاحب کے شہر والے مکان کے ساتھ ملحق حضرت صاحب کے مکان کا جو حصّہ ہے اس میں ہم دُوسرے بچّوں کے ساتھ چارپائیوں پر لیٹے ہُوئے سو رہے تھے۔ جب زلزلہ آیا تو ہم سب ڈر کر بے تحاشا اُٹھے۔ اور ہم کو کچھ خبر نہیں تھی۔ کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ صحن میں آئے تو اوپر سے کنکر روڑے برس رہے تھے۔ ہم بھاگتے ہُوئے بڑے مکان کی طرف آئے وہاں حضرت مسیح موعودؑ اور والدہ صاحبہ کمرے سے نکل رہے تھے۔ ہمنے جاتے ہی حضرت مسیح موعودؑ کو پکڑ لیا اور آپ سے لپٹ گئے۔ آپ اس وقت گھبرائے ہوئے تھے اور بڑے صحن کی طرف جانا چاہتے تھے۔ مگر چاروں طرف بچے چمٹے ہوئے تھے اور والدہ صاحبہ بھی کوئی اِدھر کھینچتا تھا۔ تو کوئی اودھر اور آپ سب کے درمیان میں تھے۔ آخر بڑی مشکل سے آپ اور آپکے ساتھ چمٹے ہُوئے ہم سب بڑے صحن میں پہنچے۔ اس وقت تک زلزلے کے دھکے بھی کمزور ہو چکے تھے تھوڑی دیر کے بعد آپ ہم کو لیکر اپنے باغ میں تشریف لے گئے۔ دوسرے احباب بھی اپنا ڈیرا ڈنڈا اُٹھا کر باغ میں پہنچ گئے۔ وہاں حسب ضرورت کچھ کچے مکان بھی تیار کروا لیئے گئے اور کچھ خیمے منگوا لیئے گئے اور پھر ہم سب ایک لمبا عرصہ باغ میں مقیم رہے۔ ان دِنوں میں مدرسہ بھی وُہیں لگتا تھا۔ گویا باغ میں ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ اللہ اللہ کیا زمانہ تھا +

(۳۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ میں اوائل میں اس بات کا قائل تھا۔ کہ سفر میں قصر نماز عام حالات میں جائز نہیں بلکہ صرف جنگ کی حالت میں فتنہ کے خوف کے وقت جائز ہے اور اس معاملہ میں مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اول) کے ساتھ بہت بحث کیا کرتا تھا۔ قاضی صاحب نے بیان کیا کہ جن دِنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا گورداسپور میں مقدمہ تھا۔ ایک دفعہ مَیں بھی وہاں گیا۔ حضرت صاحب کے ساتھ وہاں مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اول) اور مولوی عبدالکریم صاحب بھی تھے۔ مگر ظہر کی نماز کا وقت آیا۔ تو آپ نے مجھے فرمایا۔ کہ قاضی صاحب آپ نماز پڑھائیں۔ مَیں نے دل میں سختہ ارادہ کیا۔ کہ آج مجھے موقعہ ملا ہے۔ میں قصر نہیں کرونگا۔ بلکہ پُوری پڑھونگا۔ تا اس مسئلہ کا کچھ فیصلہ ہو قاضی صاحب بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے یہ ارادہ کرکے ہاتھ اُٹھائے۔ کہ قصر نہیں کرونگا۔ حضرت صاحب میرے پیچھے دائیں طرف کھڑے تھے۔ آپ نے فوراً قدم آگے بڑھا کر میرے کان کے پاس منہ کرکے فرمایا قاضی صاحب دو ہی پڑھینگے نا؟ مَیں نے عرض کیا۔ حضور دو ہی پڑھونگا۔ بس اسوقت سے ہمارا مسئلہ حل ہو گیا اور مَیں نے اپنا خیال ترک کر دیا ۔

(۳۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ میرا ایک لڑکا جو پہلی بیوی سے تھا۔ فوت ہو گیا۔ اسکی ماں نے بڑا جزع فزع کیا اور اسکی والدہ یعنی بچے کی نانی نے بھی اسی قسم کی حرکت کی۔ مَیں نے ان کو بہت روکا۔ مگر وہ باز نہ آئیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس لڑکے کا جنازہ پڑھنے آئے۔ تو جنازہ کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور بہت دیر تک وعظ فرماتے رہے۔ اور آخر میں فرمایا قاضی صاحب اپنے گھر میں بھی میری یہ نصیحت پہنچا دیں۔ مَیں نے گھر آکر بیوی کو حضرت صاحب کا وعظ سنایا پھر اسکے بعد اسکے دو تین لڑکے فوت ہوئے۔ مگر اسنے سوائے آنسو گرانے کے اور کوئی حرکت نہیں کی ۔

(۳۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان سے گورداسپور جاتے ہوئے بٹالہ ٹھیرے وہاں کوئی مہمان جو آپ کی تلاش میں قادیان سے ہوتا ہوا بٹالہ واپس آیا تھا آپ کے پاس کچھ پھل بطور تحفہ لایا۔ پھلوں میں انگور بھی تھے۔ آپ نے انگور کھانے۔ اور فرمایا انگور میں ترشی ہوتی ہے۔ مگر یہ ترشی نزلہ کے لیئے مضر نہیں ہوتی۔ پھر آپ نے فرمایا ابھی میرا دل انگور کو چاہتا تھا۔ سو خدا نے بھیج دیئے۔ فرمایا۔ کئی دفعہ میں نے تجربہ کیا ہے۔ کہ جس چیز کو دل چاہتا ہے۔ اللہ اُسے مہیا کر دیتا ہے۔ پھر ایک واقعہ سُنایا۔ کہ میں ایک سفر میں جا رہا تھا۔ کہ میرے دل میں پونڈے گنّے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مگر وہاں راستہ میں کوئی گنّا میسر نہیں تھا۔ مگر اللہ کی قدرت کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص ہم کو مل گیا جس کے پاس پونڈے تھے۔ اس سے ہم کو پونڈے ملگئے۔

(۳۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ اوائل میں ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سخت دَورہ پڑا۔ کسی نے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد کو بھی اطلاع دیدی اور وہ دونوں آگئے۔ پھر ان کے سامنے بھی حضرت صاحب کو دَورہ پڑا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ اس وقت میں نے دیکھا۔ کہ مرزا سلطان احمد تو اپنی چارپائی کے پاس خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہے۔ مگر مرزا فضل احمد کے چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا۔ اور ایک جاتا تھا اور وہ کبھی اِدھر بھاگتا تھا۔ اور کبھی اُدھر۔ کبھی اپنی پگڑی اُتار کر حضرت صاحب کی ٹانگوں کو باندھتا تھا۔ اور کبھی پاؤں دبانے لگ جاتا تھا۔ اور گھبراہٹ میں اسکے ہاتھ کانپتے تھے۔

(۳۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب محمدی بیگم کی شادی دُوسری جگہ ہوگئی اور قادیان کے تمام رشتہ داروں نے حضرت صاحب کی سخت مخالفت کی اور خلاف کوشش کرتے رہے اور سب نے

احمد بیگ والد محمدی بیگم کا ساتھ دیا اور خود کوشش کر کے لڑکی کی شادی دوسری جگہ کرا دی۔ تو حضرت صاحب نے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد دونوں کو الگ الگ خط لکھا کہ ان سب لوگوں نے میری سخت مخالفت کی ہے اب انکے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور ان کے ساتھ اب ہماری قبریں بھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں لہذا اب تم اپنا آخری فیصلہ کرو اگر تم نے میرے ساتھ تعلق رکھنا ہے۔ تو پھر ان سے قطع تعلق کرنا ہوگا اور اگر ان سے تعلق رکھنا ہے تو پھر میرے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں رہ سکتا۔ میں اس صورت میں تم کو عاق کرتا ہوں۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ مرزا سلطان احمد کا جواب آیا کہ مجھ پر تائی صاحبہ کے احسانات ہیں۔ ان سے قطع تعلق نہیں کر سکتا۔ مگر مرزا فضل احمد نے لکھا کہ میرا تو آپکے ساتھ ہی تعلق ہے ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ حضرت صاحب نے مرزا فضل احمد کو جواب دیا کہ اگر یہ درست ہے تو اپنی بیوی بنت مرزا علی شیر کو (جو سخت مخالف تھی اور مرزا احمد بیگ کی بھانجی تھی) طلاق دے دو۔ مرزا فضل احمد نے فوراً طلاق نامہ لکھ کر حضرت صاحب کے پاس روانہ کر دیا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ کہ پھر فضل احمد باہر سے آکر ہمارے پاس ہی ٹھیرتا تھا مگر اپنی دوسری بیوی کی فتنہ پردازی سے آخر پھر آہستہ آہستہ اُدھر جا ملا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ کہ فضل احمد بہت شرمیلا تھا۔ حضرت صاحب کے سامنے آنکھ نہیں اُٹھاتا تھا۔ حضرت صاحب اسکے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ فضل احمد سیدھی طبیعت کا ہے۔ اور اس میں محبت کا مادہ ہے۔ مگر دوسروں کے بہکانے سے ادھر جا ملا ہے۔ نیز والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ جب فضل احمد کی وفات کی خبر آئی۔ تو اس رات حضرت صاحب قریباً ساری رات نہیں سوئے۔ اور دو تین دن تک مغموم سے رہے۔ خاکسار نے پوچھا کہ کیا حضرت صاحب نے کچھ فرمایا بھی تھا؟ والدہ صاحبہ نے کہا کہ صرف اس قدر فرمایا تھا۔ کہ ہمارا اسکے ساتھ تعلق تو نہیں تھا۔ مگر مخالف اسکی موت کو بھی اعتراض کا نشانہ بنا لینگے۔ خاکسار عرض

کرتا ہے۔ کہ محمدی بیگم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چچا زاد بہن عمر النسا بیگم کی لڑکی ہے یعنی مرزا نظام الدین و مرزا امام الدین وغیرہ کی حقیقی بھانجی ہے ہماری تائی یعنی بیوہ مرزا غلام قادر صاحب محمدی بیگم کی نانی خالہ ہیں۔ گویا مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری جو محمدی بیگم کا والد تھا۔ مرزا امام الدین وغیرہ کا بہنوئی تھا۔ اسکے علاوہ اور بھی خاندانی رشتہ داریاں تھیں مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی حقیقی ہمشیرہ مرزا احمد بیگ کے بڑے بھائی مرزا محمد بیگ کے ساتھ بیاہی گئی تھیں مگر وہ جلد فوت ہوگیا۔ یہ بہت پرانی بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ تمام رشتہ دار پرلے درجہ کے بے دین اور لامذہب تھے اور اسلام سے ان کو کوئی واسطہ نہیں تھا۔ بلکہ شریعت کی ہتک کرتے تھے۔ حضرت صاحب نے ان کی یہ حالت دیکھ کر خدا کی طرف توجہ کی کہ ان کے لیئے کوئی نشان ظاہر ہو۔ تاکہ ان کی اصلاح ہو یا کوئی فیصلہ ہو۔ اس پر خدا نے الہام فرمایا کہ احمد بیگ کی لڑکی محمدی بیگم کے لیئے سلسلہ جنبانی کر۔ اگر انہوں نے منظور کر لیا اور اس لڑکی کی تیرے ساتھ شادی کر دی تو پھر یہ لوگ برکتوں سے حصہ پائینگے۔ اگر انہوں نے انکار کیا۔ تو پھر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ اور ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائینگے۔ اور خاص لڑکی کے والد متعلق فرمایا۔ کہ وہ تین سال کے اندر بلکہ بہت جلدی مرجائیگا۔ اور جس شخص کے ساتھ لڑکی کا نکاح ہوگا۔ وہ بھی اڑھائی سال کے اندر مرجائیگا۔ ان دو مؤخر الذکر شخصوں کے متعلق جس طرح اللہ کا نشان پورا ہوا وہ حضرت مسیح موعود کی کتب میں متعدد جگہ درج ہے یعنی احمد بیگ اپنی لڑکی کے نکاح کے صرف چند ماہ بعد پیشگوئی کے مطابق اس جہان سے رخصت ہوا اور مرزا سلطان محمد جس سے ان لوگوں نے محمدی بیگم کی شادی کروادی تھی۔ خدا کے عذاب سے خوف زدہ ہوا اور اسکے کئی رشتہ داروں کی طرف سے حضرت صاحب کے پاس عجز و نیاز کے خطوط آئے۔ چنانچہ ان کا اپنا خط بھی جس میں انہوں نے حضرت صاحب کے متعلق عقیدت کا اظہار کیا ہے رسالہ تشحیذ الاذہان

میں چھپ چکا ہے۔ اسلیئے سنت اللہ کے مطابق ان سے وہ عذاب ٹل گیا۔ باقی رشتہ داروں کے متعلق جو عام پیشگوئی تھی۔ اس کا یہ اثر ہوا۔ کہ ان کے گھر جو پیشگوئی کے وقت آدمیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ بالکل خالی ہو گئے۔ اور اب اس تمام خاندان میں سوائے ایک بچے کے اور کوئی مرد نہیں۔ اور وہ بچہ بھی احمدی ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ مرزا امام الدین کی لڑکی بھی عرصہ ہوا احمدی ہو چکی ہے پھر محمدی بیگم کی ماں یعنے بیوہ مرزا احمد بیگ اور مرزا احمد بیگ کا پوتا اور ہماری تائی یعنے محمدی بیگم کی خالہ سب سلسلہ بیعت میں داخل ہو چکے ہیں۔ نیز محمدی بیگم کی سگی ہمشیرہ بھی احمدی ہو گئی تھی۔ مگر اب فوت ہو چکی ہے ان کے علاوہ اور کئی رشتہ دار بھی احمدی ہو چکے ہیں۔ اور جو ابھی تک سلسلہ میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ بھی مخالفت ترک کر چکے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود کا یہ الہام کہ ہم اس گھر میں کچھ حسنی طریق پر داخل ہونگے۔ اور کچھ حسینی طریق پر۔ اپنی پوری شان میں پورا ہوا ہے ۔

(۳۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اس حجرہ میں کھڑے تھے۔ جو عزیزم میاں شریف احمد کے مکان کے ساتھ ملحق ہے۔ والدہ صاحبہ بھی غالباً پاس تھیں۔ میں نے کوئی بات کرتے ہوئے مرزا نظام الدین کا نام لیا تو صرف نظام الدین کہا۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا۔ میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے۔ اسطرح نام نہیں لیا کرتے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین اور مرزا کمال الدین حضرت مسیح موعود کے حقیقی چچا مرزا غلام محی الدین صاحب کے لڑکے تھے اور ان کی سگی بہن جو ہماری تائی ہیں ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب کے عقد میں آئی تھیں۔ مگر باوجود ایسی قریبی رشتہ داری کے حضرت صاحب سے ان کو سخت مخالفت تھی جس کی بنیاد زیادہ تر دنیوی تھی۔ یہ لوگ سخت دنیا دار اور بے دین تھے بلکہ مرزا امام الدین جو سرگروہ مخالفت تھا اسلام سے ٹھٹھا کیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے ہمارا ان کے ساتھ کبھی راہ و رسم نہیں ہوا۔ اسی بے تعلقی کے اثر کے نیچے میں

صرف نظام دین کا لفظ بول دیا تھا۔ مگر حضرت صاحب کے اخلاق فاضلہ نے یہ بات گوارا نہ کی۔

(۳۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ میں نے سنا کہ مرزا امام الدین اپنے مکان میں کسی کو مخاطب کر کے بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ کہ بھئی (یعنی بھائی) لوگ (حضرت صاحب کیطرف اشارہ تھا) دوکانیں چلا کر نفع اُٹھا رہے ہیں۔ ہم بھی کوئی دوکان چلاتے ہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں۔ کہ پھر اسنے جُوتیوں کی پیری کا سلسلہ جاری کیا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ اصل اور بڑا مخالف مرزا امام الدین ہی تھا۔ اسکے مرنے کے بعد مرزا نظام الدین وغیرہ کی طرف سے ویسی مخالفت نہیں رہی۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مرزا امام الدین کی لڑکی جو مرزا سلطان احمد صاحب کے عقد میں ہیں اب ایک عرصہ سے احمدی ہو چکی ہیں۔

(۴۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ ایک دفعہ خواجہ کمال الدین صاحب سے میرا کوئی جھگڑا ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے مجھے کہا۔ قاضی صاحب کیا آپ جانتے نہیں۔ کہ حضرت صاحب میری کتنی عزت کرتے ہیں؟ میں نے کہا۔ ہاں میں جانتا ہوں۔ کہ بہت عزت کرتے ہیں۔ مگر میں آپ کو ایک بات سناتا ہوں اور وہ یہ کہ میں ایک دفعہ امرتسر سے قادیان آیا۔ اور حضرت صاحب کو اطلاع دیکر حضور سے ملا۔ قاضی صاحب کہتے تھے۔ کہ اس وقت تک ہم لوگوں نے تہذیب نہیں سیکھی تھی۔ جب ملاقات کرنی ہوتی تھی۔ حضرت صاحب کو اطلاع دیکر اندر سے بلا لیا کرتے تھے۔ یا حضرت صاحب خود سُنکر باہر آ جاتے تھے۔ بعد میں یہ بات نہیں رہی اور ہم نے سمجھ لیا کہ رسول کو اس طرح نہیں بلانا چاہیئے۔ خیر میں حضور سے ملا۔ آپ نے شیخ حامد علی کو بلا کر حکم دیا۔ کہ قاضی صاحب کے واسطے چائے بنا کر لاؤ۔ مگر میں اسوقت بہت ڈرا کہ کہیں یہ خاطر تواضع اس طریق پر نہو جسطرح منافقوں اور کمزور ایمان والوں کی جاتی ہے۔

اور میں نے بہت استغفار پڑھا۔ یہ قصہ سنا کر مینے خواجہ صاحب سے کہا کہ خواجہ صاحب آپ کی عزت بھی کہیں اسی طریق کی نہ ہو۔ چنانچہ میں آپ کو سناتا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی آتا ہے کہ آپ کمزور ایمان والوں اور منافقوں کی بہت خاطر تواضع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے کچھ مال تقسیم کیا۔ مگر ایک ایسے شخص کو چھوڑ دیا جسکے متعلق سعدؓ بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ وہ میرے خیال میں مومن تھا۔ اور ان لوگوں کی نسبت زیادہ حقدار تھا۔ جن کو آپ نے مال دیا چنانچہ سعدؓ نے اسکی طرف آپ کو توجہ دلائی۔ مگر آپ خاموش رہے۔ پھر توجہ دلائی۔ مگر آپ پھر خاموش رہے۔ سعدؓ نے پھر تیسری دفعہ توجہ دلائی۔ اس پر آپ نے فرمایا سعدؓ تو ہم سے جھگڑا کرتا ہے۔ خدا کی قسم بات یہ ہے کہ بعض وقت میں کسی کو کچھ دیتا ہوں۔ حالانکہ غیر اس کا مجھے اس سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ مگر میں اسے اسلیئے دیتا ہوں کہ کہیں وہ منہ کے بل آگ میں نہ جا پڑے۔ یعنی تالیف قلب کے طور پر دیتا ہوں۔ کہ کہیں اسے ابتلاء نہ آجاوے قاضی صاحب نے بیان کیا کہ جسکے ایمان کی حالت مطمئن ہو اسے ظاہری عزت اور خاطر مدارات کی ضرورت نہیں ہوتی اسکے ساتھ اور طریق پر معاملہ ہوتا ہے +

(۴۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اوائل سے ہی مرزا فضل احمد کی والدہ سے جن کو لوگ عام طور پر "بھجے دی ماں" کہا کرتے تھے بے تعلقی سی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور انکا انکی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھیں۔ اسلیئے حضرت مسیح موعودؑ نے ان سے مباشرت ترک کردی تھی ہاں آپ اخراجات وغیرہ باقاعدہ دیا کرتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میری شادی کے بعد حضرت صاحب نے انہیں کہلا بھیجا کہ آجتک تو جس طرح ہوتا رہا ہوتا رہا اب میں نے دوسری شادی کرلی ہے اسلیئے اب اگر دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھونگا تو میں گنہگار ہونگا۔ اسلیئے اب دو باتیں ہیں۔ یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیئے جاؤنگا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اب میں

بڑاپے میں کیا طلاق لونگی۔ بس مجھے خرچ ملتا رہے۔ میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ چنانچہ پھر ایسا ہی ہوتا رہا۔ حتّٰی کہ محمدی بیگم کا سوال اُٹھا اور آپ کے رشتہ داروں نے مخالفت کرکے محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کرادیا اور فضل احمد کی والدہ نے ان سے قطع تعلق نہ کیا۔ بلکہ ان کے ساتھ رہیں۔ تب حضرت صاحب نے ان کو طلاق دیدی خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کا یہ طلاق دینا آپ کے اس اشتہار کے مطابق تھا۔ جو آپ نے ۲ر مئی ۱۸۹۱ء کو شایع کیا تھا اور جسکی سُرخی تھی "اشتہار نصرت دین و قطع تعلق از اقارب مخالفِ دین" اس میں آپ نے بیان فرمایا تھا کہ اگر مرزا سلطان احمد اور ان کی والدہ اس امر میں مخالفانہ کوشش سے الگ نہ ہوگئے۔ تو پھر آپ کی طرف سے مرزا سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہونگے اور ان کی والدہ کو آپ کی طرف سے طلاق ہوگی والدہ صاحبہ فرماتی تھیں۔ کہ فضل احمد نے اس وقت اپنے آپ کو عاق ہونے سے بچا لیا۔ نیز والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ اس واقعہ کے بعد ایک دفعہ مرزا سلطان احمد کی والدہ بیمار ہوئیں تو چونکہ حضرت صاحب کی طرف سے مجھے اجازت تھی۔ میں انہیں دیکھنے کے لیئے گئی۔ واپس آکر میں نے حضرت صاحب سے ذکر کیا۔ کہ بچے کی ماں بیمار ہے۔ اور یہ تکلیف ہے۔ آپ خاموش رہے۔ میں نے دُوسری دفعہ کہا تو فرمایا میں تمہیں دو گولیاں دیتا ہوں۔ یہ دے آؤ۔ مگر اپنی طرف سے دینا میرا نام نہ لینا۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ اور بھی بعض اوقات حضرت صاحب نے اشارۃً کنایۃً مجھ پر ظاہر کیا کہ میں ایسے طریق پر کہ حضرت صاحب کا نام درمیان میں نہ آئے اپنی طرف سے کبھی کچھ مدد کردیا کروں سو میں کردیا کرتی تھی۔

(۴۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز ظہر کے بعد مسجد میں بیٹھ گئے۔ ان دِنوں میں آپ نے شیخ سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق لکھا تھا۔ کہ یہ ابتر رہیگا اور اس کا بیٹا جو اب موجود ہے۔ وُہ نامرد ہے۔ گویا اس کی اولاد آگے نہیں چلیگی

(خاکسار عرض کرتا ہے کہ سعد اللہ سخت معاند تھا اور حضرت مسیح موعود کے خلاف بہت بیہودہ گوئی کیا کرتا تھا، مگر ابھی آپ کی یہ تحریر شایع نہ ہوئی تھی۔ اسوقت مولوی محمد علی صاحب نے آپ سے عرض کیا۔ کہ ایسا لکھنا قانون کے خلاف ہے۔ اس کا لڑکا اگر مقدمہ کر دے تو پھر اسبات کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ وہ واقعی نامرد ہے۔ حضرت صاحب پہلے نرمی کے ساتھ مناسب طریق پر جواب دیتے رہے۔ مگر جب مولوی محمد علی صاحب نے بار بار پیش کیا۔ اور اپنی رائے پر اصرار کیا تو حضرت صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے غصے کے لہجہ میں فرمایا "جب نبی ہتھیار لگا کر باہر آجاتا ہے تو پھر ہتھیار نہیں اُتارتا"

(۴۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے والد صاحب اوائل میں تعلیم کے لیئے باہر گئے۔ تو شاید دِلّی کی بات ہے کہ وہ ایک مسجد میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ چونکہ زاد ختم ہو گیا تھا۔ کئی وقت فاقے گذر گئے تھے۔ آخر کسی نے ان کو طالب علم سمجھ کر ایک چپاتی دی۔ جو بوجہ باسی ہو جانے کے خشک ہو کر نہایت سخت ہو چکی تھی۔ والد صاحب نے لے لی۔ مگر ابھی کھائی نہ تھی۔ کہ آپ کا ساتھی جو قادیان کا کوئی شخص تھا۔ اور اس پر بھی اسی طرح فاقہ تھا۔ بولا "مرزا جی ساڈا وی دھیان رکھنا" یعنے مرزا صاحب ہمارا بھی خیال رہے۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ اسپر والد صاحب نے وہ چپاتی اسکی طرف پھینکدی۔ جو اتفاق سے اسکے ناک کے اُوپر لگی۔ اور لگتے ہی وہاں سے ایک خون کی نالی بہ نکلی۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ والدہ صاحبہ نے بیان کیا۔ کہ ساتھی بھی قادیان کا کوئی مغل تھا۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت صاحب سے سُنا ہے کہ وہ کوئی نائی یا میراسی تھا۔ چنانچہ حضرت صاحب لطیفہ کے طور پر بیان فرماتے تھے۔ کہ ان لوگوں کو ایسے موقعہ پر بھی ہنسی کی بات ہی سوجھتی ہے۔

(۴۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ہمارے

دادا نے قادیان کی جائداد پر حقوق مالکانہ برقرار رکھوانے کے لیئے شروع شروع میں بہت مقدمات کئے اور جتنا کشمیر کی ملازمت میں اور اس کے بعد روپیہ جمع کیا تھا اور وہ قریباً ایک لاکھ تھا۔ سب ان مقدمات پر صرف کر دیا۔ والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ اس زمانہ میں اتنے روپے سے سو گنے بڑی جائداد خریدی جا سکتی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ دادا صاحب کو یہ خیال تھا۔ کہ خواہ کچھ ہو قادیان اور علاقہ کے پرانے جدی حقوق ہاتھ سے نہ جائیں اور ہم نے سنا ہے۔ کہ دادا صاحب کہا کرتے تھے۔ کہ قادیان کی ملکیت مجھے ایک ریاست سے اچھی ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ قادیان ہمارے بزرگوں کا آباد کیا ہوا ہے۔ جو آخر عہدِ بابری میں ہندوستان میں آئے تھے۔ قادیان اور کئی میل تک اس کے ارد گرد کے دیہات ہمارے آباء کے پاس بطور ریاست یا جاگیر کے تھے۔ رام گڑھی سکھوں کے زمانہ میں ہمارے خاندان کو بہت مصائب دیکھنے پڑے اور سخت تباہی آئی۔ لیکن پھر راجہ رنجیت سنگھ کی حکومت کے عہد میں ہماری جاگیر کا کچھ حصہ ہمارے آباء کو واپس ملگیا تھا۔ لیکن پھر ابتداء سلطنت انگریزی میں پچھلے کئی حقوق ضبط ہو گئے اور کئی مقدمات کے بعد جن پر دادا صاحب کا زر کثیر صرف ہوا۔ صرف قادیان اور اس کے اندر مشمولہ دو دیہات پر حقوق مالکانہ اور قادیان کے قریب کے تین دیہات پر حقوق تعلقہ داری ہمارے خاندان کے لیئے تسلیم کئے گئے۔ یہ حقوق اب تک قائم ہیں۔ ہاں درمیان میں بعض اپنے ہی رشتہ داروں کی مقدمہ بازی کی وجہ سے ہمارے تایا صاحب کے زمانہ میں قادیان کی جائداد کا بڑا حصہ مرزا اعظم بیگ لاہوری کے خاندان کے پاس چلا گیا تھا۔ اور قریباً پینتیس ۳۵ سال تک اسی خاندان میں رہا لیکن اب حال میں وہ حصہ بھی خدا کے فضل سے ہم کو واپس آگیا ہے والدہ صاحبہ فرماتی تھیں۔ کہ جب تمہارے تایا کے زمانہ میں قادیان کی جائداد کا بڑا حصہ مرزا اعظم بیگ کو چلا گیا۔ تو تمہارے تایا کو سخت صدمہ ہوا جس سے وہ

بیمار ہو گئے اور قریباً دو سال بعد اسی بیماری میں فوت ہوئے۔ مگر باوجود خلاف ڈگری ہو جانے کے انہوں نے اپنی زندگی میں فریق مخالف کو قبضہ نہیں دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ وہی مقدمہ اور وہی ڈگری ہے۔ جس کا حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ کہ آپ نے اپنے بھائی کو روکا تھا۔ کہ مقابلہ نہ کریں۔ اور حق تسلیم کر لیں۔ کیونکہ آپ کو خدا نے بتایا تھا کہ مقدمہ کا انجام خلاف ہے۔ مگر حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ بھائی صاحب نے عذر کر دیا اور نہ مانا۔ پھر جب ڈگری ہو جانے کی خبر آئی تو اس وقت حضرت صاحب اپنے حجرے میں تھے تایا صاحب باہر سے کانپتے ہوئے ڈگری کا پرچہ ہاتھ میں لیئے اندر آئے اور حضرت صاحب کے سامنے وہ کاغذ ڈال دیا اور کہا "لے غلام احمد جو تو کہندا سی اوہوای ہو گیا اے" یعنی لو غلام احمد جو تم کہتے تھے وہی ہو گیا ہے اور پھر غش کھا کر گر گئے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ پھر تایا صاحب کی وفات کے بعد حضرت صاحب نے مرزا سلطان احمد صاحب کو بلا کر فرمایا کہ قبضہ دے دو۔ چنانچہ مرزا سلطان احمد صاحب نے ڈگری کے مطابق قبضہ دے دیا۔ اور جائداد کا کچھ حصہ اونے پونے فروخت کر کے خرچے کا روپیہ بھی ادا کر دیا۔

(اس روایت میں جو خاکسار کی طرف سے یہ فقرہ درج ہوا ہے کہ "قادیان اور اسکے اندر مشمولہ دو دیہات پر حقوق مالکانہ ..... تسلیم کئے گئے" یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ سہو قلم سے یہ الفاظ درج ہو گئے ہیں۔ کیونکہ حق یہ ہے کہ قادیان کے مشمولہ دو گاؤں جن کا نام قادر آباد اور احمد آباد ہے۔ وہ دونو دادا صاحب نے سلطنت انگریزی کے قیام کے بعد آباد کیئے تھے۔ اسلیئے الفاظ "اور اسکے اندر مشمولہ دو دیہات" حذف سمجھے جانے چاہئیں)

(۴۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد مرزا غلام مرتضےٰ صاحب نے ۱۸۷۶ء ماہ جون یا حضرت صاحب کی ایک تحریر کے مطابق ۲۰ اگست ۱۸۷۵ء میں وفات پائی۔ اور آپ کے بھائی

مرزا غلام قادر صاحب ۱۸۸۳ء میں فوت ہوئے۔ دادا صاحب کی عمر وفات کے وقت اسّی سے اُوپر تھی۔ اور تایا صاحب کی عمر پچھتّر سال کے لگ بھگ تھی۔ حضرت مسیح موعود کی تاریخ پیدائش کے متعلق اختلاف ہے۔ خود آپ کی اپنی تحریرات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ دراصل وہ سکھوں کا زمانہ تھا۔ اور پیدائشوں کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ حضرت مسیح موعود نے بعض جگہ ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء بیان کیا ہے۔ مگر آپکی اپنی ہی دوسری تحریرات سے اسکی تردید ہوتی ہے درحقیقت آپ نے خود اپنی عمر کے متعلق اپنے اندازوں کو غیر یقینی قرار دیا ہے دیکھو براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۳۔ (اور صحیح تاریخ ۱۸۳۶ء معلوم ہوتی ہے)

(نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت صاحب کی ایک دُوسری تحریر سے دادا صاحب کی وفات کی تاریخ جُون ۱۸۷۴ء ثابت ہوتی ہے۔ مگر جہاں تک میری تحقیق ہے ۱۸۷۵ء اور ۱۸۷۴ء ہر دو غلط ہیں اور جیسا کہ سرکاری کاغذات سے پتہ لگتا ہے صحیح تاریخ ۱۸۷۶ء ہے۔ مگر حضرت صاحب کو یاد نہیں رہا۔ واللہ اعلم)

(۴۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود پانچ بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑی حضرت صاحب کی وہ ہمشیرہ تھیں۔ جن کی شادی مرزا محمد بیگ ہوشیارپوری کے ساتھ ہوئی تھی حضرت صاحب کی یہ ہمشیرہ صاحبِ رویا و کشف تھیں۔ ان کا نام مراد بی بی تھا۔ ان سے چھوٹے مرزا غلام قادر صاحب تھے۔ اُن سے چھوٹا ایک لڑکا تھا۔ جو بچپن میں فوت ہوگیا۔ اس سے چھوٹی حضرت صاحب کی وہ ہمشیرہ تھی۔ جو آپ کے ساتھ توام پیدا ہوئی اور جلد فوت ہوگئی۔ اس کا نام جنّت تھا۔ سب سے چھوٹے حضرت مسیح موعود تھے۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی تھیں۔ کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہماری بڑی ہمشیرہ کو ایک دفعہ کسی بزرگ نے خواب میں ایک تعویذ دیا تھا بیدار ہوئیں۔ تو ہاتھ میں بھوج پتر پر لکھی ہوئی سورہ مریم تھی (خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے یہ بھوج پتر دیکھا ہے۔ جو اب تک ہماری بڑی بھاوج صاحبہ یعنی والدہ

مرزا رشید احمد کے پاس محفوظ ہے)

(۴۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یوں تو الہامات کا سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ لیکن وہ الہام جس میں آپ کو خدا تعالیٰ کیطرف سے اصلاحِ خلق کے لیئے صریح طور پر مامور کیا گیا۔ مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا۔ جب کہ آپ براہین احمدیہ حصہ سوم تصنیف فرما رہے تھے۔ (دیکھو براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۲۸) لیکن اسوقت آپ نے سلسلہ بیعت شروع نہیں فرمایا۔ بلکہ اسکے لیئے مزید حکم تک توقف کیا۔ چنانچہ جب فرمانِ الٰہی نازل ہوا تو آپ نے بیعت کے لیئے دسمبر ۱۸۸۸ء میں اعلان فرمایا اور بذریعہ اشتہار لوگوں کو دعوت دی اور شروع ۱۸۸۹ء میں بیعت لینا شروع فرمادی۔ لیکن اسوقت تک بھی آپکو صرف مجدد و مامور ہونیکا دعویٰ تھا اور گو شروع دعوے ماموریت سے ہی آپ کے الہامات میں آپکے مسیح موعود ہونیکی طرف صریح اشارات تھے لیکن قدرتِ الٰہی کہ ایک مدت تک آپنے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ نہیں کیا بلکہ صرف یہ فرماتے رہے۔ کہ مجھے اصلاحِ خلق کے لیئے مسیح ناصری کے رنگ میں قائم کیا گیا ہے۔ اور مجھے مسیح سے مماثلت ہے اسکے بعد شروع ۱۸۹۱ء میں آپ نے حضرت مسیح ناصری کی موت کے عقیدہ کا اعلان فرمایا اور یہ دعوے فرمایا۔ کہ جس مسیح کا اس اُمت کیلیئے وعدہ تھا وہ میں ہوں۔ آپ کی عام مخالفت کا اصل سلسلہ اسی دعویٰ سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کے نبی اور رسول ہونے کے متعلق بھی ابتدائی الہامات میں صریح اشارے پائے جاتے ہیں۔ مگر اس دعوی سے بھی مشیت ایزدی نے آپکو روکے رکھا۔ حتّٰی کہ بیسویں صدی کا ظہور ہو گیا۔ تب جاکر آپ نے اپنی متعلق نبی اور رسول کے الفاظ صراحتاً استعمال فرمانے شروع کیئے۔ اور خاص طور پر مثیل کرشن علیہ السلام ہونے کا دعوے تو آپ نے اسکے بھی بہت بعد یعنے ۱۹۰۴ء میں شایع کیا۔ اور یہ سب کچھ خدائی تصرف کے ماتحت ہوا۔ آپ کا اس میں ذرہ دخل نہیں تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی میں بھی یہی

تدریجی ظہور نظر آتا ہے اور اس میں کئی حکمتیں ہیں جنکے بیان کی اسجگہ گنجائش نہیں۔

(۴۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمارے دادا صاحب کے دادا یعنی مرزا گل محمد صاحب بڑے پارسا اور متقی اور علم دوست آدمی تھے۔ ان کے زمانہ میں قادیان باعمل علماء کا ایک مرکز تھا۔ مگر ان کے زمانہ میں سکھوں کیطرف سے ہماری جدی ریاست پر حملے شروع ہو گئے تھے۔ اور کئی گاؤں چھن بھی گئے تھے۔ مگر انہوں نے بڑا حصہ جاگیر کا بچائے رکھا۔ ان کی وفات کے بعد جو غالباً ۱۸۰۰ء میں واقعہ ہوئی ان کے لڑکے مرزا عطا محمد صاحب خاندان کے رئیس ہوئے ان کے زمانہ میں رام گڑھی سکھوں نے ساری ریاست چھین لی اور ان کو قادیان میں جو ان دنوں میں فصیل سے محفوظ تھا محصور ہونا پڑا۔ آخر سکھوں نے دھوکے سے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور ہمارے کتب خانے کو جلا دیا اور مرزا عطا محمد صاحب کو معہ اپنے عزیزوں کے قادیان سے نکل جانا پڑا۔ چنانچہ مرزا عطا محمد صاحب بیگووال ریاست کپورتھلہ میں چلے گئے۔ جہاں کے سکھ رئیس نے ان کو بڑی عزت سے جگہ دی۔ اور مہمان رکھا۔ چند سال کے بعد مرزا عطا محمد صاحب کو دشمنوں نے زہر دلوا دیا اور وہ فوت ہو گئے۔ اس وقت ہمارے دادا صاحب کی عمر چھوٹی تھی۔ مگر والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں۔ کہ باوجود اسکے وہ اپنے والد صاحب کا جنازہ قادیان میں لائے۔ تا اسے خاندانی مقبرہ میں دفن کریں۔ یہاں کے سکھوں نے مزاحمت کی۔ لیکن قادیان کی عام پبلک خصوصاً کمین لوگوں نے دادا صاحب کا ساتھ دیا۔ اور حالت یہانتک پہنچی۔ کہ سکھوں کو خوف پیدا ہوا کہ بغاوت نہ ہو جاوے اسلیئے انہوں نے اجازت دے دی۔ اسکے بعد دادا صاحب واپس چلے گئے۔ اس زمانہ میں سکھوں نے ہماری تمام جائداد اور مکانات پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ اور بعض مسجدوں کو بھی دھرمسالہ بنا لیا تھا۔ پھر راجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں رام گڑھیوں کا زور ٹوٹ گیا اور سارا ملک راجہ رنجیت سنگھ کے ماتحت آ گیا۔ اسوقت دادا صاحب نے راجہ سے اپنی

جدّی جائداد کا کچھ حصّہ واپس حاصل کیا اور قادیان واپس آگئے اس کے بعد دادا صاحب اور اُن کے چھوٹے بھائی مرزا غلام محی الدین صاحب نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ماتحت کئی فوجی خدمات انجام دیں۔ چنانچہ یہ سب باتیں کتاب پنجاب چیفس مصنفہ سر لیپل گریفن میں مفصل درج ہیں۔ سکھ حکومت کے اختتام پر پھر ملک میں بدامنی پھیلی اور ہمارے خاندان کو پھر مصائب کا سامنا ہُوا چنانچہ ہمارے دادا صاحب اور ان کے بھائی مرزا غلام محی الدین صاحب کے قلعہ بسراواں میں قید کیئے جانے کا واقعہ غالباً اسی زمانہ کا ہے اسکے بعد انگریز آئے تو انہوں نے ہماری خاندانی جاگیر ضبط کر لی۔ اور صرف سات سَو روپیہ سالانہ کی ایک اعزازی پنشن نقدی کی صورت میں مقرر کردی جو ہمارے دادا صاحب کی وفات پر صرف ایک سَو اسّی رہ گئی اور پھر تایا صاحب کے بعد بالکل بند ہو گئی۔ علاوہ ازیں ان تغیرات عظیمہ یعنے سکھوں کے آخر عہد کی بدامنی اور پھر سلطنت کی تبدیلی کے نتیجہ میں قادیان اور اس کے گرد و نواح کے متعلق ہمارے حقوق مالکانہ کے بارے میں بھی کئی سوال اور تنازعات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بعض دیہات کے متعلق ہمارے حقوق بالکل تلف ہو گئے۔ اور صرف قادیان اور چند ملحقہ دیہات کے متعلق دادا صاحب نے زر کثیر صرف کر کے کچھ حقوق واپس لیئے۔ سُنا گیا ہے کہ مقدمات سے پہلے دادا صاحب نے تمام رشتہ داروں سے کہا۔ کہ میں مقدمہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے ساتھ شامل ہونا ہے۔ تو ہو جاؤ۔ لیکن چونکہ کامیابی کی امید کم تھی۔ اسلئے سب نے انکار کیا۔ اور کہا۔ کہ آپ ہی مقدمہ کریں اور اگر کچھ ملتا ہے۔ تو آپ ہی لیلیں لیکن جب کچھ حقوق مل گئے۔ تو دادا صاحب کے مختار کی سادگی سے تمام رشتہ داروں کا نام خانۂ ملکیت میں درج ہو گیا۔ مگر قبضہ صرف دادا صاحب کا رہا اور باقیوں کو صرف آمد سے کچھ حصّہ مل جاتا تھا۔ ہمارے خاندان کا ۱۸۶۵ء کے قریب کا شجرہ درج ذیل ہے :-

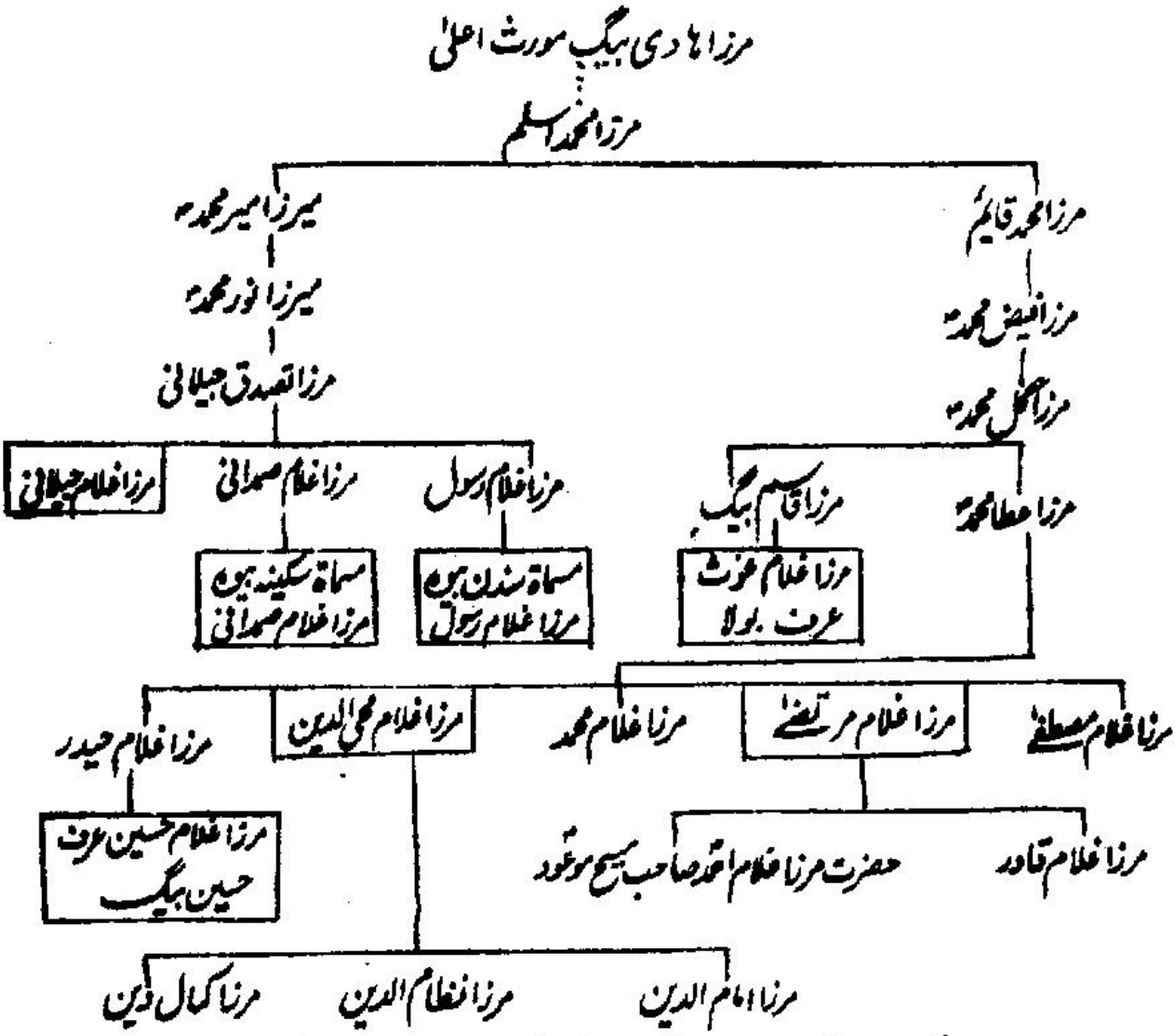

جن اسماء کے گرد چوکور خطوط دکھائے گئے ہیں وہ ان لوگوں کے نام ہیں۔ جو ۱۸۶۵ء میں قادیان میں بطور حصہ دار درج تھے۔ قادیان کی کل ملکیت پانچ حصوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ دو حصے اولاد مرزا تصدق جیلانی کو آئے تھے اور دو حصے اولاد مرزا گل محمدؒ صاحب کو اور ایک حصہ خاص مرزا غلام مرتضےٰ صاحب کو بحیثیت منصرم کے آیا تھا۔ جو بعد میں صرف انکی اولاد میں تقسیم ہوا۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ ہمارے دادا صاحب کی وفات کے بعد ہمارے بعض غیر قابض شرکاء نے مرزا امام الدین وغیرہ کی فتنہ پردازی سے ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب پر دخلیابی جائداد کا دعوےٰ دائر کر دیا۔ اور بالآخر چیف کورٹ سے تایا صاحب کے خلاف فیصلہ ہوا۔ اسکے بعد پسران مرزا تصدق جیلانی اور مرزا غلام غوث ولد مرزا قاسم بیگ کا حصہ تو اس سمجھوتے کے مطابق جو پہلے سے ہو چکا تھا۔ مرزا اعظم بیگ لاہوری نے خرید لیا جسنے مقدمہ کا سارا خرچ اسی غرض سے برداشت کیا تھا اور پسران مرزا غلام محی الدین صاحب اپنے اپنے

حصہ پر خود قابض ہو گئے۔ مرزا غلام حسین کی چونکہ نسل نہیں چلی اسلیئے ان کا حصہ پسران مرزا غلام مرتضےٰ صاحب و پسران مرزا غلام محی الدین کو آگیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس وقت مرزا تصدق جیلانی اور مرزا قاسم بیگ کی تمام شاخ معدوم ہو چکی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مرزا غلام حیدر کی بھی شاخ معدوم ہے۔ ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب اور مرزا امام الدین اور مرزا کمال الدین بھی لاولد فوت ہوئے۔ ہاں مرزا نظام الدین کا ایک لڑکا مرزا گل محمد موجود ہے۔ مگر وہ احمدی ہو کر حضرت صاحب کی روحانی اولاد میں داخل ہو چکا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ ینقطع اٰباءک ویبدأ منک اور یہ الہام اس وقت کا ہے۔ جب آپکے شجرہ خاندانی کی یہ تمام شاخیں سرسبز تھیں۔

(۴۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایکدفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلا گیا۔ جب آپ نے پنشن وصول کر لی۔ تو وہ آپکو پھسلا کر اور دھوکہ دیکر بجائے قادیان لانے کے باہر لیگیا اور اِدھر اُدھر پھراتا رہا پھر جب اُسنے سارا روپیہ اُڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا حضرت مسیح موعودؑ اس شرم سے واپس گھر نہیں آئے۔ اور چونکہ تمہارے دادا کا منشاء رہتا تھا کہ آپ کہیں ملازم ہو جائیں اس لیئے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ تک وہاں ملازمت پر رہے۔ پھر جب تمہاری دادی بیمار ہوئیں۔ تو تمہارے دادا نے آدمی بھیجا۔ کہ ملازمت چھوڑ کر آجاؤ۔ جسپر حضرت صاحب فوراً روانہ ہو گئے۔ امرتسر پہنچکر قادیان آنے کے واسطے یکہ کرایہ پر لیا۔ اس موقعہ پر قادیان سے ایک اور آدمی بھی آپ کے لینے کے لیئے امرتسر پہنچ گیا۔ اس آدمی نے کہا یکہ جلدی چلاؤ کیونکہ ان کی حالت بہت نازک تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا۔ بہت ہی نازک حالت تھی جلدی کرو کہیں فوت نہ ہو گئی ہوں۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ میں اسی

وقت سمجھ گیا۔ کہ دراصل والدہ فوت ہو چکی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتیں تو وہ شخص ایسے الفاظ نہ بولتا۔ چنانچہ قادیان پہنچے تو پتہ لگا کہ واقعی وہ فوت ہو چکی تھیں۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ ہمیں چھوڑ کر پھر مرزا امام الدین ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ آخر اُسنے چائے کے ایک قافلہ پر ڈاکہ مارا اور پکڑا گیا مگر مقدمہ میں رہا ہو گیا۔ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے ہی اسے قید سے بچا لیا ورنہ خواہ وہ خود کیسا ہی آدمی تھا ہمارے مخالف یہی کہتے کہ ان کا ایک چچا زاد بھائی جیل خانہ میں رہ چکا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیالکوٹ کی ملازمت ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء کا واقعہ ہے۔

(اس روایت سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سیالکوٹ میں ملازم ہونا اس وجہ سے تھا۔ کہ آپ سے مرزا امام الدین نے دادا صاحب کی پنشن کا روپیہ دھوکا دے کر اُڑا لیا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیفات میں تصریح کی ہے۔ آپ کی ملازمت اختیار کرنیکی وجہ صرف یہ تھی۔ کہ آپ کے والد صاحب ملازمت کے لیئے زور دیتے رہتے تھے۔ ورنہ آپکی اپنی رائے ملازمت کے خلاف تھی۔ اسی طرح ملازمت چھوڑ دینے کی بھی اصل وجہ یہی تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ملازمت کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور اپنے والد صاحب کو ملازمت ترک کر دینے کی اجازت کے لیئے لکھتے رہتے تھے۔ لیکن دادا صاحب ترک ملازمت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ مگر بالآخر جب دادی صاحبہ بیمار ہوئیں۔ تو دادا صاحب نے اجازت بھجوا دی۔ کہ ملازمت چھوڑ کر آ جاؤ۔)

(۵۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ طبابت کا علم ہمارا خاندانی علم ہے۔ اور ہمیشہ سے ہمارا خاندان اس علم میں ماہر رہا ہے۔ دادا صاحب نہایت ماہر اور مشہور حاذق طبیب تھے۔ تایا صاحب نے بھی طب پڑھی تھی۔ حضرت مسیح موعود بھی علم طب میں خاصی دسترس رکھتے تھے۔ اور گھر میں ادویہ کا ایک ذخیرہ رکھا کرتے تھے

جس سے بیماروں کو دوا دیتے تھے۔ مرزا سلطان احمد صاحب نے بھی طب پڑھی تھی۔ اور خاکسار سے حضرت خلیفہ ثانی نے ایکدفعہ بیان کیا تھا۔ کہ مجھے بھی حضرت مسیح موعودؑ نے علم طب کے پڑھنے کے متعلق تاکید فرمائی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ علم طب ہمارے خاندان کی خصوصیت رہا ہے۔ ہماری خاندان میں سے کبھی کسی نے اس علم کو اپنے روزگار کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اور نہ ہی علاج کے بدلے میں کبھی سے کبھی کچھ معاوضہ لیا۔

(۵۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ تمہاری دادی ایمہ ضلع ہوشیار پور کی رہنے والی تھیں۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہم اپنی والدہ کے ساتھ بچپن میں کئی دفعہ ایمہ گئے ہیں۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ وہاں حضرت صاحب بچپن میں چڑیاں پکڑا کرتے تھے۔ اور چاقو نہیں ملتا تھا۔ تو سرکنڈے سے ذبح کر لیتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایمہ سے چند بوڑھی عورتیں آئیں۔ تو انہوں نے باتوں باتوں میں کہا۔ کہ سندھی ہمارے گاؤں میں چڑیاں پکڑا کرتا تھا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ میں نہ سمجھ سکی۔ کہ سندھی سے کون مراد ہے۔ آخر معلوم ہوا کہ ان کی مراد حضرت صاحب سے ہے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ دستور ہے۔ کہ کسی منت ماننے کے نتیجہ میں بعض لوگ خصوصاً عورتیں اپنے کسی بچے کا عرف سندھی رکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے آپکی والدہ اور بعض عورتیں آپ کو بھی بچپن میں کبھی اس لفظ سے پکار لیتی تھیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ سندھی غالباً وسوندھی یا وسبندھی سے بگڑا ہوا ہے۔ جو ایسے بچے کو کہتے ہیں۔ جس پر کسی منت کے نتیجہ میں دس دفعہ کوئی چیز باندھی جاوے۔ اور بعض دفعہ منت کوئی نہیں ہوتی بلکہ یونہی پیار سے عورتیں اپنے کسی بچے پر یہ رسم ادا کر کے اسے سندھی پکارنے لگجاتی ہیں۔

(اس روایت میں جو یہ ذکر آتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ بچپن میں کبھی کبھی شکار کی ہوئی چڑیا کو سرکنڈے سے ذبح کر لیتے تھے اسکے متعلق یہ بات قابل ذکر

ہے کہ اس جگہ سرکنڈے سے پورا گول سرکنڈا مراد نہیں ہے بلکہ سرکنڈے کا کٹا ہوا ٹکڑا مراد ہے۔ جو بعض اوقات اتنا تیز ہوتا ہے کہ معمولی چاقو کی تیزی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ خود خاکسار راقم الحروف کو کئی دفعہ بچپن میں سرکنڈے سے اپنے ہاتھوں کو زخمی کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور پھر ایک چڑیا جیسے جانور کا چمڑا تو اسقدر نرم ہوتا ہے کہ ذرا سے اشارے سے کٹ جاتا ہے۔

دوسری بات جو اس روایت میں قابل نوٹ ہے وہ لفظ سندھی سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس لفظ سے کیا مراد ہے اور وہ عورتیں کون تھیں جنہوں نے حضرت والدہ صاحبہ کے سامنے حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق یہ لفظ استعمال کیا۔ سو روایت کرنے والی عورتوں کے متعلق میں نے حضرت والدہ صاحبہ سے دریافت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔ کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون عورتیں تھیں۔ مجھے صرف اسقدر علم ہے کہ وہ باہر سے قادیان آئی تھیں۔ اور ایمہ ضلع ہوشیارپور سے اپنا آنا بیان کرتی تھیں۔ اسکے سوا مجھے ان کے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔ لفظ سندھی کے متعلق خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ میں نے اس لفظ کے متعلق مزید تحقیق کی ہے۔ یہ لفظ ہندی الاصل ہے جسکے معنی مناسب وقت یا صلح یا جوڑ کے ہیں۔ پس اگر یہ روایت درست ہے تو بچپن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اس لفظ کے کبھی کبھی استعمال ہونے میں خدا کی طرف سے یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہی وہ شخص ہے۔ جو عین وقت پر آنے والا ہے یا یہ کہ یہی وہ شخص ہے۔ جو خدا کی طرف سے صلح اور امن کا پیغام لے کر آئیگا (دیکھو حدیث یضع الحرب) یا کہ یہ شخص لوگوں کو خدا کے ساتھ ملانے والا ہوگا۔ یا یہ کہ یہ خود اپنی پیدائش میں جوڑا یعنی توام پیدا ہونیوالا ہوگا (مسیح موعود کے متعلق یہ بھی پیشگوئی تھی کہ وہ جوڑا پیدا ہوگا) پس اگر یہ روایت درست ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ انہیں اشارات کی غرض سے ہے واللہ اعلم۔

باقی رہا کسی معاند کا یہ مذاق اڑانا کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کا نام ہی سندھی

تھا۔ سو اصولاً اس کا یہ جواب ہے۔ کہ جب تک کسی نام میں کوئی بات خلاف مذہب یا خلاف اخلاق نہیں ہے اس پر کوئی شریف زادہ اعتراض نہیں کر سکتا۔ گذشتہ انبیاء کے جو نام ہیں۔ وہ بھی آخر کسی نہ کسی زبان کے لفظ ہیں۔ اور کم از کم بعض ناموں کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ ان کے کیا کیا معنی ہیں۔ پھر اگر بالفرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کوئی ہندی الاصل نام پالیا۔ تو اس میں ہرج کونسا ہو گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بالکل بے بنیاد اور سراسر افترا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام سندھی تھا۔ اور اگر کسی مخالف یا معاند کے پاس اسکی کوئی دلیل ہے۔ تو وہ مرد میدان بن کر سامنے آئے اور اسے پیش کرے ورنہ اس خدائی وعید سے ڈرے۔ جو مفتریوں کے لیئے لعنت کی صورت میں مقرر ہے۔ حقیقت یہ ہے جسے ساری دُنیا جانتی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام مرزا غلام احمد تھا۔ چنانچہ (۱) یہی نام آپ کے والدین نے رکھا اور (۲) اسی نام سے آپ کے والد صاحب آپ کو ہمیشہ پکارتے تھے اور (۳) اسی نام سے سب دوست و دشمن آپ کو یاد کرتے تھے اور (۴) میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیالکوٹ کی ملازمت (از ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء) کے بعض سرکاری کاغذات دیکھے ہیں۔ جو اب تک محفوظ ہیں ان میں بھی یہی نام درج ہے اور (۵) اسی نام کی بناء پر دادا صاحب نے اپنے ایک آباد کردہ گاؤں کا نام احمد آباد رکھا اور (۶) دادا صاحب کی وفات کے بعد جو حضرت صاحب کے دعوئے مسیحیت سے چودہ سال پہلے ۱۸۷۶ء میں ہوئی۔ جب کاغذات مال میں ہمارے تایا اور حضرت صاحب کے نام جائداد کا انتقال درج ہوا۔ تو اس میں بھی غلام احمد نام ہی درج ہوا اور (۷) کتاب پنجاب چیفس میں بھی جو حکومت کی طرف سے شائع شدہ ہے یہی نام لکھا ہے اور (۸) دوسرے بھی سارے سرکاری کاغذات اور دستاویزات میں یہی نام درج ہوتا رہا ہے اور (۹) دوسرے عزیزوں اور قرابت داروں کے ناموں کا قیاس بھی اسی نام کا مؤید

ہے اور (۱۰) خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ہمیشہ اپنے خطوط اور تحریرات اور تصانیف وغیرہ میں ..... یہی نام استعمال کیا اور (۱۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر عدالت ہائے انگریزی میں جتنے مقدمات ہوئے ان سب میں حکام اور مخالفین ہر دو کی طرف سے یہی نام استعمال ہوتا رہا اور (۱۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے سے پہلے جب اول المکفرین مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے براہین احمدیہ پر ریویو لکھا۔ تو انہوں نے اس میں بھی یہی نام لکھا اور (۱۳) اشد المعاندین مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنی جملہ مخالفانہ تصنیفات میں ہمیشہ یہی نام استعمال کیا اور (۱۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جن بیسیوں ہندو سکھ عیسائی مسلمان اخباروں نے آپ کے متعلق نوٹ لکھے۔ انہوں نے بھی اسی نام سے آپ کا ذکر کیا۔ اگر باوجود اس عظیم الشان شہادت کے کسی معاند کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام غلام احمد نہیں تھا۔ بلکہ سندھی یا کچھ اور تھا۔ تو اس کا ہمارے پاس اسکے سوا کوئی علاج نہیں کہ لعنت اللہ علی الکاذبین)

(۵۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے جھنڈا سنگھ ساکن کالہواں نے کہ میں بڑے مرزا صاحب کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے بڑے مرزا صاحب نے کہا کہ جاؤ غلام احمد کو بلا لاؤ۔ ایک انگریز حاکم میرا واقف ضلع میں آیا ہے اس کا منشا ہو تو کسی اچھے عہدہ پر نوکر کرا دوں۔ جھنڈا سنگھ کہتا تھا کہ میں مرزا صاحب کے پاس گیا۔ تو دیکھا کہ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اسکے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے ہیں۔ میں نے بڑے مرزا صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔ مرزا صاحب آئے اور جواب دیا۔ میں تو نوکر ہو گیا ہوں۔ بڑے مرزا صاحب کہنے لگے کہ اچھا کیا واقعی نوکر ہو گئے ہو؟ مرزا صاحب نے کہا ہاں ہو گیا ہوں۔ اس پر بڑے مرزا صاحب نے کہا اچھا اگر نوکر ہو گئے ہو تو خیر ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ کالہواں قادیان سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے

اور نوکر ہونے سے مراد خدا کی نوکری ہے نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جمنڈا سنگھ کئی دفعہ یہ روایت بیان کر چکا ہے اور وہ قادیان کی موجودہ ترقی کو دیکھ کر حضرت مسیح موعودؑ کا بہت ذکر کیا کرتا ہے اور آپ سے بہت محبت رکھتا ہے نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ ہمارے دادا صاحب کو بوجہ خاندان میں سب سے بڑا اور معزز ہونے کے عام طور پر لوگ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود بھی عموماً ان کے متعلق یہی الفاظ فرماتے تھے ۔

(۵۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعودؑ صدقہ بہت دیا کرتے تھے اور عموماً ایسا خفیہ دیتے تھے کہ ہمیں بھی پتہ نہیں لگتا تھا۔ خاکسار نے دریافت کیا۔ کہ کتنا صدقہ دیا کرتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا بہت دیا کرتے تھے اور آخری ایام میں جتنا روپیہ آتا تھا اس کا دسواں حصہ صدقے کے لیئے الگ کر دیتے تھے۔ اور اس میں سے دیتے رہتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے بیان فرمایا۔ کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ دسویں حصہ سے زیادہ نہیں دیتے تھے۔ بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ بعض اوقات اخراجات کی زیادت ہوتی ہے۔ تو آدمی صدقہ میں کوتاہی کرتا ہے۔ لیکن اگر صدقہ کا روپیہ پہلے سے الگ کر دیا جاوے تو پھر کوتاہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ روپیہ پھر دوسرے مصرف میں نہیں آسکتا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ اسی غرض سے آپ دسواں حصہ تمام آمد کا الگ کر دیتے تھے۔ ورنہ ویسے دینے کو تو اس سے زیادہ بھی دیتے تھے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ کیا آپ صدقہ دینے میں احمدی غیر احمدی کا لحاظ رکھتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا نہیں بلکہ ہر حاجتمند کو دیتے تھے خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں قادیان میں ایسے احمدی حاجتمند بھی کم ہی ہوتے تھے ۔

(۵۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود جب کسی سے قرضہ لیتے تھے۔ تو واپس کرتے ہوئے کچھ زیادہ دیدیتے

لئے۔ خاکسار نے پوچھا کہ کیا آپ کو کوئی مثال یاد ہے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ اسوقت مثال تو یاد نہیں۔ مگر آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ اور والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں۔ کہ حضرت صاحب کبھی کوئی نیکی کی بات بیان نہیں فرماتے تھے۔ جب تک کہ خود اسپر عمل نہ ہو۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ کیا حضرت مسیح موعود نے کبھی کسی کو قرض بھی دیا ہے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا ہاں کئی دفعہ دیا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ مولوی صاحب (خلیفہ اول) اور حکیم فضل الدین صاحب بھیروی نے آپ سے قرض لیا۔ مولوی صاحب نے جب قرض کا روپیہ واپس بھیجا۔ تو آپ نے واپس فرما دیا اور کہلا بھیجا کہ کیا آپ ہمارے روپے کو اپنے روپے سے الگ سمجھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے حکیم فضل الدین صاحب کو کہلا بھیجا کہ میں یہ نصیحت کرکے جماعت کی پگڑی اچھالنا نہیں چاہتا۔ دیکھنا تم پیسے نہ بھیجنا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے کسی سے سنا ہے کہ مولوی صاحب نے یہ بھی حکیم صاحب کو کہا تھا کہ اگر ضرور واپس دینا ہو تو کسی اور طرح دے دینا۔

(۵۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ آخری ایام میں حضرت مسیح موعودؑ نے میرے سامنے حج کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔ چنانچہ میں نے آپ کی وفات کے بعد آپکی طرف سے حج کروا دیا۔

(۵۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود کھانوں میں سے پرندہ کا گوشت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ شروع شروع میں بٹیر بھی کھاتے تھے۔ لیکن جب طاعون کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے اس کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ آپ فرماتے تھے۔ کہ اس میں طاعونی مادہ ہوتا ہے۔ مچھلی کا گوشت بھی حضرت صاحب کو پسند تھا۔ ناشتہ باقاعدہ نہیں کرتے تھے۔ ہاں عموماً صبح کو دودھ پی لیتے تھے۔ خاکسار نے پوچھا۔ کہ کیا آپ کو دودھ ہضم ہو جاتا تھا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ہضم تو نہیں ہوتا تھا۔ مگر پی لیتے تھے والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ پکوڑے بھی حضرت صاحب کو پسند تھے۔ ایک زمانے

میں سکنجبین کا شربت بہت استعمال فرمایا تھا۔ مگر پھر چھوڑ دی۔ ایک دفعہ آپ نے ایک لمبے عرصہ تک کوئی پکی ہوئی چیز نہیں کھائی صرف تھوڑے سے دیسی کیساتھ روٹی لگا کر کھا لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی مکی کی روٹی بھی پسند کرتے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتے جاتے تھے کچھ کھاتے تھے کچھ چھوڑ دیتے تھے۔ کھانے کے بعد آپکے سامنے سے بہت سے ریزے اُٹھتے تھے۔ ایک زمانہ میں آپ نے چائے کا بہت استعمال فرمایا تھا۔ مگر پھر چھوڑ دی۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ حضرت صاحب کھانا بہت تھوڑا کھاتے تھے۔ اور کھانے کا وقت بھی کوئی خاص مقرر نہیں تھا۔ صبح کا کھانا بعض اوقات بارہ بارہ ایک ایک بجے بھی کھاتے تھے۔ شام کا کھانا عموماً مغرب کے بعد مگر کبھی کبھی پہلے بھی کھا لیتے تھے۔ غرض کوئی وقت معین نہیں تھا۔ بعض اوقات خود کھانا مانگ لیتے تھے۔ کہ لاؤ کھانا تیار ہے۔ تو دے دو۔ پھر میں نے کام شروع کرنا ہے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ آپ کس وقت کام کرتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ بس سارا دن کام میں ہی گذرتا تھا۔ ۱۰ بجے ڈاک آتی تھی تو ڈاک کا مطالعہ فرماتے تھے۔ اور اس سے پہلے بعض اوقات تصنیف کا کام شروع نہیں فرماتے تھے۔ تاکہ ڈاک کی وجہ سے درمیان میں سلسلہ منقطع نہ ہو۔ مگر کبھی پہلے بھی شروع کر دیتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ روزانہ اخبار عام لاہور منگاتے اور باقاعدہ پڑھتے تھے۔ اسکے علاوہ آخری ایام میں اور کوئی اخبار خود نہیں منگاتے تھے ہاں کبھی کوئی بھیج دیتا تھا تو وہ بھی پڑھ لیتے تھے +

(۵۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ پہلے لنگر کا انتظام ہمارے گھر میں ہوتا تھا۔ اور گھر سے سارا کھانا پک کر جاتا تھا۔ مگر جب آخری سالوں میں زیادہ کام ہو گیا۔ تو میں نے کہکر باہر انتظام کروا دیا۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے دریافت کیا۔ کہ کیا حضرت صاحب کسی مہمان کے

لیئے خاص کھانا پکانے کے لیئے بھی فرماتے تھے ؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا ہاں بعض اوقات فرماتے تھے۔ کہ فلاں مہمان آئے ہیں ان کے لیئے یہ کھانا تیار کردو۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ شروع میں سب لوگ لنگر سے ہی کھانا کھاتے تھے۔ خواہ مہمان ہوں یا یہاں مقیم ہو چکے ہوں۔ مقیم لوگ بعض اوقات اپنے پسند کی کوئی خاص چیز اپنے گھروں میں بھی پکا لیتے تھے۔ مگر حضرت صاحب کی یہ خواہش ہوتی تھی۔ کہ اگر ہو سکے تو ایسی چیزیں بھی ان کے لیئے آپ ہی کی طرف سے تیار ہو کر جاویں اور آپکی خواہش رہتی تھی۔ کہ جو شخص جس قسم کے کھانے کا عادی ہو اسکو اسی قسم کا کھانا دیا جا سکے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں لنگر کا انتظام خود آپ کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ مگر آپ کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ اوّل نے یہ انتظام صدر انجمن احمدیہ قادیان کے سپرد فرما دیا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں بعض لوگ حضرت صاحب سے کہا کرتے تھے۔ کہ حضور کو انتظام کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اور حضور کا ہرج بھی بہت ہوتا ہے اپنے خدام کے سپرد فرما دیں۔ مگر آپ نے نہیں مانا کیونکہ آپ کو یہ اندیشہ رہتا تھا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے پاس انتظام جانے سے کسی مہمان کو تکلیف ہو۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ کوشش ان لوگوں کی طرف سے تھی۔ جو آپ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیئے ایسا نہیں کہتے تھے۔ بلکہ ان کی نیتوں میں فساد تھا۔ اور جو منافقین مدینہ کی طرح آپ پر اخراجات لنگر خانہ کے متعلق شبہ کرتے تھے۔ قال اللہ تعالیٰ ومنہم من یلمزک فی الصدقات۔ X

(۵۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت والدہ صاحبہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ تمہارے تایا کے ہاں ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا ہوئے تھے۔ مگر دونوں بچپن میں فوت ہو گئے۔ لڑکی کا نام عصمت اور لڑکے کا نام عبدالقادر تھا۔ حضرت صاحب کو اپنے بھائی کی اولاد سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی بڑی لڑکی کا نام اسی واسطے عصمت رکھا تھا +

(۵۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ بڑی بیوی سے حضرت مسیح موعودؑ کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اعنی مرزا سلطان احمد صاحب اور مرزا فضل احمد۔ حضرت صاحب ابھی گویا بچہ ہی تھے۔ کہ مرزا سلطان احمد پیدا ہو گئے تھے۔ اور ہماری والدہ صاحبہ سے حضرت مسیح موعود کی مندرجہ ذیل اولاد ہوئی۔ عصمت جو ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئی اور ۱۸۹۱ء میں فوت ہو گئی۔ بشیر احمد اول جو ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۸ء میں فوت ہو گیا۔ حضرت خلیفہ ثانی مرزا بشیر الدین محمود احمد جو ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ شوکت جو ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئی اور ۱۸۹۲ء میں فوت ہو گئی۔ [illegible] جو ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوا۔ مرزا شریف احمد جو ۱۸۹۵ء میں پیدا [illegible] مبارک احمد جو ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۰۷ء میں فوت ہو گیا۔ امۃ النصیر جو ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئی اور ۱۹۰۳ء میں ہی فوت ہو گئی۔ امۃ الحفیظ بیگم جو ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئیں۔ سوائے امۃ الحفیظ بیگم کے جو حضرت صاحب کی وفات کے وقت صرف تین سال کی تھیں باقی سب بچوں کی حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں شادی کر دی تھی +

(۶۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب تم بچے تھے۔ اور شاید دوسری جماعت میں ہو گے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود رفع حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو تم اس وقت ایک چارپائی پر الٹی سیدھی چھلانگیں مار رہے اور قلابازیاں کھا رہے تھے۔ آپ نے دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا دیکھو یہ کیا کر رہا ہے۔ پھر فرمایا اے ایم۔ اے کرانا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ فقرہ روزمرہ کی زبان میں بے ساختہ نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر غور کریں۔ تو اس میں دو تین پیشگوئیاں ہیں +

(۶۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عادت تھی کہ ہمیشہ رات کو سوتے ہوئے

پاجامہ اُتار کرتہ بند باندھ لیتے تھے اور عموماً کُرتہ بھی اُتار کر سوتے تھے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود جب رفع حاجت کے بعد طہارت سے فارغ ہوتے تھے۔ تو اپنا ہاتھ مٹی سے مل کر پانی سے دھوتے تھے۔

(۶۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بعض اوقات گھر میں بچوں کو بعض کہانیاں بھی سنایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بُرے بھلے کی کہانی بھی آپ عموماً سُناتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک بُرا آدمی تھا اور ایک اچھا آدمی تھا۔ اور دونوں نے اپنے رنگ میں کام کئے اور آخر کار بُرے آدمی کا انجام بُرا ہُوا اور اچھے کا اچھا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ایک بینگن کی کہانی بھی آپ سناتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ ایک آقا تھا اُسنے اپنے نوکر کے سامنے بینگن کی تعریف کی تو اُسنے بھی بہت تعریف کی چند دِن کے بعد آقا نے مذمت کی۔ تو نوکر بھی مذمت کرنے لگا۔ آقا نے پُوچھا یہ کیا بات ہے کہ اُسدن تو تُو تعریف کرتا تھا۔ اور آج مذمت کرتا ہے۔ نوکر نے کہا۔ مَیں تو حضور کا نوکر ہوں۔ بینگن کا نوکر نہیں ہُوں +

(۶۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ ہم تینوں بھائیوں نے مل کر ایک ہوائی بندوق کے منگانے کا ارادہ کیا۔ مگر ہم فیصلہ نہ کر سکتے تھے کہ کونسی منگوائیں۔ آخر ہم نے قرعہ لکھ کر حضرت صاحب سے قرعہ اُٹھوایا۔ اور جو بندوق نکلی وہ ہم نے منگالی اور پھر اس سے بہت شکار کیا (یہ ۲۲ بور کی بی۔ ایس اے ایئر رائفل تھی)

(۶۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایکدفعہ ہم گھر کے بچے ملکر حضرت صاحبؑ کے سامنے میاں شریف احمدؐ کو چھیڑنے لگ گئے۔ کہ ابّا کو تم سے محبت نہیں ہے اور ہم سے ہے میاں شریف بہت چڑتے تھے۔ حضرت صاحب نے ہمیں روکا بھی کہ زیادہ تنگ نہ کرو مگر ہم بچے تھے لگے رہے۔ آخر میاں شریف رونے لگ گئے۔ اور انکی عادت تھی کہ جب روتے

تھے تو ناک سے بہت رطوبت بہتی تھی۔ حضرت صاحب اُٹھے اور چاہا کہ ان کو گلے لگا لیں۔ تاکہ ان کا شک دُور ہو مگر وُہ اِس وجہ سے کہ ناک بہ رہا تھا۔ پرے پرے کھچتے تھے۔ حضرت صاحب سمجھتے تھے۔ کہ شاید اسے تکلیف ہے اسلیئے دُور ہٹتا ہے چنانچہ کافی دیر تک یہی ہوتا رہا کہ حضرت صاحب ان کو اپنی طرف کھینچتے تھے اور وہ پرے پرے کھچتے تھے اور چونکہ ہمیں معلوم تھا کہ اصل بات کیا ہے اسلیئے ہم پاس کھڑے ہنستے جاتے

(۶۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ہم بچے تھے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام خواہ کام کر رہے ہوں۔ یا کسی اور حالت میں ہوں ہم آپ کے پاس چلے جاتے تھے۔ کہ ابا پیسہ دو اور آپ اپنے رومال سے پیسہ کھول کر دے دیتے تھے۔ اگر ہم کسی وقت کسی بات پر زیادہ اصرار کرتے تھے۔ تو آپ فرماتے تھے کہ میاں میں اس وقت کام کر رہا ہوں۔ زیادہ تنگ نہ کرو۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آپ معمولی نقدی وغیرہ اپنے رُومال میں جو بڑے سائز کا ململ کا بنا ہوا ہوتا تھا باندھ لیا کرتے تھے اور رومال کا دوسرا کنارہ واسکٹ کے ساتھ سلوا لیتے یا کاج میں بندھوا لیتے تھے۔ اور چابیاں ازار بند کے ساتھ باندھتے تھے۔ جو بوجہ سی بعض اوقات لٹک آتا تھا۔ اور والدہ صاحبہ بیان فرماتی ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ عموماً ریشمی ازار بند استعمال فرماتے تھے۔ کیونکہ آپ کو پیشاب جلدی جلدی آتا تھا اسلیئے ریشمی ازار بند رکھتے تھے تاکہ کھلنے میں آسانی ہو اور گرہ بھی پڑ جاوے تو کھولنے میں دقت نہ ہو۔ سوتی ازار بند میں آپ سے بعض وقت گرہ پڑ جاتی تھی۔ تو آپ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی۔

(۶۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ تمہارے دادا کی زندگی میں حضرت صاحب کو سِل ہو گئی اور چھ ماہ تک بیمار رہے۔ اور بڑی نازک حالت ہو گئی۔ حتّٰی کہ زندگی سے ناامیدی ہو گئی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت صاحب کے چچا آپکے پاس آکر بیٹھے۔ اور کہنے لگے کہ دُنیا میں یہی حال ہے۔ سبھی نے مرنا ہے۔ کوئی آگے گزر جاتا ہے۔ کوئی پیچھے جاتا ہے اس لیئے

اسپر ہراساں نہیں ہونا چاہیئے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ تمہارے دادا خود حضرت صاحب کا علاج کرتے تھے۔ اور برابر چھ ماہ تک انہوں نے آپ کو بکرے کے پائے کا شوربا کھلایا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس جگہ چچا سے مراد مرزا غلام محی الدین صاحب ہیں۔

(۶۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے ہماری پھوپھی صاحبہ یعنی مرزا امام الدین کی ہمشیرہ نے جو ہماری تائی کی چھوٹی بہن ہیں۔ اور مرزا احمد بیگ صاحب ہوشیارپوری کی بیوہ ہیں۔ کہ ایک دفعہ ہمارے والد اور تایا کو سکھوں نے بسراواں کے قلعہ میں بند کر دیا تھا اور قتل کا ارادہ رکھتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ غالباً سکھوں کے آخری عہد کی بات ہے۔ جب کہ راجہ رنجیت سنگھ کے بعد ملک میں پھر بدامنی پھیل گئی تھی۔ اس وقت [illegible] کے بھائی مرزا غلام محی الدین صاحب کو سکھوں نے قلعہ میں بند کر دیا تھا اور سننے میں آیا ہے کہ جب مرزا غلام حیدران کے چھوٹے بھائی کو اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے لاہور سے کمک لاکر ان کو چھڑایا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ بسراواں قادیان سے قریباً اڑھائی میل مشرق کی طرف ایک گاؤں ہے۔ اس زمانہ میں وہاں ایک خام قلعہ ہوتا تھا۔ جو اب مسمار ہو چکا ہے۔ مگر اسکے آثار باقی ہیں۔

(۶۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب میں چھوٹی لڑکی تھی۔ تو میر صاحب (یعنی خاکسار کے نانا جان) کی تبدیلی ایک دفعہ یہاں قادیان بھی ہوئی تھی۔ اور ہم یہاں چھ سات ماہ ٹھہرے تھے۔ پھر یہاں سے دوسری جگہ میر صاحب کی تبدیلی ہوئی۔ تو وہ تمہارے تایا سے بات کر کے ہم کو تمہارے تایا کے مکان میں چھوڑ گئے تھے۔ اور پھر ایک مہینہ کے بعد آکر لے گئے۔ اسوقت تمہارے تایا قادیان سے باہر رہتے تھے اور آٹھ روز کے بعد یہاں آیا کرتے تھے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے انکو دیکھا ہے خاکسار نے پوچھا کہ حضرت صاحب کو بھی ان دنوں میں آپنے کبھی دیکھا تھا یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب

رہتے تو اسی مکان میں تھے مگر میں نے آپ کو نہیں دیکھا اور والدہ صاحبہ نے مجھے وہ کمرہ دکھایا جس میں ان دنوں میں حضرت صاحب رہتے تھے۔ آجکل وہ کمرہ مرزا سلطان احمد صاحب کے قبضہ میں ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب ابتداء سے ہی گوشہ نشین تھے۔ اسلیئے والدہ صاحبہ کو دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا ہوگا۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ یہ کب کی بات ہے والدہ صاحبہ نے فرمایا مجھے تاریخ تو یاد نہیں مگر یہ یاد ہے کہ جب ہم یہاں قادیان آئے تھے۔ تو ان دنوں میں تمہارے دادا کی وفات کی ایک سالہ رسم ادا ہوئی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس حساب سے وہ زمانہ ۱۸۷۷ء کا بنتا ہے اسوقت والدہ صاحبہ کی عمر نو دس سال کی ہوگی اور حضرت صاحب کی عمر غالباً بیس سال سے اوپر تھی۔ (خاکسار عرض کرتا ہے کہ اسوقت حصہ دالان جو مسجد اقصیٰ کے ساتھ ہے۔ وہ حصہ حضرت صاحب اس ایام میں رہتے تھے ایک دوسرے کمرے میں ہمارے پاس آگئے تھے جو چوبارہ ہے۔ جو حضرت والدہ صاحبہ کے موجودہ باورچی خانہ کے صحن کے ساتھ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے مکان سے ملحق ہے)

(۶۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ میری شادی سے پہلے حضرت صاحب کو معلوم ہوا تھا۔ کہ آپ کی دوسری شادی دلی میں ہوگی چنانچہ آپ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کے پاس اس کا ذکر کیا۔ تو چونکہ اسوقت اس کے پاس تمام اہلحدیث لڑکیوں کی فہرست رہتی تھی۔ اور میر صاحب بھی اہلحدیث تھے اور اس سے بہت میل ملاقات رکھتے تھے اسلیئے انہوں نے حضرت صاحب کے پاس میر صاحب کا نام لیا۔ آپ نے میر صاحب کو لکھا۔ شروع میں میر صاحب نے اس تجویز کو بوجہ تفاوت عمر ناپسند کیا۔ مگر آخر رضامند ہو گئے۔ اور پھر حضرت صاحب مجھے بیاہنے دلی گئے۔ آپکے ساتھ شیخ حامد علی اور الہ بلاوا مل بھی تھے نکاح مولوی نذیر حسین نے پڑھا تھا۔ یہ ۲۷ محرم ۱۳۰۲ھ بروز پیر کی بات ہے اسوقت میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ حضرت صاحب نے نکاح کے بعد مولوی نذیر حسین

کو پانچ روپے اور ایک مصلّے نذر دیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس وقت حضرت مسیح موعود کی عمر پچاس سال کے قریب ہوگی۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تمہارے تایا میرے نکاح سے ڈیڑھ دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ تایا صاحب ۱۸۸۳ء میں فوت ہوئے تھے۔ جو کہ تصنیف براہین کا آخری زمانہ تھا۔ اور والدہ صاحبہ کی شادی نومبر ۱۸۸۴ء میں ہوئی تھی اور مجھے والدہ صاحبہ سے معلوم ہوا ہے کہ پہلے شادی کا دن اتوار مقرر ہوا تھا۔ مگر حضرت صاحب نے کہہ کر پیر کروا دیا تھا +

(۷۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود کا زمانہ عجیب تھا۔ قادیان میں دو دن گرمی نہیں پڑتی [illegible] حضرت صاحب سے کہتے [illegible] ہے اور دوسرے دن بارش ہو جاتی تھی۔ میر حامد شاہ صاحب نے بیان کیا کہ اس زمانہ میں فصلوں کے متعلق بھی کبھی شکایت نہیں ہوئی خاکسار نے گھر آ کر والدہ صاحبہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا۔ کہ حضرت صاحب جب فرماتے تھے۔ کہ آج بہت گرمی ہے۔ تو عموماً اسی دن یا دوسرے دن بارش ہو جاتی تھی اور [illegible] حد تو [illegible] گرمی ہے اور بارش نہیں ہوتی۔ خاکسار عرض کرتا [illegible] حضرت صاحب کے زمانہ میں قادیان میں کبھی نماز استسقا نہیں پڑھی گئی [illegible] کے بعد کئی دفعہ پڑھی گئی ہے۔ (اس روایت کے متعلق یہ بات قابل نوٹ ہے کہ یہ خیال کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کبھی استسقا کی نماز نہیں پڑھی گئی۔ درست نہیں نکلا۔ دیکھو حصہ دوم روایت ۴۱۵ مگر یہ خیال کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قادیان میں بالعموم زیادہ دنوں تک مسلسل شدت کی گرمی نہیں پڑتی تھی۔ بہرحال درست ہے)

(۷۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ ایک عام عادت تھی۔ کہ صبح کے وقت باہر سیر کو تشریف لے جایا کرتے تھے

اور خدام آپکے ساتھ ہوتے تھے اور ایک ایک میل دو دو میل چلے جاتے تھے اور آپکی عادت تھی۔ کہ بہت تیز چلتے تھے۔ مگر بایں ہمہ آپکی رفتار میں پورا پورا وقار ہوتا تھا۔ حضور سیر پر جاتے ہوئے حضرت مولوی صاحب (خلیفہ اوّل) کو بھی ساتھ جانے کے لیئے بُلا لیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ مولوی صاحب بہت آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر چلتے تھے۔ اسلیئے تھوڑی دُور چلکر حضرت صاحب سے پیچھے رہ جاتے تھے۔ جب حضور کو پتہ لگتا تھا۔ تو مولوی صاحب کے انتظار کے لیئے تھوڑی دیر سڑک پر ٹھہر جاتے تھے۔ مگر مولوی صاحب پھر تھوڑی دُور چلکر آپ سے پیچھے رہ جاتے تھے اور دو چار آدمی مولوی صاحب کے ساتھ ساتھ ہو جاتے تھے اور میں نے دیکھا ہے کہ حضرت صاحب سیر جاتے وقت نواب محمد علی خان صاحب کو بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ اور کئی دفعہ آپ اپنے گھر سے باہر نکل کر چوک میں اپنے خدام کے ساتھ نواب صاحب کا انتظار کیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات نواب صاحب کو آنے میں دیر ہو جاتی تھی۔ تو آپ کئی کئی منٹ انکے دروازہ کے سامنے چوک میں کھڑے رہتے تھے۔ اور پھر ان کو ساتھ لے کر جاتے تھے اور سیر میں حضور کی اپنے خدام کے ساتھ گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اور حضور تقریر فرماتے جاتے تھے اور اخبار والے اپنے طور پر نوٹ کرتے جاتے تھے۔

حضرت مسیح موعود عموماً سیر کے لیئے بسراواں کے راستہ یا بوبک کے راستہ تشریف لیجایا کرتے تھے۔ بعض اوقات اپنے باغ کی طرف بھی چلے جاتے تھے۔ اور وہاں توت وغیرہ توڑوا کر خدام کے سامنے رکھوا دیتے تھے اور خود بھی کھاتے تھے۔ سیر میں جب ایسا ہوتا کہ کسی شخص کا قدم بے احتیاطی سے حضور کے عصا پر پڑ جاتا اور وہ آپکے ہاتھ سے گر جاتا۔ تو حضور کبھی منہ موڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔ کہ کس سے گرا ہے۔ اور بعض اوقات جب جلسوں وغیرہ کے موقعہ پر سیر میں کثرت کیساتھ لوگ حضور کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ تو بعض خدام خود بخود ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر حضور کے تین طرف ایک چکر سا بنا لیتے تھے تاکہ حضور کو تکلیف نہ ہو

مگر آخری جلسہ میں جو حضور کی زندگی میں ہوا جب حضور بوٹر (شمال) کی طرف سیر کے لیئے نکلے۔ تو اس کثرت کے ساتھ لوگ حضور کے ساتھ ہو گئے کہ چلنا مشکل ہو گیا لہذا حضور تھوڑی دور جا کر واپس آ گئے۔ خاکسار کو یاد ہے کہ حضور ایک دفعہ بسراواں (مشرق) کے راستہ پر سیر کر کے واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں قادیان سے جاتے ہوئے مرزا نظام الدین ملے جو حضور کے چچازاد بھائی تھے۔ مگر سخت مخالف تھے۔ وہ اسوقت گھوڑے پر سوار تھے۔ حضور کو آتا دیکھ کر وہ گھوڑے سے اتر آئے اور راستہ سے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے جب آپ پاس سے گزر گئے تو انہوں نے ادب کے ساتھ جھک کر سلام کیا۔ حالانکہ [illegible] لوگ سخت بات کہہ کر ہاں سے [illegible] سلام کرتا تھا تو حضور بھی اسکے جواب میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(۷۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درمیانہ قد تھا۔ رنگ گندمی تھا۔ چہرہ بھاری تھا بال سیدھے اور ملائم تھے۔ ہاتھ پاؤں بھرے بھرے تھے۔ آخری عمر میں بدن کچھ بھاری ہو گیا تھا آپ کے رنگ ڈھنگ اور خط و خال میں ایک خداداد رعب تھا۔ مگر آپ سے ملنے والوں کے دل آپکے متعلق محبت سے بھر جاتے تھے۔ اور کوئی مخفی طاقت لوگوں کو آپکی طرف کھینچتی تھی۔ سینکڑوں لوگ مخالفت کے جذبات لے کر آئے اور آپ کا چہرہ دیکھتے ہی رام ہو گئے۔ اور کوئی دلیل نہیں پوچھی۔ رعب کا یہ حال تھا کہ کئی شقی بدارادوں کے ساتھ آپ کے سامنے آتے تھے۔ مگر آپ کے سامنے آکر دم [illegible] کی طاقت نہ رہتی تھی۔

(۷۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مردان کا کوئی آدمی میاں محمد یوسف صاحب مردانی کے ساتھ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول کے علاج کے واسطے یہاں قادیان آیا۔ یہ شخص سلسلہ کا سخت دشمن تھا اور بصد مشکل قادیان آنے

پر رضامند ہوا تھا۔ مگر اس نے میاں محمد یوسف صاحب سے یہ شرط کرلی تھی کہ قادیان میں مجھے احمدیوں کے محلہ سے باہر کوئی مکان لے دینا اور میں کبھی اس محلہ میں داخل نہیں ہونگا۔ خیر وہ آیا اور احمدی محلہ سے باہر ٹھیرا۔ اور حضرت مولوی صاحب کا علاج ہوتا رہا۔ جب کچھ دنوں کے بعد اسے کچھ افاقہ ہوا تو وہ واپس جانے لگا۔ میاں محمد یوسف صاحب نے اس سے کہا کہ تم قادیان آئے اور اب جاتے ہو۔ ہماری مسجد تو دیکھتے جاؤ۔ اسنے انکار کیا۔ میاں صاحب نے اصرار سے اسے منایا۔ تو اس نے اس شرط پر مانا کہ ایسے وقت میں مجھے وہاں لیجاؤ کہ وہاں کوئی احمدی نہ ہو اور نہ مرزا صاحب ہوں۔ چنانچہ میاں محمد یوسف صاحب ایسا وقت دیکھکر اسے مسجد مبارک میں لائے مگر قدرت خدا کہ ادہر اُسنے مسجد میں قدم رکھا اور اُدھر حضرت مسیح موعود کے مکان کی کھڑکی کھلی اور حضور کسی کام کے لئے مسجد میں تشریف لے آئے۔ اس شخص کی نظر حضور کی طرف اُٹھی اور وہ بیتاب ہوکر حضور کے سامنے آگرا اور اسیوقت بیعت کرلی۔

(۷۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں فخر الدین صاحب ملتانی نے کہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں ایک دفعہ میرے والد یہاں آئے اور وہ سخت مخالف اور بدگو تھے۔ اور یہاں آکر بھی بڑی تیزی کی باتیں کرتے رہے اور وہ جب ملتان میں تھے تو کہتے تھے کہ میں اگر کبھی مرزا سے ملا تو (نعوذ باللہ) اسکے منہ پر بھی (لعنتیں ڈالونگا) یعنے سامنے بھی یہی کہونگا۔ جو یہاں کہتا ہوں۔ خیر میں انہیں حضرت صاحب کے پاس لے گیا حضور جب باہر تشریف لائے تو وہ ادب سے کھڑے ہوگئے۔ اور پھر خوف زدہ ہوکر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ اسوقت مجلس میں اور لوگ بھی تھے۔ حضور نے بیٹھے بیٹھے تقریر فرمانی شروع کی اور کئی دفعہ کہا کہ ہم تو چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے پاس آئیں اور ہماری باتیں سنیں اور ہم سے سوال کریں۔ اور ہم ان کے واسطے خرچ کرنے کو بھی تیار ہیں۔ لیکن اول تو لوگ آتے نہیں اور اگر آتے ہیں تو خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اور پھر پیچھے جاکر باتیں کرتے ہیں۔ غرض حضور نے کھول کھول

کر تقریر کی اور بیٹھ فرمائی اور انہیں بات کرنے پر کئی دفعہ انصار امیرا والد بڑا چرب زبان ہے مگر ان کے منہ پر گویا مہر لگ گئی اور وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکے وہاں سے اٹھکر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ وہاں بولے کیوں نہیں انہوں نے کچھ کہکر ٹال دیا۔ میاں فخر الدین صاحب کہتے تھے کہ حضرت صاحب نے اس تقریر میں میرے والد کو مخاطب نہیں کیا تھا۔ بلکہ عام تقریر فرمائی تھی۔

(۷۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا حضرت امیر المومنین خلیفہ ثانی نے کہ ایک دفعہ ایک ہندو جو گجرات کا رہنے والا تھا۔ قادیان کسی برات کیساتھ آیا۔ یہ شخص علم توجہ کا بڑا ماہر تھا۔ چنانچہ اسنے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم لوگ قادیان آئے ہوئے ہیں۔ چلو مرزا صاحب سے ملتے چلیں۔ اور اس کا منشا یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے حضرت صاحب پر اپنی توجہ کا اثر ڈالکر آپ سے بھری مجلس میں کوئی بیہودہ حرکات کرائے جب وہ مسجد میں حضور سے ملا تو اسنے اپنے علم سے آپ پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ یکلخت کانپ اٹھا مگر سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنا کام پھر شروع کر دیا اور حضرت صاحب اپنی گفتگو میں لگے رہے مگر پھر اسکے بدن پر ایک سخت لرزہ آیا اور اس کی زبان سے بھی کچھ خوف کی آواز نکلی مگر وہ پھر سنبھل گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد اسنے ایک چیخ ماری اور بے تحاشا مسجد سے بھاگ نکلا اور بغیر جوتا پہنے نیچے بھاگتا ہوا اتر گیا اسکے ساتھی اور دوسرے لوگ اسکے پیچھے بھاگے اور اسکو پکڑ کر سنبھالا جب اسکے ہوش ٹھکانے ہوئے تو اسنے بیان کیا کہ میں علم توجہ کا بڑا ماہر ہوں مینے یہ ارادہ کیا تھا کہ مرزا صاحب پر اپنی توجہ ڈالوں اور مجلس میں اسنے کوئی لغو حرکات کرادوں لیکن جب مینے توجہ ڈالی تو مینے دیکھا کہ میرے سامنے مگر ایک فاصلہ پر ایک شیر بیٹھا ہے میں اُسے دیکھکر کانپ گیا لیکن مینے جی میں ہی اپنے آپکو ملامت کی کہ یہ میرا وہم ہے۔ چنانچہ مینے پھر مرزا صاحب پر توجہ ڈالنی شروع کی تو مینے دیکھا کہ پھر وہی شیر میرے سامنے ہے اور میرے قریب آگیا ہے اسپر پھر میرے بدن پر سخت لرزہ آیا مگر میں پھر سنبھل گیا اور مینے جی میں اپنے آپکو بہت ملامت کی کہ یونہی میرے دل میں وہم سے خوف پیدا ہو گیا ہے چنانچہ مینے اپنا دل مضبوط کر کے اور اپنی طاقت کو جمع کر کے پھر مرزا صاحب پر اپنی توجہ کا اثر ڈالا اور

پورا زور لگایا اسپر ناگہان میں نے دیکھا کہ وہی شیر میرے اوپر کود کر حملہ آور ہوا ہے اسوقت میں نے بیخود ہو کر چیخ ماری اور وہاں سے بھاگ اٹھا۔ حضرت خلیفہ ثانی بیان فرماتے تھے کہ وہ شخص پھر حضرت صاحب کا بہت معتقد ہو گیا تھا اور ہمیشہ جب تک زندہ رہا آپ سے خط و کتابت رکھتا تھا۔

(۷۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ منشی محمد اروڑا صاحب مرحوم کپورتھلوی حضرت مسیح موعودؑ کے ذکر پر کہا کرتے تھے کہ ہم تو آپ کے منہ کے بھوکے تھے بیشک ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ دیکھنے سے اچھے ہو جاتے تھے۔ نیز عرض کرتا ہے کہ منشی صاحب مرحوم پرانے مخلصوں میں سے تھے اور بیعت مسیح موعود میں ان کا نمبر صف اول میں شمار ہونا چاہیے۔

(۷۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کسی سفر میں تھے سٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی آپ بیوی صاحبہ کے ساتھ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگ گئے۔ یہ دیکھکر مولوی عبدالکریم صاحب جنکی طبیعت غیور اور جوشیلی تھی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور پھر غیر لوگ اِدھر اُدھر پھرتے ہیں آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیا جاوے مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کہا میں تو نہیں کہتا آپ کہکر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبدالکریم صاحب خود حضرت صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ حضور لوگ بہت ہیں بیوی صاحبہ کو الگ ایک جگہ بٹھا دیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا جاؤ جی میں ایسے پردے کا قائل نہیں ہوں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اس کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب سر نیچے ڈالے میری طرف آئے۔ میں نے کہا مولوی صاحب! جواب لی آئے؟

(۷۸) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جن دنوں میں ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد بیمار تھا ایک دفعہ حضرت مسیح موعود نے حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول کو اسکے دیکھنے کے لئے گھر میں بلایا۔ اسوقت آپ صحن میں ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے اور صحن میں کوئی فرش وغیرہ نہیں تھا۔ مولوی صاحب آئے ہی آپکی

چارپائی کے پاس زمین پر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا مولوی صاحب چارپائی پر بیٹھیں۔ مولوی صاحب نے عرض کیا حضور میں بیٹھا ہوں اور کچھ اونچے ہو گئے۔ اور ہاتھ چارپائی پر رکھ لیا مگر حضرت صاحب نے جب دوبارہ کہا تو مولوی صاحب اٹھکر چارپائی کے ایک کنارہ پر پائنتی کے اوپر بیٹھ گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب میں اطاعت اور ادب کا مادہ کمال درجہ پر تھا۔

(۷۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جماعت احمدیہ کپورتھلہ اور غیر احمدیوں کا وہاں کی مسجد کے متعلق ایک مقدمہ ہو گیا۔ جس جج کے پاس یہ مقدمہ گیا وہ خود غیر احمدی تھا۔ اور مخالف تھا اس نے اس مقدمہ میں خلاف پہلو اختیار کرنا شروع کیا۔ اس حالت میں جماعت کپورتھلہ نے گھبراکر حضرت مسیح موعود کو خطوط لکھے اور دعا کیلئے درخواست کی۔ حضرت صاحب نے انکو جواب لکھا کہ اگر میں سچا ہوں تو مسجد تمکو ملجائیگی۔ مگر جج نے بدستور مخالفانہ روش قائم رکھی۔ آخر اسنے احمدیوں کے خلاف فیصلہ لکھا۔ جسدن اسنے فیصلہ سنانا تھا اسدن وہ صبح کے وقت کپڑے پہنکر اپنی کوٹھی کے برامدہ میں نکلا اور اپنے نوکر کو کہا کہ بوٹ پہنائے اور آپ ایک کرسی پر بیٹھ گیا نوکر نے بوٹ پہنا کر فیتہ باندھنا شروع کیا کہ یکلخت اُسے کھٹ کی سی آواز آئی اس نے اوپر نظر اٹھائی تو دیکھا کہ اس کا آقا بے سہارا ہو کر کرسی پر اوندھا پڑا تھا اسنی ہاتھ لگایا۔ تو معلوم ہوا مرا ہوا ہے گویا یکلخت دل کی حرکت بند ہو کر اس کی جان نکل گئی اسکا قائمقام ایک ہندو مقرر ہوا جسنے اسکے لکھے ہوئے فیصلہ کو کاٹ کر احمدیوں کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھ سے مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی فاضل نے ذکر کیا کہ میں ایکدفعہ کپورتھلہ گیا تھا تو وہاں دیکھا کہ وہاں کی جماعت نے حضرت مسیح موعود کی یہ عبارت کہ اگر میں سچا ہوں تو مسجد تمکو ملجائیگی۔ خوبصورت موٹی لکھوا کر اسی مسجد میں نصب کرائی ہوئی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ کپورتھلہ کی جماعت بہت پرانی جماعت ہے اور حضرت مسیح موعود کے دیرینہ مخلصین میں سے ہے مجھے سنا ہوا ہے کہ انکے پاس حضرت مسیح موعود کی ایک تحریر ہے جس میں لکھا ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ جسطرح کپورتھلہ کی جماعت نے دنیا میں

میرا ساتھ دیا ہے اسی طرح جنت میں بھی میرے ساتھ ہوگی ۔

(۸۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ میرا دادا جسے لوگ عام طور پر خلیفہ کہتے تھے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سخت مخالف تھا اور آپکے حق میں بہت بدزبانی کیا کرتا تھا ۔ اور والد صاحب کو بہت تنگ کیا کرتا تھا والد صاحب نے اس سے تنگ آکر حضرت مسیح موعود کو دعا کیلئے خط لکھا حضرت مسیح موعود کا جواب گیا کہ ہم نے دعا کی ہے والد صاحب نے یہ خط تمام محلہ والوں کو دکھا دیا اور کہا کہ حضرت صاحب نے دعا کی ہے اب دیکھ لینا خلیفہ گالیاں نہیں دیگا ۔ دوسرے تیسرے دن جمعہ تھا ہمارا دادا حسب دستور غیر احمدیوں کے ساتھ جمعہ پڑھنے گیا مگر وہاں سے واپس آکر غیر معمولی طور پر حضرت مسیح موعود کے متعلق خاموش رہا ۔ حالانکہ اسکی عادت تھی کہ جمعہ کی نماز پڑھکر گھر آنے کے بعد خصوصاً بہت گالیاں دیا کرتا تھا ۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم آج مرزا صاحب کے متعلق خاموش کیوں ہو؟ اسنے کہا کسی کے متعلق بدزبانی کرنے سے کیا حاصل ہے اور مولوی نے بھی آج جمعہ میں وعظ کیا ہے کہ کوئی شخص اپنی جگہ کیسا ہی برا ہو ہمیں بدزبانی نہیں کرنی چاہیئے ۔ لوگوں نے کہا اچھا یہ بات ہے ؟ ہمیشہ تو تم گالیاں دیتے تھے اور آج تمہارا یہ خیال ہو گیا ہے ۔ بلکہ اصل میں بات یہ ہے کہ بابو (میرے والد کو لوگ بابو کہا کرتے تھے) کل ہی ایک خط دکھا رہا تھا کہ قادیان سے آیا ہے اور کہتا تھا کہ اب خلیفہ گالی نہیں دیگا ۔ مولوی رحیم بخش صاحب کہتے تھے کہ اسکے بعد باوجود کئی دفعہ مخالفوں کے بھڑکانے کے میرے دادا نے کبھی حضرت مسیح موعود کے متعلق بدزبانی نہیں کی اور کبھی میرے والد صاحب کو احمدیت کیوجہ سے تنگ نہیں کیا (اس روایت کے متعلق یہ بات قابل نوٹ ہے کہ اسکے راوی صاحب نے اب حضرت خلیفۃ المسیح کے منشاء کے ماتحت اپنا نام عبدالرحیم رکھ لیا ہے اور عموماً مولوی عبدالرحیم صاحب درد کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں) ۔

(۸۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دورے پڑنے شروع ہوئے تو آپ نے اس سال سارے رمضان کے روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا ۔ دوسرا رمضان آیا تو آپنے روزے رکھنے شروع

سکے مگر آٹھ نو روزے رکھے تھے کہ پھر دورہ ہوا اسلئے باقی چھوڑ دئے اور فدیہ ادا کر دیا اسکے بعد جو رمضان آیا تو اسمیں آپ نے دس گیارہ روزے رکھے تھے کہ پھر دورہ کیوجہ سے روزے ترک کرنے پڑے اور آپنے فدیہ ادا کر دیا اسکے بعد جو رمضان آیا تو آپکا تیرھواں روزہ تھا کہ مغرب کے قریب آپکو دورہ پڑا اور آپنے روزہ توڑ دیا اور باقی روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا اسکے بعد جتنے رمضان آئے آپنے سب روزے رکھے مگر پھر وفات سے دو تین سال قبل کمزوری کیوجہ سے روزے نہیں رکھ سکے اور فدیہ ادا فرماتے رہے خاکسار نے دریافت کیا کہ جب آپنے ابتدا دوروں کے زمانہ میں روزے چھوڑے تو کیا پھر بعد میں انکو قضا کیا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ نہیں صرف فدیہ ادا کر دیا تھا خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب شروع شروع میں حضرت مسیح موعود کو دوران سر اور برد اطراف کے دورے پڑنے شروع ہوئے تو اس زمانہ میں آپ بہت کمزور ہو گئے تھے اور صحت خراب رہتی تھی اسلئے جب آپ روزے چھوڑتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر دوسرے رمضان تک انکے پورا کرنے کی طاقت نہ پاتے تھے۔ مگر جب اگلا رمضان آتا تو پھر شوق عبادت میں روزے رکھنے شروع فرما دیتے تھے لیکن پھر دورہ پڑتا تھا تو ترک کر دیتے تھے اور بقیہ کا فدیہ ادا کر دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۸۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود اوائل میں غرارے استعمال فرمایا کرتے تھے پھر مہینے کہکر وہ ترک کروا دیئے اسکے بعد آپ معمولی پاجامے استعمال کرنے لگ گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ غرارہ بہت کھلے پائنچے کی پائجامی کو کہتے ہیں۔ (پہلے اسکا ہندوستان میں بہت رواج تھا اب بہت کم ہو گیا ہے)

(۸۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود عام طور پر سفید ململ کی پگڑی استعمال فرماتے تھے جو عموماً دس گز لمبی ہوتی تھی پگڑی کے نیچے کلاہ کی جگہ نرم قسم کی رومی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ اور گھر میں بعض اوقات پگڑی اتار کر سر پر صرف ٹوپی ہی رہنے دیتے تھے بدن پر گرمیوں میں عموماً ململ کا کرتہ استعمال فرماتے تھے۔ اسکے اوپر گرم صدری اور گرم کوٹ پہنتے تھے پاجامہ بھی آپکا گرم ہوتا تھا۔ نیز آپ

عموماً جراب بھی پہنے رہتے تھے۔ بلکہ سردیوں میں دو دو جرابیں اوپر تلے پہن لیتے تھے۔ پاؤں میں آپ ہمیشہ دیسی جوتا پہنتے تھے۔ نیز بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب سے حضرت مسیح موعود کو دورے پڑنے شروع ہوئے اسوقت سے آپ نے سردی گرمی میں گرم کپڑے کا استعمال شروع فرما دیا تھا۔ ان کپڑوں میں آپ کو گرمی بھی لگتی تھی۔ اور بعض اوقات تکلیف بھی ہوتی تھی مگر جب ایک دفعہ شروع کر دیئے تو پھر آخر تک یہی استعمال فرماتے رہے۔ اور جب سے شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی ثم لاہوری احمدی ہوئے وہ آپ کے لئے کپڑوں کے جوڑے بنوا کر باقاعدہ لاتے تھے اور حضرت صاحب کی عادت تھی کہ جیسا کپڑا کوئی لے آئے پہن لیتے تھے۔ ایکدفعہ کوئی شخص آپ کے لئے گرگابی لے آیا آپ نے پہن لی مگر سکھائے سیدھے پاؤں کا آپکو تپہ نہیں لگتا تھا کئی دفعہ الٹی پہن لیتے تھے اور پھر تکلیف ہوتی تھی بعض دفعہ آپ کا الٹا پاؤں پڑ جاتا تو تنگ ہو کر فرماتے ان کی کوئی چیز بھی اچھی نہیں ہے والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ یہ آپکی سہولت کیواسطے الٹے سیدھے پاؤں کی شناخت کیلئے نشان لگا دیئے تھے مگر باوجود اسکے آپ الٹا سیدھا پہن لیتے تھے اسلئے آپ نے اسے اتار دیا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب نے بعض اوقات انگریزی طرز کی قمیص کے کفوں کے متعلق بھی اسی قسم کی ناپسندیدگی کے الفاظ فرمائے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ صاحب موصوف آپکے لئے انگریزی طرز کی گرم قمیص بنوا کر لایا کرتے تھے۔ آپ انہیں استعمال تو فرماتے تھے۔ مگر انگریزی طرز کی کفونکو پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ اول تو کفوں کے بٹن لگانے سے آپ گھبراتے تھے دوسرے بٹنوں کے کھولنے اور بند کرنے کا التزام آپ کے لئے مشکل تھا۔ بعض اوقات فرماتے تھے کہ یہ کیا کان سے لٹکے رہتے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ لباس کے متعلق حضرت مسیح موعود کا عام اصول یہ تھا کہ جس قسم کا کپڑا ملجاتا تھا پہن لیتے تھے۔ مگر عموماً انگریزی طریق لباس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ اول تو اسے اپنے لئے سادگی کے خلاف سمجھتے تھے دوسرے آپ ایسے لباس سے جو اعضاء کو جکڑا ہوا رکھے بہت گھبراتے تھے۔ گھر میں آپکے لئے صرف ململ کے کرتے اور پگڑیاں تیار ہوتی تھیں۔ باقی سب کپڑے عموماً ہدیۃً آپ کو آجاتے تھے۔ شیخ

رحمت اللہ صاحب لاہوری اس خدمت میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود بعض اوقات کمر پر پٹکا بھی استعمال فرماتے تھے اور جب کبھی گھر سے باہر تشریف لیجاتے تھے۔ تو کوٹ ضرور پہنکر آتے تھے۔ اور ہاتھ میں عصا رکھنا بھی آپ کی سنت ہے۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں۔ کہ میں حضرت صاحب کے واسطے ہر سال نصف تھان کے کرتے تیار کیا کرتی تھی۔ لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی تھی میں نے پورے تھان کے کرتے تیار کئے۔ حضرت صاحب نے مجھے کہا بھی کہ اتنے کرتے کیا کرنے ہیں۔ مگر میں نے تیار کر لئے ان میں سے اب تک بہت سے کرتے بے پہنے میرے پاس رکھے ہیں۔

(۸۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود جمعہ کے دن خوشبو لگاتے اور کپڑے بدلتے تھے۔

(۸۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود جب کبھی مغرب کی نماز گھر میں پڑھاتے تھے تو اکثر سورہ یوسف کی وہ آیات پڑھتے تھے جسمیں [illegible] اللہ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی آواز میں بہت سوز اور درد تھا۔ اور آپکی قرأت لہردار ہوتی تھی۔

(۸۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ میں نے کبھی حضرت مسیح [illegible] کاف بیٹھتے نہیں دیکھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

(۸۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے سید فضل شاہ صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود یہاں مسجد مبارک میں تشریف رکھتے تھے میں پاس بیٹھا تھا۔ بھائی عبداللہ صاحب سنوری بھی پاس تھے اور بعض اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب سب کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ مگر جب بھائی عبداللہ صاحب بولتے تھے تو حضرت صاحب دوسروں کی طرف سے توجہ ہٹا کر ان کی طرف توجہ کر لیتے تھے۔ مجھے اسکا ملال ہوا اور میں نے ان پر رشک کیا۔ حضرت صاحب میرے اس خیال کو سمجھ گئے اور میری طرف [illegible] لگے شاہ صاحب آپ جانتے ہیں یہ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں حضرت

میں بھائی عبداللہ صاحب کو جانتا ہوں۔ آپنے فرمایا ہمارا یہ مذہب ہے کہ "قدیمان خود را بیفزائے قدر"۔ یہ آپ سے بھی قدیم ہیں۔ سید فضل شاہ صاحب کہتے تھے کہ اس دن سے مینے سمجھ لیا کہ ہمارا ان سے مقابلہ نہیں یہ ہم سے آگے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جسوقت سید فضلشاہ صاحب نے یہ روایت بیان کی اسوقت میاں عبداللہ صاحب سنوری بھی پاس بیٹھے تھے۔ اور مینے دیکھا کہ ان کی آنکھیں پُرنم تھیں۔

(۸۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب نے ۱۸۸۴ء میں ارادہ فرمایا تھا کہ قادیان سے باہر جاکر کہیں چلہ کشی فرمائیں گے۔ اور ہندوستان کی سیر بھی کرینگے چنانچہ آپنے ارادہ فرمایا کہ سوجان پور ضلع گورداسپور میں جاکر خلوت میں رہیں۔ اور اسکے متعلق حضور نے ایک اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا پوسٹ کارڈ بھی مجھے روانہ فرمایا۔ مینے عرض کیا کہ مجھے بھی اس سفر اور ہندوستان کے سفر میں حضور ساتھ رکھیں۔ حضور نے منظور فرمالیا۔ مگر پھر حضور کو سفر سوجان پور کے متعلق الہام ہوا کہ تمہاری عقدہ کشائی ہوشیار پور میں ہوگی۔ چنانچہ آپنے سوجان پور جانیکا ارادہ ترک کردیا اور ہوشیار پور جانے کا ارادہ کرلیا۔ جب آپ ماہ جنوری ۱۸۸۶ء میں ہوشیار پور جانے لگے تو مجھے خط لکھکر حضور نے قادیان بلالیا۔ اور شیخ مہر علی رئیس ہوشیار پور کو خط لکھا کہ میں دو ماہ کیواسطے ہوشیار پور آنا چاہتا ہوں۔ کسی ایسے مکان کا انتظام کردیں جو شہر کے ایک کنارہ پر ہو اور اس میں بالاخانہ بھی ہو شیخ مہر علی نے اپنا ایک مکان جو طویلہ کے نام سے مشہور تھا خالی کروادیا۔ حضور بہلی میں بیٹھکر دریا بیاس کے راستہ تشریف لے گئے میں اور شیخ حامد علی اور فتح خاں ساتھ تھے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ فتح خاں رسولپور متصل ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور کا رہنے والا تھا اور حضور کا بڑا معتقد تھا مگر بعد میں مولوی محمد حسین بٹالوی کے اثر کے نیچے مرتد ہوگیا۔ حضور جب دریا پر پہنچے تو چونکہ کشتی تک پہنچنے کے رستہ میں کچھ پانی تھا۔ اسلئے ملاح نے حضور کو اٹھاکر کشتی میں بٹھایا جسپر حضور نے اسے ایک روپیہ انعام دیا۔ دریا میں جب کشتی چل رہی تھی۔ حضور نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ میاں عبداللہ کامل کی صحبت اس سفر دریا کی طرح ہے جس میں

پار ہونے کی بھی امید ہے اور غرق ہونے کی بھی [illegible] ہے۔ میں نے حضور کی یہ بات سرسری طور پر سنی مگر جب فتح خان مرتد ہوا تو مجھے حضرت کی یہ بات یاد آئی۔ خیر ہم راستہ میں فتح خان کے گاؤں میں قیام کرتے ہوئے دوسرے دن ہوشیار پور پہنچے۔ وہاں جاتے ہی حضرت صاحب نے طویلہ کے بالاخانہ میں قیام فرمایا اور اس غرض سے کہ ہمارا آپس میں کوئی جھگڑا نہ ہو ہم تینوں کے الگ الگ کام مقرر فرما دیئے۔ چنانچہ میرے سپرد کھانا پکانے کا کام ہوا۔ فتح خان کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ بازار سے سودا وغیرہ لایا کرے۔ شیخ حامد علی کا یہ کام مقرر ہوا کہ گھر کا بالائی کام اور آنے جانے والے کی مہمان نوازی کرے۔ اسکے بعد حضرت مسیح موعود نے بذریعہ دستی اشتہارات اعلان کر دیا کہ چالیس دن تک مجھے کوئی صاحب ملنے نہ آویں۔ اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کے لئے بلائیں۔ ان چالیس دن کے گذرنے کے بعد میں یہاں بیس دن اور ٹھیروں گا۔ ان بیس دنوں میں ملنے والے ملیں۔ دعوت کا ارادہ رکھنے والے دعوت کر سکتے ہیں۔ اور سوال و جواب کرنیوالے سوال جواب کر لیں۔ اور حضرت صاحب نے ہمکو بھی حکم دیدیا کہ ڈیوڑھی کے اندر کی زنجیر ہر وقت لگی رہے اور گھر میں بھی کوئی شخص مجھے نہ بلائے میں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اسی حد تک میری بات کا جواب دے جس حد تک کہ ضروری ہے اور نہ اوپر بالاخانہ میں کوئی میرے پاس آوے۔ میرا کھانا اوپر پہنچا دیا جاوے مگر اس کا انتظار نہ کیا جاوے کہ میں کھانا کھا لوں۔ خالی برتن پھر دوسرے وقت لیجایا کریں۔ نماز میں اوپر الگ پڑھا کروں گا۔ تم نیچے پڑھ لیا کرو۔ جمعہ کے لئے حضرت صاحب نے فرمایا کہ کوئی ویران سی مسجد تلاش کرو۔ جو شہر کے ایک طرف ہو جہاں ہم علیحدگی میں نماز ادا کر سکیں۔ چنانچہ شہر کے باہر ایک باغ تھا اس میں ایک چھوٹی سی ویران مسجد تھی وہاں جمعہ کے دن حضور تشریف لیجایا کرتے تھے اور ہم کو نماز پڑھاتے تھے۔ اور خطبہ بھی خود پڑھتے تھے میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ میں کھانا چھوڑنے اوپر جایا کرتا تھا اور حضور سے کوئی بات نہیں کرتا تھا مگر کبھی حضور مجھ سے خود کوئی بات کرتے تھے تو جواب دیدیتا تھا ایکدفعہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ میاں عبداللہ ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھلے ہیں اور بعض اوقات دیر دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے

اگر ان کو لکھا جاوے تو کئی ورق ہو جاویں۔ چنانچہ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ پسر موعود کے متعلق الہامات بھی اسی پہلہ میں ہوئے تھے۔ اور بعد چلہ کے ہوشیار پور سے ہی آپنے اس پیشگوئی کا اعلان فرمایا تھا (خاکسار عرض کرتا ہے ملاحظہ ہو اشتہار ۲ فروری ۱۸۸۶ء) جب چالیس دن گذر گئے تو پھر آپ حسب اعلان بیس دن اور وہاں ٹھیرے۔ ان دنوں میں کئی لوگوں نے دعوتیں کیں اور کئی لوگ مذہبی تبادلہ خیالات کے لئے آئے اور باہر سے حضور کے پرانے ملنے والے لوگ بھی مہمان آئے۔ انہی دنوں میں مرلی دھر سے آپکا مباحثہ ہوا۔ جو سرمہ چشم آریہ میں درج ہے۔ جب دو مہینے کی مدت پوری ہوگئی تو حضرت صاحب واپس اسی راستہ سے قادیان روانہ ہوئے۔ ہوشیار پور سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک بزرگ کی قبر ہے جہاں کچھ باغیچہ سا لگا ہوا تھا۔ وہاں پہنچکر حضور تھوڑی دیر کے لئے پہلی سے اتر آئے اور فرمایا یہ عمدہ سایہ دار جگہ ہے۔ یہاں تھوڑی دیر ٹھیر جاتے ہیں اسکے بعد حضور قبر کی طرف تشریف لیگئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے ساتھ ہوگیا۔ اور شیخ حامد علی اور فتح خان پہلی کے پاس رہے آپ مقبرہ پر پہنچکر اس کا دروازہ کھول کر اندر گئے اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور تھوڑی دیر تک دعا فرماتے رہے پھر واپس آئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا جب میں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو جس بزرگ کی یہ قبر ہے وہ قبر سے نکلکر دوزانو ہو کر میرے سامنے بیٹھ گئے۔ اور اگر آپ ساتھ نہ ہوتے تو میں ان سے باتیں بھی کرلیتا۔ ان کی آنکھیں موٹی موٹی ہیں۔ اور رنگ سانولا ہے پھر کہا کہ دیکھو اگر یہاں کوئی مجاور ہے تو اس سے انکے حالات پوچھیں۔ چنانچہ حضور نے مجاور سے دریافت کیا۔ اسنے کہا میں نے ان کو خود نہیں دیکھا کیونکہ ان کی وفات کو قریباً ایک سو سال گذر گیا ہے۔ ہاں اپنے باپ یا دادا سے سنا ہے کہ یہ اس علاقہ کے بڑے بزرگ تھے۔ اور اس علاقہ میں ان کا بہت اثر تھا۔ حضور نے پوچھا ان کا حلیہ کیا تھا؟ وہ کہنے لگا کہ سنا ہے سانولہ رنگ تھا۔ اور موٹی موٹی آنکھیں تھیں۔ پھر ہم وہاں سے روانہ ہو کر قادیان پہنچ گئے۔

خاکسار نے میاں عبداللہ صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت صاحب اس خلوت کے زمانہ میں کیا کرتے تھے اور کس طرح عبادت کرتے تھے؟ میاں عبداللہ صاحب نے جواب دیا کہ یہ ہمکو معلوم نہیں

کیونکہ آپ اوپر بالاخانہ میں رہتے تھے۔ اور ہمکو اوپر جانیکا حکم نہیں تھا۔ کھانے وغیرہ کیلئے جب ہم اوپر جاتے تھے تو اجازت لیکر جاتے تھے۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ ایک دن جب میں کھانا رکھنے اوپر گیا تو حضور نے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے بورک من فیہا و من حولہا اور حضور نے تشریح فرمائی کہ من فیہا سے میں مراد ہوں اور من حولہا سے تم لوگ مراد ہو۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ میں تو سارا دن گھر میں رہتا تھا صرف جمعہ کے دن حضور کے ساتھ ہی باہر جاتا تھا۔ اور شیخ حامد علی بھی اکثر گھر میں رہتا تھا۔ لیکن فتح خان اکثر سارا دن ہی باہر رہتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اغلب ہے کہ اس الہام کے وقت بھی وہ باہر ہی ہو۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ فتح خان ان دنوں میں اتنا معتقد تھا کہ ہمارے ساتھ بات کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ حضرت صاحب کو تو میں ہی سمجھتا ہوں اور میں اسکی اسبات پر پرانے معروف عقیدہ کی بنا پر گھبراتا تھا۔ میاں عبداللہ صاحب نے یہ بھی بیان کیا کہ ایک دفعہ میں کھانا چھوڑنے گیا تو حضور نے فرمایا مجھے خدا اسطرح مخاطب کرتا ہے اور مجھ سے اسطرح کی باتیں کرتا ہے کہ اگر میں ان میں سے کچھ تھوڑا سا بھی ظاہر کروں تو یہ جتنے معتقد نظر آتے ہیں سب پھر جاویں۔

(۸۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود بیت الفکر میں (مسجد مبارک کے ساتھ والا حجرہ جو حضرت صاحب کے مکان کا حصہ ہے) لیٹے ہوئے تھے اور میں پاؤں دبا رہا تھا۔ کہ حجرہ کی کھڑکی پر لالہ شرمپت یا شاید لالہ ملاوامل نے دستک دی میں اٹھکر کھڑکی کھولنے لگا مگر حضرت صاحب نے بڑی جلدی اٹھکر تیزی سے جاکر مجھ سے پہلے زنجیر کھولدی اور پھر اپنی جگہ جاکر بیٹھ گئے اور فرمایا آپ ہمارے مہمان ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا چاہیئے۔

(۹۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ بشیر اول کی پیدائش کے وقت میں قادیان میں تھا۔ قریباً آدھی رات کے وقت حضرت مسیح موعود مسجد میں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا میاں عبداللہ اس وقت ہمارے گھر میں درد زہ کی بہت تکلیف ہے۔ آپ یہاں یٰسین پڑھیں اور میں اندر جاکر پڑھتا ہوں اور فرمایا

کہ یٰسین کا پڑھنا بیمار کی تکلیف کو کم کرتا ہے چنانچہ نزع کی حالت میں بھی اسلیئے یٰسین پڑھی جاتی ہے۔ کہ مرنے والے کو تکلیف نہ ہو اور یٰسین کے ختم ہونے سے پہلے تکلیف دُور ہو جاتی ہے اسکے بعد حضور اندر تشریف لیگئے۔ اور میں یٰسین پڑھنے لگ گیا تھوڑی دیر کے بعد جب میں ابھی یٰسین ختم نہیں کی تھی آپ مُسکراتے ہُوئے پھر مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا ہمارے گھر لڑکا پیدا ہُوا ہے اسکے بعد حضرت صاحب اندر تشریف لیگئے۔ اور میں خوشی کے جوش میں مسجد کے اُوپر چڑھکر بلند آواز سے مبارک باد مبارکباد کہنے لگ گیا۔

(۹۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب میری شادی ہُوئی اور میں ایک مہینہ قادیان ٹھیر کر پھر واپس دہلی گئی تو ان ایام میں حضرت مسیح موعود نے مجھے ایک خط لکھا کہ میں نے خواب میں تمہارے تین جوان لڑکے دیکھے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ مجھے دو یاد تھے۔ مگر حضرت صاحب فرماتے تھے کہ نہیں میں نے تین دیکھے تھے۔ اور تین ہی لکھے تھے۔

(۹۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں بھی کیسا اخفا ہوتا ہے پسر موعود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا۔ مگر ہمارے موجودہ سارے لڑکے ہی کسی نہ کسی طرح تین کو چار کرنیوالے ہیں۔ چنانچہ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں۔ کہ میاں (حضرت خلیفۃ المسیح ثانی) کو تو حضرت صاحب نے اس طرح تین کو چار کرنیوالا قرار دیا کہ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد کو بھی شمار کر لیا اور بشیر اول متوفی کو بھی (یعنی خاکسار راقم الحروف کو) اس طرح پر کہ صرف زندہ لڑکے شمار کر لیئے اور بشیر اول متوفی کو چھوڑ دیا۔ شریف احمد کو اس طرح پر قرار دیا کہ اپنی پہلی بیوی کے لڑکے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد چھوڑ دیئے اور میرے سارے لڑکے زندہ اور متوفی شمار کر لئے۔ اور مبارک کو اس طرح پر کہ میرے صرف زندہ لڑکے شمار کر لیئے اور بشیر اول متوفی کو چھوڑ دیا۔

(۹۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی وفات کے قریب بڑی کثرت سے اپنی وفات کے متعلق الہامات اور

خوابیں شروع ہو گئی تھیں۔ جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو وہاں زیادہ کثرت سے ایسے الہام ہونے شروع ہوئے اس وجہ سے اور کچھ ویسے بھی میں نے گھبرا کر ایک دن حضرت صاحب سے کہا کہ چلو اب قادیان واپس چلیں حضرت صاحب نے فرمایا کہ اب تو جب ہمیں خدا لے جائیگا تب ہی جائینگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ بھی حضرت صاحب کی صداقت کی ایک دلیل ہے کہ باوجود اسکے کہ آپ کو اس کثرت سے اپنی وفات کے متعلق الہامات ہوتے تھے۔ اور وفات کے قریب تو کثرت کا یہ حال تھا کہ گویا موت بالکل سر پر کھڑی ہے آپ اپنے کام میں اسی تندہی سے لگے رہے بلکہ زیادہ ذوق و شوق اور محنت سے کام شروع کر دیا چنانچہ جسوقت آپ کی وفات ہوئی ان دنوں میں بھی آپ رسالہ پیغام صلح کی تصنیف میں مصروف تھے۔ اور تقاریر کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا کوئی اور ہوتا تو قرب موت کی خبر سے اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جاتے۔ اور کوئی مفتری ہوتا تو یہ وقت اسکے راز کے طشت از بام ہونے کا وقت تھا۔

(۹۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو عصر کی نماز کے بعد یعنی اپنی وفات سے صرف چند گھنٹے پیشتر حضور نے لاہور میں خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر جہاں نماز ہوا کرتی تھی ایک بڑی پُرجوش تقریر فرمائی جسکی وجہ یہ تھی کہ مولوی ابراہیم سیالکوٹی کی طرف سے ایک شخص مباحثہ کا چیلنج لیکر آپ کے پاس آیا تھا۔ آپنے مباحثہ کی شرائط کے لیئے مولوی محمد احسن صاحب کو مقرر فرمایا اور پھر اس شخص کی موجودگی میں ایک نہایت زبردست تقریر فرمائی۔ اور جس طرح جوش کیوقت آپکا چہرہ سُرخ ہو جایا کرتا تھا۔ اسی طرح اسوقت بھی یہی حال تھا۔ اس تقریر کے بعض فقرے اب تک میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ فرمایا تم عیسےٰ کو مرنے دو۔ کہ اسی میں اسلام کی زندگی ہے۔ نیز فرمایا۔ اب ہم تو اپنا کام ختم کر چکے ہیں۔

(۹۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حاجی عبدالمجید صاحب لُدھیانوی نے کہ ایک دفعہ حضور لُدھیانہ میں تھے۔ میرے مکان میں ایک نیم کا درخت تھا چونکہ برسات کا موسم تھا۔ اسکے پتے بڑے خوشنما طور پر سبز تھے۔ حضور نے مجھے فرمایا۔ حاجی صاحب اس

درخت کے پتوں کیطرف دیکھئے کیسے خوشنما ہیں۔ حاجی صاحب کہتے ہیں کہ میں اس وقت دیکھا کہ آپکی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں +

(۹۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حاجی عبدالمجید صاحب نے کہ ایک دفعہ جب ازالہ اوہام شایع ہوئی ہے۔ حضرت صاحب لُدھیانہ میں باہر چہل قدمی کے لیئے تشریف لے گئے۔ میں اور حافظ حامد علی ساتھ تھے۔ راستہ میں حافظ حامد علی نے مجھ سے کہا کہ آج رات یا کہا ان دنوں میں حضرت صاحب کو الہام ہوا ہے کہ "سلطنت برطانیہ تا ہشت سال۔ بعد ازاں ایام ضعف و اختلال"۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس مجلس میں جس میں حاجی عبدالمجید صاحب نے یہ روایت بیان کی میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ میری خیال میں یہ الہام اس زمانہ سے بھی پُرانا ہے حضرت صاحب نے خود مجھے اور حافظ حامد علی کو یہ الہام سنایا تھا۔ اور مجھے الہام اس طرح پر یاد ہے۔ "سلطنت برطانیہ تا ہفت سال۔ بعد ازاں باشد خلاف و اختلال"۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ دوسرا مصرع تو مجھے پتھر کی لکیر کی طرح یاد ہے کہ یہی تھا۔ اور ہفت کا لفظ بھی یاد ہے۔ جب یہ الہام ہمیں حضرت صاحب نے سنایا تو اسوقت مولوی محمد حسین بٹالوی مخالف نہیں تھا۔ شیخ حامد علی نے اسے بھی جا سنایا۔ پھر جب وہ مخالف ہوا۔ تو اسنے حضرت صاحب کے خلاف گورنمنٹ کو بدظن کرنے کے لئے اپنے رسالہ میں شایع کیا۔ کہ مرزا صاحب نے یہ الہام شایع کیا ہے خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ میاں عبداللہ صاحب اور حاجی عبدالمجید صاحب کی روایت میں جو اختلاف ہے۔ وہ اگر کسی صاحب کے ضعفِ حافظہ پر مبنی نہیں۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الہام حضور کو دو وقتوں میں دو مختلف قرأتوں پر ہوا ہو۔ واللہ اعلم۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس الہام کے مختلف معنی کئے گئے ہیں۔ بعضوں نے تاریخ الہام سے میعاد شمار کی ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کی وفات کے بعد سے اسکی میعاد شمار ہوتی ہے۔ کیونکہ ملکہ کے لیئے حضور نے بہت دعائیں کی تھیں۔ بعض اور معنے کرتے ہیں۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ میرے نزدیک آغاز صدی بیسویں سے اسکی میعاد شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے۔ کہ واقعات اسکی تصدیق کرتے ہیں۔ اور

واقعات کے ظہور کے بعد ہی مَیں نے اسکے یہ معنے سمجھے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میرے نزدیک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت صاحب کی وفات سے اسکی میعاد شمار کی جاوے۔ کیونکہ حضرت صاحب نے اپنی ذات کو گورنمنٹ برطانیہ کے لیئے بطور حرز کے بیان کیا ہے۔ پس حرز کی موجودگی میں میعاد کا شمار کرنا میرے خیال میں درست نہیں۔ اس طرح جنگِ عظیم کی ابتداء اور ہفت یا ہشت سالہ میعاد کا اختتام آپس میں مل جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ گورنمنٹ برطانیہ کے ہم لوگوں پر بڑے احسانات ہیں۔ ہمیں دعا کرنی چاہیئے۔ کہ اللہ تعالےٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھے۔

(نیز اس روایت کی مزید تشریح کے لیئے دیکھو حصہ دوم۔ روایت ۳۱۴) ✕

(۹۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۸۹ء میں لُدھیانہ میں بیعت کا اعلان کیا تو بیعت لینے سے پہلے آپ شیخ مہر علی رئیس ہوشیارپور کے بُلانے پر اسکے لڑکے کی شادی پر ہوشیارپور تشریف لے گئے۔ مَیں اور میر عباس علی اور شیخ حامد علی ساتھ تھے۔ راستہ میں یکہ پر حضور نے ہم کو اپنے اس چلّہ کا حال سُنایا جس میں آپ نے برابر چھ ماہ تک روزے رکھے تھے حضرت صاحب فرماتے تھے کہ میں ایک چھینکا رکھا ہوا تھا۔ کھانے میں اپنے چوبارے سے نیچے لٹکا دیتا تھا۔ تو اس میں میری روٹی رکھدی جاتی تھی۔ پھر مَیں اوپر کھینچ لیتا تھا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ شیخ مہر علی نے یہ انتظام کیا تھا۔ کہ دعوت میں کھانے کے وقت رؤسا کیواسطے الگ کمرہ تھا۔ اور اُن کے ساتھیوں اور خدام کیواسطے الگ تھا مگر حضرت صاحب کا یہ قاعدہ تھا کہ اپنے ساتھ والوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی آپ ہم تینوں کو اپنے داخل ہونے سے پہلے کمرہ میں داخل کرتے تھے اور پھر خود داخل ہوتے تھے۔ اور اپنے دائیں بائیں ہمکو بٹھاتے تھے۔ انہی دِنوں میں ہوشیارپور میں مولوی محمود شاہ چھچھ ہزاروی کا وعظ تھا۔ جو نہایت مشہور اور نامور اور مقبول واعظ تھا۔ حضرت صاحب نے میرے ہاتھ بیعت کا اشتہار دیکر انہیں کہلا بھیجا کہ آپ اپنی لیکچر کیوقت کسی مناسب موقعہ پر میرا یہ اشتہار بیعت پڑھ کر سُنا دیں اور مَیں خود بھی آپکے

لیکچر میں آؤنگا۔ اسنے وعدہ کرلیا۔ چنانچہ حضرت صاحب اسکے وعظ میں تشریف لے گئے۔ لیکن اسنے وعدہ خلافی کی اور حضور کا اشتہار نہ سنایا بلکہ جسوقت لوگ منتشر ہونے لگے۔ اس وقت سنایا۔ مگر اکثر لوگ منتشر ہوگئے تھے۔ حضرت صاحب کو اس پر بہت رنج ہوا فرمایا ہم اسکے وعدہ کے خیال سے ہی اسکے لیکچر میں آئے تھے۔ کہ ہماری تبلیغ ہوگی ورنہ ہمیں کیا ضرورت تھی۔ اسنے وعدہ خلافی کی ہے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ پھر تھوڑے عرصہ کے اندر ہی وہ مولوی چوری کے الزام کے نیچے آکر سخت ذلیل ہوا ۔

(۹۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب حضرت صاحب نے پہلے دن لدھیانہ میں بیعت لی۔ تو اسوقت آپ ایک کمرہ میں بیٹھ گئے تھے اور دروازہ پر شیخ حامد علی کو مقرر کردیا تھا۔ اور شیخ حامد علی کو کہدیا تھا۔ کہ جسے میں کہتا جاؤں اسکو کمرے کے اندر بلاتے جاؤ۔ چنانچہ آپنے پہلے حضرت خلیفہ اول کو بلایا اور انکے بعد میاں علی کو پھر میاں محمد حسین مراد آبادی خوشنویس کو اور چوتھے نمبر پر مجھ کو۔ اور پھر ایک یا دو اور لوگوں کو نام لے کر اندر بلایا۔ پھر اسکے بعد شیخ حامد علی کو کہدیا۔ کہ خود ایک ایک آدمی کو اندر داخل کرتے جاؤ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اوائل میں حضور ایک ایک کو الگ الگ بیعت لیتے تھے۔ لیکن پھر بعد میں اکٹھی لینے لگ گئے اور میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا۔ کہ پہلے دن جب آپ نے بیعت لی تو وہ تاریخ ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء تھی۔ اور اسوقت بیعت کے الفاظ یہ تھے۔ "آج میں احمد کے ہاتھ پر اپنے ان تمام گناہوں اور خراب عادتوں سے توبہ کرتا ہوں جن میں میں مبتلا تھا اور سچے دل اور پکے ارادہ سے عہد کرتا ہوں۔ کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اپنی عمر کے آخری دن تک تمام گناہوں سے بچتا رہونگا اور دین کو دنیا کے آراموں اور نفس کی لذات پر مقدم رکھونگا۔ اور ۱۲ر جنوری کی دس شرطوں پر حتی الوسع کاربند رہونگا۔

اور اب بھی اپنے گذشتہ گناہوں کی خدا تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔ استغفر اللہ ربی استغفر اللہ ربی استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ۔ رب انی ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت " خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر مصافحہ کے طریق پر بیعت کنندگان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے تھے۔ لیکن بعض لوگوں سے آپ نے پنجہ کے اوپر کلائی پر سے بھی ہاتھ پکڑ کر بیعت لی ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اول فرماتے تھے۔ کہ میری بیعت آپ نے اسی طرح لی تھی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ بیعت اولےٰ کے دن مولوی عبدالکریم صاحب بھی وہیں موجود تھے مگر انہوں نے بیعت نہیں کی (مزید تشریح کے لیئے دیکھو حصہ دوم روایت نمبر ۳۱۵ و ۳۱۹)

(۹۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ لدھیانہ میں پہلی دفعہ بیعت لے کر یعنی ابتداء ۱۸۸۹ء میں حضرت صاحب علیگڈھ تشریف لے گئے تھے۔ میں اور میر عباس علی اور شیخ حامد علی ساتھ تھے۔ حضرت صاحب سید تفضل حسین صاحب تحصیلدار کے مکان پر ٹھہرے۔ جو ان دنوں دفتر ضلع میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ وہاں ایک تحصیلدار نے جو سید صاحب کا واقف تھا۔ حضرت صاحب کی دعوت کی اور شہر کے دوسرے معززین کو بھی مدعو کیا حضور تشریف لے گئے۔ اور ہم تینوں کو حسب عادت اپنے دائیں بائیں بٹھایا۔ تحصیلدار صاحب نے کھانے کے لیئے چوکیوں یعنی چھوٹے تخت پوشوں کا انتظام کیا تھا۔ جن پر کھانا رکھا گیا۔ اور لوگ ان کے اردگرد بیٹھ گئے۔ چوکیوں پر کنچ کے گلاسوں میں گلدستے رکھے ہوئے تھے۔ جب کھانا شروع ہوا۔ تو میر عباس علی نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ خاموش بیٹھے رہے۔ حضرت صاحب نے ان سے دریافت کیا۔ میر صاحب آپ کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے کہا

یہ نیچریوں کے طریق کا کھانا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا نہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں یہ خلاف شرع نہیں ہے۔ میر صاحب نے کہا۔ حضرت آپ کھائیں۔ میں تو نہیں کھاتا۔ غرض میر عباس علی نے کھانا نہیں کھایا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ جب عباس علی مرتد ہوا۔ تو مجھے یہ بات یاد آئی۔ کہ وہ تو دراصل اسی وقت سے کٹ چکا تھا۔ نیز میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ علیگڈھ میں لوگوں نے حضرت صاحب سے عرض کر کے حضور کے ایک لیکچر کا انتظام کیا تھا۔ اور حضور نے منظور کر لیا تھا۔ جب اشتہار ہو گیا اور سب تیاری ہو گئی۔ اور لیکچر کا وقت قریب آیا تو حضرت صاحب نے سید تفضل حسین صاحب سے فرمایا۔ کہ مجھے خدا تعالیٰ کیطرف سے الہام ہوا ہے کہ میں لیکچر نہ دوں۔ اس لیئے میں اب لیکچر نہیں دونگا۔ انہوں نے کہا حضور اب تو سب کچھ ہو چکا ہے۔ لوگوں میں بڑی ہتک ہو گی۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ خواہ کچھ ہو ہم خدا کے حکم کے مطابق کریں گے۔ پھر اور لوگوں نے بھی حضرت صاحب سے بڑے اصرار سے عرض کیا۔ مگر حضرت صاحب نے نہ مانا اور فرمایا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ میں خدا کے حکم کو چھوڑ دوں اسکے حکم کے مقابل میں میں کسی ذلت کی پرواہ نہیں کرتا۔ غرض حضرت صاحب نے لیکچر نہیں دیا۔ اور قریباً سات دن وہاں ٹھہر کر واپس لدھیانہ تشریف لے آئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ میاں عبداللہ صاحب نے جب پہلے پہل یہ روایت بیان کی۔ تو یہ بیان کیا۔ کہ یہ سفر حضرت صاحب نے ۱۸۸۴ء میں کیا تھا۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے عرض کیا۔ تو انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا یہ سفر میاں (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی) کی پیدائش بلکہ ابتدائی بیعت کے بعد ہوا تھا۔ جب میں نے والدہ صاحبہ کی یہ روایت میاں عبداللہ صاحب کے پاس بیان کی۔ تو انہوں نے پہلے تو اپنے خیال کی صحت پر اصرار کیا۔ لیکن آخر ان کو یاد آ گیا کہ یہی درست ہے خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ علیگڈھ کے سفر سے حضرت صاحب کا وہ ارادہ پورا ہوا جو حضور نے سفر ہندوستان کے متعلق کیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اسی سفر میں مولوی محمد اسماعیل علیگڈھی نے حضور کی مخالفت کی۔ اور آخر

آپ کے خلاف ایک کتاب لکھی مگر جلد ہی اس جہان سے گزر گیا۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف فتح اسلام کے حاشیہ میں اس سفر کا مکمل ذکر کیا ہے)

(۱۰۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ غالباً یہ ۱۸۸۴ء کی بات ہے کہ ایک دفعہ ماہ جیٹھ یعنی مئی جون میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک میں نماز فجر پڑھ کر اسکے ساتھ والے غسل خانہ میں جو تازہ پلستر ہونے کی وجہ سے ٹھنڈا تھا ایک چارپائی پر جو وہاں بچھی رہتی تھی جا لیٹے۔ چارپائی پر بستر اور تکیہ وغیرہ کوئی نہ تھا۔ حضرت کا سر قبلہ کی طرف اور منہ شمال کی طرف تھا۔ ایک کہنی آپ نے سر کے نیچے بطور تکیہ کے رکھ لی اور دوسری اسی صورت میں سر کے اوپر ڈھانک لی۔ میں پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ وہ رمضان کا مہینہ تھا اور ستائیس تاریخ تھی۔ اور جمعہ کا دن تھا۔ اس لیئے میں دل میں بہت مسرور تھا کہ میرے لیئے ایسے مبارک موقعے جمع ہیں۔ یعنی حضرت صاحب جیسے مبارک انسان کی خدمت کر رہا ہوں۔ وقت فجر کا ہے۔ جو مبارک وقت ہے۔ مہینہ رمضان کا ہے جو مبارک مہینہ ہے۔ تاریخ ستائیس اور جمعہ کا دن ہے اور گذشتہ شب شب قدر تھی۔ کیونکہ میں نے حضرت صاحب سے سنا ہوا تھا کہ جب رمضان کی ستائیس تاریخ اور جمعہ مل جاویں۔ تو وہ رات یقیناً شبقدر ہوتی ہے۔ میں انہی باتوں کا خیال کر کے دل میں مسرور ہو رہا تھا۔ کہ حضرت صاحب کا بدن یکلخت کانپا اور اسکے بعد حضور نے آہستہ سے اپنے اوپر کی کہنی ذرا ہٹا کر میری طرف دیکھا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ حضرت صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اسکے بعد آپ نے پھر اسی طرح اپنی کہنی رکھ لی۔ میں دباتے دباتے حضرت صاحب کی پنڈلی پر آیا۔ تو میں نے دیکھا کہ حضور کے پاؤں پر ٹخنے کے نیچے ایک اٹن یعنی سخت سی جگہ تھی۔ اسپر سرخی کا ایک قطرہ پڑا تھا۔ جو ابھی تازہ گرے ہونے کی وجہ سے بستہ تھا۔ میں نے اسے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی لگا کر دیکھا کہ کیا ہے۔ اسپر وہ قطرہ ٹخنے پر بھی پھیل گیا اور میری انگلی پر بھی لگ گیا۔ پھر میں نے

اسے سونگھا کہ شاید اسمیں کچھ خوشبو ہو مگر خوشبو نہیں تھی۔ میں نے اسے اسلیئے سونگھا تھا۔ کہ اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا تھا۔ کہ یہ کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے بات ہی اسلیئے اس میں کوئی خوشبو ہوگی۔ پھر میں دباتا دباتا پسلیوں کے پاس پہنچا وہاں میں نے اسی سرخی کا ایک اور بڑا قطرہ کرتہ پر دیکھا۔ اسکو بھی میں نے ٹٹولا۔ تو وہ بھی گیلا تھا۔ اسوقت پھر مجھے حیرانی سی ہوئی۔ کہ یہ سرخی کہاں سے آگئی ہے پھر میں چارپائی سے آہستہ سے اٹھا کہ حضرت صاحب جاگ نہ اٹھیں۔ اور پھر اس کا نشان تلاش کرنا چاہا کہ یہ سرخی کہاں سے گری ہے۔ بہت چھوٹا سا حجرہ تھا۔ چھت میں ارد گرد میں نے اسکی خوب تلاش کی۔ مگر خارج میں مجھے اس کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ کہ کہاں سے گری ہے۔ مجھے یہ بھی خیال آیا کہ کہیں چھت پر کسی چھپکلی کی دم کٹی ہو تو اس کا خون گرا ہو اسلیئے میں نے غور کیساتھ چھت پر بھی نظر ڈالی۔ مگر اس کا کوئی نشان نہیں پایا۔ پھر آخر میں تھک کر بیٹھ گیا۔ اور بدستور دبانے لگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور پھر حجرہ میں سے نکل کر مسجد میں جا کر بیٹھ گئے۔ میں وہاں پیچھے بیٹھ کر آپ کے مونڈھے دبانے لگ گیا۔ اسوقت میں نے عرض کیا۔ کہ حضور یہ آپ پر سرخی کہاں سے گری ہے؟ حضور نے بہت بے توجہی سے فرمایا کہ آموں کا رس ہوگا اور مجھے ٹال دیا۔ میں نے دوبارہ عرض کیا۔ کہ حضور یہ آموں کا رس نہیں۔ یہ تو سرخی ہے۔ اسپر آپ نے سر مبارک کو تھوڑی سی حرکت دیکر فرمایا "کتھے ہے"؟ یعنی کہاں ہے؟ میں نے کرتہ پر وہ نشان دکھا کر کہا کہ یہ ہے اسپر حضور نے کرتے کو سامنے کی طرف کھینچکر اور اپنے سر کو ادھر پھیر کر اس قطرہ کو دیکھا۔ پھر اسکے متعلق مجھے کچھ نہیں فرمایا۔ بلکہ رویت باری اور امور کشوف کے خارج میں وجود پانے کے متعلق پہلے بزرگوں کے دو ایک واقعات مجھے سنائے اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی ہستی وراء الوراء ہے اس کو یہ آنکھیں دنیا میں نہیں دیکھ سکتیں البتہ اسکے بعض صفات جمالی یا جلالی متمثل ہو کر بزرگوں کو دکھائی دے جاتے ہیں شاہ عبدالقادر صاحب

لکھتے ہیں۔ کہ مجھے کئی دفعہ خدا تعالےٰ کی زیارت اپنے والد کی شکل میں ہوئی ہے۔
نیز شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ مجھے اللہ تعالےٰ کی زیارت ہوئی اور
خدا تعالےٰ نے مجھے ایک ہلدی کی گٹھی دی۔ کہ یہ میری معرفت ہے اسے سنبھال
کر رکھنا۔ جب وہ بیدار ہوئے۔ تو ہلدی کی گٹھی ان کی مٹھی میں موجود تھی اور ایک
بزرگ جن کا حضور نے نام نہیں بتایا تہجد کے وقت اپنے حجرہ کے اندر بیٹھے
مصلیٰ پر کچھ پڑھ رہے تھے کہ انہوں نے کشف میں دیکھا کہ کوئی شخص باہر سے آیا
ہے اور ان کے نیچے کا مصلّٰے نکال کر لے گیا ہے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو دیکھا
کہ فی الواقع مصلّٰے ان کے نیچے نہیں تھا۔ جب دن نکلنے پر حجرہ سے باہر نکلے تو
کیا دیکھتے ہیں۔ کہ مصلّٰی صحن میں پڑا ہے۔ یہ واقعات سنا کر حضرت صاحب نے فرمایا
کہ یہ کشف کی باتیں تھیں۔ مگر خدا تعالےٰ نے ان بزرگوں کی کرامت ظاہر کرنے
کے لیئے خارج میں بھی ان کا وجود ظاہر کر دیا۔ اب ہمارا قصہ سنو۔ جسوقت تم حجرہ
میں ہمارے پاؤں دبا رہے تھے۔ میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک نہایت وسیع اور
مصفّٰے مکان ہے اس میں ایک پلنگ بچھا ہوا ہے۔ اور اس پر ایک شخص حاکم
کی صورت میں بیٹھا ہے۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ احکم الحاکمین یعنی رب العٰلمین
ہیں اور میں اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہوں۔ جیسے حاکم کا کوئی سررشتہ دار ہوتا ہے میں نے
کچھ احکام قضا و قدر کے متعلق لکھے ہیں اور ان پر دستخط کرانے کی غرض سے
ان کے پاس لے چلا ہوں۔ جب میں پاس گیا۔ تو انہوں نے مجھے نہایت شفقت سے
اپنے پاس پلنگ پر بٹھا لیا۔ اسوقت میری ایسی حالت ہوگئی۔ کہ جیسے ایک بیٹا اپنے
باپ سے بچھڑا ہوا سالہا سال کے بعد ملتا ہے۔ اور قدرتاً اس کا دل بھر آتا ہے
یا شاید فرمایا اسکو رقت آجاتی ہے اور میرے دل میں اسوقت یہ بھی خیال آیا
کہ یہ احکم الحاکمین یا فرمایا رب العٰلمین ہیں اور کس محبت اور شفقت سے انہوں نے
مجھے اپنے پاس بٹھا لیا ہے اسکے بعد میں نے وہ احکام جو لکھے تھے۔ دستخط کرانے
کی غرض سے پیش کیئے۔ انہوں نے قلم سرخی کی دوات میں جو پاس پڑی تھی

ڈبویا اور میری طرف جھاڑ کر دستخط کر دیئے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے قلم کے جھاڑنے اور دستخط کرنے کی حرکتوں کو خود اپنی ہاتھ کی حرکت سے بتایا تھا۔ کہ یوں کیا تھا۔ پھر حضرت صاحب نے فرمایا یہ وہ سرخی ہے جو اس قلم سے نکلی ہے۔ پھر فرمایا دیکھو کوئی قطرہ تمہارے اوپر بھی گرا ہے میں نے اپنے کرتے کو ادھر اُدھر سے دیکھ کر عرض کیا۔ کہ حضور میرے پر تو کوئی نہیں گرا۔ فرمایا کہ تم اپنی ٹوپی پر دیکھو۔ ان دنوں میں ململ کی سفید ٹوپی میرے سر پر ہوتی تھی۔ میں نے وہ ٹوپی اُتار کر دیکھی۔ تو ایک قطرہ اس پر بھی تھا مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں نے عرض کیا۔ حضور میری ٹوپی پر بھی ایک قطرہ ہے میرے [illegible] کو تبرکاً لے لینا چاہیئے۔ پہلے میں نے اس سیاہی سے [illegible] نکالنا کریں۔ حضور سے مسئلہ پوچھا کہ حضور کسی [illegible] کا کوئی ہرف [illegible] کیلئے رکھنا جائز ہے؟ فرمایا ہاں جائز ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات صحابہ نے رکھے تھے۔ پھر میں نے عرض کیا۔ کہ حضور خدا کے واسطے میرا ایک سوال ہے۔ فرمایا کہو کیا ہے؟ عرض کیا کہ حضور یہ کرتہ تبرکاً مجھے دے دیں۔ فرمایا نہیں یہ تو ہم نہیں دیتے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور نے ابھی تو فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات صحابہ نے رکھے۔ اس پر فرمایا کہ یہ کرتہ میں اس واسطے نہیں دیتا۔ کہ میرے اور تیرے مرنے کے بعد اس سے شرک پھیلیگا۔ اس کی لوگ پوجا کرینگے۔ اس کو لوگ زیارت بنا لینگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات سے شرک نہ پھیلا۔ فرمایا میاں عبداللہ دراصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات جن صحابہ کے پاس تھے۔ وہ مرتے ہوئے وصیتیں کر گئے کہ ان تبرکات کو ہمارے کفن کے ساتھ دفن کر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جو تبرک جس صحابہ کے پاس تھا۔ وہ ان کے کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں بھی مرتا ہوا وصیت کر جاؤنگا کہ یہ کرتہ میرے کفن کے ساتھ دفن کر دیا

جاوے فرمایا ہاں اگر یہ عہد کرتے ہو تو لے لو۔ چونکہ وہ جمعہ کا دن تھا تھوڑی دیر کے بعد حضور نے غسل کر کے کپڑے بدلے اور میں نے یہ کرتہ سنبھال لیا۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ ابھی آپ نے یہ کرتہ پہنا ہی ہوا تھا۔ کہ دو تین مہمان جو ارد گرد سے آئے ہوئے تھے۔ ان سے میں نے اس نشان کا ذکر کیا۔ وہ پھر حضرت صاحب کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میاں عبداللہ نے ہم سے ایسا بیان کیا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ حضور یہ کرتہ ہم کو دیدیں۔ ہم سب تقسیم کر لینگے۔ کیونکہ ہم سب کا اس میں حق ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ہاں لے لینا۔ اور ان سے کوئی شرط اور عہد وغیرہ نہیں لیا۔ مجھے اسوقت بہت فکر ہوا کہ یہ نشان میرے ہاتھ سے گیا۔ اور میرے دل میں بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی اسلیئے میں نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور اس کرتہ پر آپ کا کوئی اختیار نہیں۔ کیونکہ یہ میری ملک ہو چکا ہے میرا اختیار ہے میں ان کو دوں یا نہ دوں۔ کیونکہ میں حضور سے اس کو لے چکا ہوں۔ اسوقت حضور نے مسکرا کر فرمایا کہ ہاں یہ تو میاں عبداللہ ہم سے لے چکے ہیں اب ان کا اختیار ہے یہ تمہیں دیں یا نہ دیں۔ پھر انہوں نے مجھ سے بڑے اصرار سے مانگا۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔ میاں عبداللہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ آج تک اس کرتہ پر سُرخی کے ویسے ہی داغ موجود ہیں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اور اس کرتہ کے کپڑے کو پنجابی میں نینو کہتے ہیں۔ یہ کرتہ حضور نے سات دن سے پہنا ہوا تھا۔ میں یہ کرتہ پہلے لوگوں کو نہیں دکھایا کرتا تھا کیونکہ حضور کے یہ الفاظ کہ یہ کرتہ زیارت نہ بنا لیا جاوے۔ مجھے یاد رہتے تھے۔ لیکن لوگ بہت خواہش کیا کرتے تھے۔ اور لوگ اسکے دیکھنے کے لیئے مجھے بہت تنگ کرنے لگے۔ میں نے حضرت خلیفہ ثانی سے اس کا ذکر کیا کہ مجھے حضرت صاحب کے الفاظ کی وجہ سے اس کرتہ کے دکھانے سے کراہت آتی ہے مگر لوگ تنگ کرتے ہیں کیا کیا جاوے؟ حضرت میاں صاحب نے فرمایا اسے بہت دکھایا کرو اور کثرت کے ساتھ دکھاؤ تاکہ اسکی

رویت کے گواہ بہت پیدا ہو جاویں۔ اور ہر شخص ہماری جماعت میں سے یہ کہے کہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ مینے بھی دیکھا ہے مینے بھی دیکھا ہے۔ یا شاید مینے کی جگہ ہمنے کے الفاظ کہے۔ اسکے بعد میں دکھانے لگ گیا۔ مگر اب بھی صرف اُسکو دکھاتا ہوں جو خواہش کرتا ہے اور از خود دکھانے سے مجھے کراہت ہے۔ کیونکہ حضرت صاحب کے الفاظ میرے دل پر نقش ہیں۔ اور ہر سفر میں میں اسے پاس رکھتا ہوں۔ اس خیال سے کہ کچھ معلوم نہیں کہ کہاں جان نکل جاوے۔ فاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے یہ کُرتہ دیکھا ہے۔ سُرخی کا رنگ ہلکا ہے۔ یعنی گلابی سا ہے اور مجھے میاں عبداللہ صاحب سے معلوم ہوا ہے کہ رنگ ابتدا سے ہی ایسا چلا آیا ہے۔ (نیز دیکھو روایت ۴۳۶)

(۱۰۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب میں ۱۸۸۲ء میں پہلے پہل قادیان آیا۔ تو اس وقت میری عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔ اور میری ایک شادی ہو چکی تھی۔ اور دُوسری کا خیال تھا۔ جسکے متعلق مینے بعض خوابیں بھی دیکھی تھیں۔ مینے ایک دن حضرت صاحب کے ساتھ ذکر کیا۔ کہ مجھے ایسی ایسی خوابیں آئی ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا یہ تمہاری دوسری شادی کے متعلق ہیں۔ اور فرمایا مجھے بھی اپنی دُوسری شادی کے متعلق الہام ہوئے ہیں۔ دیکھئے تمہاری شادی پہلے ہوتی ہے کہ ہماری۔ مینے ادب کے طور پر عرض کیا کہ حضور ہی کی پہلے ہو گی۔ پھر اسکے بعد مجھے اپنے ایک رشتہ کے ماموں محمد اسماعیل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کا خیال ہو گیا چنانچہ میں نے قادیان آکر حضرت صاحب کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ اس سے پہلے میر پسالہ اسماعیل مذکور بھی ایکدفعہ قادیان ہو گیا تھا حضور نے مجھ سے فرمایا تمنے اسوقت کیوں نہ مجھ سے ذکر کیا۔ جب اسماعیل یہاں آیا تھا ہم اسے یہیں تحریک کرتے۔ پھر آپ نے میرے ماموں محمد یوسف صاحب مرحوم کو جو حضرت صاحب کے بڑے معتقد تھے اور جن کے ذریعہ مجھے حضرت صاحب کی طرف رہنمائی ہوئی تھی خط لکھا اور اس میں اسماعیل کے نام بھی ایک خط ڈالا اور لکھا کہ اسماعیل کے نام کا خط اسکے پاس لے جائیں اور اسے تحریک کریں اور اس خط میں میرے والد اور دادا اور [illegible] طرف بھی حضور نے خطوط ڈالکر بھیجے

اور ان سب خطوط کو اہم بنانے کے لیئے ان پر الیس اللہ بکاف عبدہٗ والی مہر لگائی اور میرے والد اور دادا اور خسر کے خط میں لکھا کہ میاں عبداللہ دینی غرض سے دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو نہ روکیں اور ان پر راضی رہیں۔ میاں عبداسد صاحب کہتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب نے ایسا اسلیئے لکھا تھا کہ میں نے حضور کو کہا تھا کہ میں نے اپنے والد اور دادا سے اس امر کے متعلق کھل کر ذکر نہیں کیا مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں اس میں روک نہ ہوں کیونکہ اس زمانہ میں نکاح ثانی کو بُرا سمجھا جاتا تھا۔ حضرت صاحب نے ادھر یہ خطوط لکھے اور ادھر میرے واسطے دعا شروع فرمائی۔ ابھی میرے ماموں محمد یوسف صاحب کا جواب نہیں آیا تھا اور حضرت صاحب میری تحریک پر اس امر کے واسطے دعا میں مصروف تھے۔ کہ عین دعا کرتے کرتے حضرت صاحب کو الہام ہوا "ناکامی" پھر دعا کی تو الہام ہوا "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" پھر اسکے بعد ایک اور الہام ہوا "وصبر جمیل" حضرت صاحب نے مجھے یہ الہام بتا دیئے۔ اِن دِنوں میں میر عباس علی بھی یہاں آئے ہوئے تھے۔ ان کے حضرت صاحب نے ان الہامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ معلوم نہیں میاں عبداسد صاحب کا ہمارے ساتھ کیسا تعلق ہے۔ کہ ادھر دعا کرتا ہوں اور ادھر اللہ تعالیٰ کیطرف سے جواب ملجاتا ہے۔ چند دِنوں کے بعد میاں محمد یوسف صاحب کا جواب آگیا کہ میاں عبداسد کے والد اور دادا اور خسر تو راضی ہو گئے ہیں۔ مگر اسماعیل انکار کرتا ہے اسپر حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ اب ہم اسماعیل کو خود کہینگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناکامی کا الہام ہوا ہے۔ ادھر اسماعیل انکاری ہے۔ اب اس معاملہ میں کیا کامیابی کیصورت ہو سکتی ہے؟ فرمایا نہیں قرآن شریف میں ہے کل یوم ھو فی شان۔ یعنی ہر دن اللہ تعالیٰ الگ شان میں ہوتا ہے۔ پس کوشش نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے الہامات کا یہ منشا ہو کہ جس طریق پر کوشش کی گئی ہے۔ اس میں ناکامی ہے۔ اور کسی اور طریق پر کامیابی مقدر ہو چنانچہ اسکے بعد بدستور میرا اسکی طرف خیال رہا اور میں حضور سے دعائیں بھی کراتا رہا

اسماعیل ان دنوں میں سرہند کے پاس پٹواری تھا اور سرہند میں حشمت علی خان صاحب تحصیلدار تھے۔ جو ڈاکٹر عبدالحکیم خان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ انہوں نے حضرت صاحب سے وعدہ لیا ہوا تھا کہ کبھی حضور سرہند تشریف لے چلینگے۔ چنانچہ جب آپ انبالہ جانے لگے، تو مجھے کہا۔ کہ حشمت علی خان صاحب کو لکھدو کہ ہم انبالہ جاتے ہوئے سرہند آئینگے۔ اور مجھے حضرت صاحب نے فرمایا کہ سرہند میں مجدد صاحب کے روضہ پر بھی ہو آئینگے۔ اور اسماعیل سے بھی تمہارے متعلق بات کرنے کا موقعہ مل جائیگا۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور تحصیل میں حشمت علی خان صاحب کے پاس ٹھہرے۔ رات کو جب نماز اور کھانے سے فراغت ہو چکی۔ تو حضور چارپائی پر لیٹ گئے اور حشمت علی خان صاحب سے فرمایا۔ تحصیلدار صاحب اب آپ آرام کریں۔ ہم نے میاں اسماعیل سے کچھ علیحدگی میں بات کرنی ہے۔ اس پر وہ اور انکے ساتھی اٹھ گئے اور میں بھی اٹھ آیا۔ اسوقت اسماعیل حضرت صاحب کے پاؤں دبا رہا تھا۔ پھر حضرت صاحب نے اسماعیل کو میرے متعلق کہا۔ مگر اسنے انکار کیا اور کئی عذر کر دیئے۔ کہ دو بیویوں میں جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ عبداللہ کی تنخواہ بہت قلیل ہے (اسوقت میری تنخواہ ساڑھے چار روپیہ ماہوار تھی) گذارہ کس طرح ہوگا اور میاں عبداللہ کے خسر میرے قریبی ہیں۔ ان کو ملال ہوگا وغیرہ۔ حضرت صاحب نے فرمایا ان سب باتوں کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ مگر اسنے پھر بھی نہیں مانا اور عذر کیا کہ میری بیوی نہیں مانیگی۔ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ میں نے خدا اور اسکے رسول کا حکم پیش کیا اور اپنی طرف سے بھی کہا مگر اسنے انکار کیا گویا اس کا خدا اس کا رسول اور اس کا پیر سب اسکی بیوی ہے۔ کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میں تو جو وہ کہیگی وہی کرونگا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ابھی میں نے اسماعیل سے بات شروع نہیں کی تھی۔ کہ مجھے کشف ہوا تھا۔ کہ اسنے میرے دائیں ہاتھ پر دست پھیر دیا ہے۔ نیز میں نے کشف میں دیکھا تھا کہ اسکی شہادت کی انگلی کٹی ہوئی ہے۔ اسپر میں سمجھ گیا تھا۔ کہ یہ اس معاملہ میں مجھے

نہایت گندے جواب دیگا۔ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ اس کا جواب سُنکر مجھے اس سے ایسی نفرت ہُوئی۔ کہ دل چاہتا تھا کہ یہ ابھی اُٹھ جاوے اور پھر کبھی تا زیست میرے سامنے نہ آوے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں اسکے بعد اسماعیل نے اپنی لڑکی کی دُوسری جگہ شادی کردی۔ جس پر مجھ کو سخت صدمہ پہنچا میری اس حالت کی میرے والد صاحب نے حضرت صاحب کو بذریعہ خط اطلاع دی تو آپ نے مجھے خط لکھا کہ تم کچھ عرصہ کے واسطے تبدیل خیالات کے لیئے یہاں میرے پاس آجاؤ۔ مگر اس شادی کے بعد اسماعیل پر بڑی مصیبت آئی اسکے دو جوان لڑکے اور بیوی فوت ہو گئے۔ پھر جب میری دوسری شادی ماسٹر قادر بخش صاحب کی ہمشیرہ کیساتھ ہُوئی تو اسمٰعیل بہت پچتایا اور اُسنے مجھے کہا کہ حضرت سے مجھے معافی لے دو۔ مَیں نے حضرت صاحب کو لکھا۔ حضور نے اسکی بیعت قبول فرمالی۔ مگر اسکے بعد بھی اسمٰعیل کو حضرت صاحب کی ملاقات نصیب نہیں ہُوئی۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ میرے متعلق جو حضرت صاحب نے اپنے نشانات کے ذکر میں لکھا ہے کہ مجھے دکھایا گیا تھا کہ میاں عبداللہ کو ایک معاملہ میں ناکامی ہوگی سو ایسا ہی ہوا وہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضور نے اپنی تصنیف **حقیقۃ الوحی** نشان نمبر ۵۵ میں میاں عبداللہ صاحب کی اس ناکامی کیطرف اشارہ کیا ہے میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب میرے ماموں اسماعیل کی لڑکی کا نکاح دُوسری جگہ ہوگیا تو مَیں نے ایک اَور جگہ تجویز کی۔ اور سب باتوں کا تصفیہ کرکے حضرت صاحب کو خط لکھا۔ کہ مَیں نے ایک جگہ شادی کی تجویز کرلی ہے اور سب باتوں کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور تاریخ نکاح بھی مقرر ہو چکی ہے اب حضور سے تبرکاً مشورہ پوچھتا ہوں۔ حضرت صاحب نے جواب دیا۔ کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اور تاکید فرمائی کہ ضرور پہلے لڑکی کو دیکھ لو۔ خط ختم کرنے کے بعد پھر لکھا کہ میری اس بات کو خوب یاد رکھنا۔ چنانچہ مَیں ارشاد کے

مطابق لڑکی کو دیکھنے کے لیئے اسکے گاؤں گیا۔ تو دیکھتے ہی میرے دل میں اتنی کراہت پیدا ہوئی۔ کہ قریب تھا کہ قے ہوجاتی حالانکہ لڑکی شکل کی خراب نہیں تھی۔ اس کے بعد لُدھیانہ کی ایک معلمہ کے ساتھ تجویز ہوئی۔ مگر حضرت صاحب نے اسے بھی پسند نہیں فرمایا اسکے بعد میں نے ماسٹر قادر بخش صاحب کی ہمشیرہ کا ذکر کیا تو فرمایا یہ بہت اچھا موقعہ ہے یہاں کرلو۔ چنانچہ حضور نے میری گذارش پر خود ماسٹر قادر بخش صاحب سے میری متعلق کہا انہوں نے بلا عذر قبول کرلیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے۔ کہ میری صرف ساڑھے چار روپے تنخواہ ہے اور بیوی بچے بھی ہیں۔ قبول کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ حضور میرا باپ بڑا مخالف ہے۔ مگر وہ بغیر میری مرضی کے کچھ نہیں کرسکتا۔ پس یا تو میں اُسے راضی کرلونگا۔ اور یا جب وہ مرجائیگا۔ تو شادی کردونگا۔ حضرت صاحب بہت خوش ہوئے اور پھر مجھے باغ کیطرف لے گئے اور راستہ میں مجھے ان کا جواب سُنایا اور باپ کے مرنے کے الفاظ سُنا کر ہنسے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ اسکے بعد ماسٹر قادر بخش صاحب کو اپنے باپ کیطرف سے بہت تکلیفیں دیکھنی پڑیں۔ مگر انہوں نے اپنی ہمشیرہ کی شادی دوسری جگہ نہیں ہونے دی اور آخر میرے ساتھ اپنی بہن کی خفیہ شادی کردی۔ نکاح کے وقت میں نے ان کو کہا کہ جو تحریر یا شرائط وغیرہ مجھ سے لکھانی ہوں لکھا لو انہوں نے کہا شرائط کیسی میری تحریر اور میری شرائط سب حضرت صاحب ہیں۔ پھر مہر کے متعلق میں نے پُوچھا تو انہوں نے کہا کہ سوا بتیس روپے مہر ہوگا۔ میں نے کہا نہیں بلکہ ایک سو روپیہ ہونا چاہیئے۔ مگر انہوں نے اپنی رائے پر اصرار کیا۔ اسپر میں نے ان کو کہا کہ مجھے خواب آیا تھا۔ کہ میرا دوسرا نکاح ہوا ہے اور مہر ایک سو روپیہ رکھا گیا ہے اسپر انہوں نے مان لیا۔ پھر رخصتانہ بھی خفیہ ہوا۔ لیکن آخر ماسٹر قادر بخش صاحب کا والد بھی راضی ہوگیا۔ نیز میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ جب حضرت صاحب سرہند تشریف لے گئے تھے۔ تو اسی سفر میں تھوڑی دیر کے لیئے سنور بھی گئی تھی۔

(۱۰۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت خلیفہ اول بیان کیا کرتے تھے۔ کہ جب میں پہلی دفعہ قادیان آیا۔ تو یہاں چھوٹی مسجد کے پاس جو چوک ہے

اس میں یکہ پر سے اُترا۔ اور پھر میں نے یکہ والے سے یا شاید فرمایا کسی سے پوچھا کہ مرزا صاحب کہاں ہیں؟ اس وقت مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین اپنے صحن میں چارپائیوں پر مجلس لگائے بیٹھے تھے اسنے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ کہ وہ ہیں۔ میں نے ادھر دیکھا۔ تو میرا دل بیٹھ گیا۔ اور میں نے یکہ والے سے کہا ابھی نہ جاؤ۔ ذرا ٹھہر جاؤ شاید مجھے ابھی واپس جانا پڑے۔ پھر میں آگے بڑھ کر اس مجلس میں گیا۔ لیکن میرے دل پر ایسا اثر تھا کہ میں جاکر بغیر سلام کئے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ مرزا امام الدین یا شاید فرمایا مرزا نظام الدین نے میرا نام پوچھا۔ میں نے بتایا۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ شاید مرزا صاحب کو ملنے آئے ہیں۔ وہ وہی صاحب فرماتے تھے کہ تب میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہاں کوئی اور مرزا بھی ہے۔ پھر میرے ساتھ انہوں نے ایک آدمی کر دیا۔ جو مجھے چھوٹی مسجد میں چھوڑ گیا۔ اس وقت حضرت صاحب مکان کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ آپ کو اطلاع کرائی گئی تو فرمایا۔ میں ظہر کی نماز کے وقت باہر آؤنگا۔ پھر حضور تشریف لائے تو میں ملا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب براہین احمدیہ کے زمانہ میں یہاں آئے تھے اور مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے تھے کہ حضرت صاحب نے کہیں لکھا ہے کہ میں دعا کیا کرتا تھا۔ کہ خدا مجھے موسیٰ کی طرح ہارون عطا کرے پھر جب مولوی صاحب آئے تو میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ھٰذا دعائی۔ (خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود نے آئینہ کمالاتِ اسلام میں اپنی اس دعا کا ذکر کیا ہے مگر حضرت موسیٰ اور ہارون کی مثال اس جگہ نہیں دی اور عجیب بات ہے۔ کہ جیسا کہ حضرت مولوی صاحب کی تحریر مندرجہ کرامات الصادقین میں درج ہے۔ حضرت مولوی صاحب کو بھی اپنی طرف کسی ایسے مرد کامل کی تلاش تھی۔ جو اس پُرآشوب زمانہ کے فتنوں کا مقابلہ کرسکے اور اسلام کو دوسرے مذاہب پر غالب کرکے دکھا سکے)

(۱۰۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا کرتے تھے حضرت خلیفہ اول کہ جب میں جموں کی ملازمت سے فارغ ہوکر بھیرہ آیا تو میں نے بھیرہ میں ایک بڑا مکان تعمیر کرانا شروع کیا اور اسکے واسطے کچھ سامانِ عمارت خریدنے کے لیئے لاہور آیا۔ لاہور آکر مجھے خیال

آیا کہ چلو قادیان بھی ایک دن ہوتے آویں۔ خیر میں یہاں آیا۔ حضرت صاحب سے ملا تو حضور نے فرمایا مولوی صاحب اب تو آپ ملازمت سے فارغ ہیں۔ اُمید ہے کچھ دن یہاں ٹھیریں گے۔ میں نے عرض کیا ہاں حضور ٹھیرونگا۔ پھر چند دن کے بعد فرمانے لگے۔ مولوی صاحب آپ کو اکیلے تکلیف ہوتی ہوگی۔ اپنے گھر والوں کو بھی یہاں بُلالیں یعنے گھر والوں کو بھیرہ خط لکھدیا کہ عمارت بند کرادو اور یہاں چلے آؤ۔ پھر ایک موقعہ پر حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب اب آپ اپنے پچھلے وطن بھیرہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے۔ کہ میں دل میں بہت ڈرا کہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ میں وہاں کبھی نہ جاؤں۔ مگر یہ کس طرح ہوگا۔ کہ میرے دل میں بھی بھیرہ کا خیال نہ آوے۔ مگر مولوی صاحب فرماتے تھے کہ خدا کا ایسا فضل ہوا کہ آجتک میرے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ بھیرہ بھی میرا وطن ہوتا تھا (خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب بھیرہ میں ملازمت سے ۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۲ء میں فارغ ہوئے تھے۔ ۱۸۹۲ء یا ۱۸۹۳ء میں قادیان آگئے تھے)

(۱۰۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہماری جتنی عربی تحریریں ہیں یہ سب ایک رنگ کی الہام ہی ہیں۔ کیونکہ سب خدا کی خاص تائید سے لکھی گئی ہیں۔ فرماتے تھے۔ بعض اوقات میں کئی الفاظ اور فقرے لکھ جاتا ہوں۔ مگر مجھے انکے معنے نہیں آتے۔ پھر لکھنے کے بعد لغت دیکھتا ہوں۔ تو پتہ لگتا ہے۔ نیز مولوی صاحب موصوف بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب عربی کتابوں کی کاپیاں اور پروف حضرت خلیفہ اول اور مولوی محمد احسن صاحب کے پاس بھی بھیجا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کسی جگہ اصلاح ہوسکے تو کردیں۔ حضرت خلیفہ اول تو پڑھ کر اسی طرح واپس فرمادیتے تھے لیکن مولوی محمد احسن صاحب بڑی محنت کرکے اس میں بعض جگہ اصلاح کے طریق پر لفظ بدل دیتے تھے۔ مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود نے ایک وقت فرمایا کہ مولوی محمد احسن صاحب اپنی طرف سے تو اصلاح کرتے ہیں۔

.....

..... مگر میں دیکھتا ہوں کہ میرا لکھا ہوا لفظ زیادہ برمحل اور فصیح ہوتا ہے اور مولوی صاحب کا لفظ کمزور ہوتا ہے۔ لیکن میں کہیں کہیں ان کا لکھا ہوا لفظ بھی رہنے دیتا ہوں تا ان کی دل شکنی نہ ہو کہ ان کے لکھے ہوئے سب الفاظ کاٹ دیئے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کا قاعدہ تھا کہ عربی کتب کی کاپیاں اور پروف سلسلہ کے علماء کے پاس یہ کہکر بھجوا دیتے تھے۔ کہ دیکھو کوئی اصلاح ہو سکے تو کر دو اور اس کارروائی سے ایک مطلب آپ کا یہ بھی ہوتا تھا۔ کہ یہ لوگ اس طریق سے حضور کی تصانیف پڑھ لیں اور حضور کی تعلیم اور سلسلہ سے واقف رہیں یہ خاکسار کا اپنا خیال ہے۔ کسی روایت پر مبنی نہیں ہے۔

(۱۰۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود نے جن دنوں میں ایا ارض مدقد دفاك مدمر والا قصیدہ اعجاز احمدی میں لکھا تو اسے دوبارہ پڑھنے پر باہر آکر حضرت خلیفہ اول سے دریافت فرمانے لگے۔ کہ مولوی صاحب کیا آیا بھی ندا کے لیئے آتا ہے؟ عرض کیا گیا ہاں حضور بہت مشہور ہے فرمایا شعر میں لکھا گیا ہے۔ ہمیں خیال نہیں تھا نیز حافظ صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ کئی دفعہ حضور فرماتے تھے۔ کہ بعض الفاظ خود بخود ہمارے قلم سے لکھے جاتے ہیں۔ اور ہمیں ان کے معنی معلوم نہیں ہوتے حافظ صاحب کہتے ہیں۔ کہ کئی دفعہ حضرت سے ایسا محاورہ لکھا جاتا تھا کہ جس کا عام لغت میں بھی استعمال نہ ملتا تھا۔ لیکن پھر بہت تلاش سے پتہ چل جاتا تھا۔

(۱۰۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی ذوالفقار علیخانصاحب نے کہ جب کرم دین کے مقدمہ کے لیئے حضرت صاحب گورداسپور میں تھے تو وہاں آپ کے پاس الہ آباد کے تین غیر احمدی مہمان آئے۔ جن میں سے ایک کا نام مولوی الٰہی بخش تھا۔ ان کی حضرت صاحب سے گفتگو ہوتی رہی۔ آخر وہ قائل ہو گئے۔ ایک دفعہ جب حضرت صاحب مکان کے صحن میں ٹہل رہے تھے اور مولوی

الٰہی بخش صاحب بھی ساتھ ساتھ پھرتے تھے۔ مولوی الٰہی بخش صاحب نے حضرت صاحب سے کہا کہ اگر میں نے بیعت کر لی تو میرے ساتھ اور بہت سے لوگ بیعت کر لینگے حضرت صاحب چلتے چلتے ٹھہر گئے۔ اور آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور آپ نے فرمایا مجھے کیا پروا ہے۔ یہ خدا کا کام ہے وُہ خود لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر میرے پاؤں پر گرائیگا۔ اور گرا رہا ہے۔ خان صاحب کہتے تھے کہ مولوی الٰہی بخش صاحب نے یہ الفاظ ایسے طریق پر کہے تھے۔ جس میں کچھ احسان پایا جاتا تھا۔ خان صاحب بیان کرتے تھے کہ دُوسرے دِن جب مولوی صاحب اور انکے ساتھی واپس جانے لگے۔ تو حضرت صاحب سے ملنے آئے۔ مَیں بھی وہیں تھا۔ مَیں نے مولوی صاحب سے پُوچھا۔ کہیئے مولویصاحب اب کوئی اعتراض تو باقی نہیں رہا۔ مولوی صاحب نے کہا۔ نہیں میری تسلی ہوگئی ہے۔ مَینے کہا تو پھر بیعت؟ حضرت صاحب نے فرمایا خان صاحب یہ کہنا آپکا حق نہیں ہے۔ ہمارا کام پہنچا دینا ہے آگے ماننا یا نہ ماننا ان کا کام ہے۔ خیر وہ واپس چلے گئے۔ تیسرے چوتھے دن حضرت صاحب قادیان آئے۔ اور مَیں بھی آیا۔ تو حضور نے مجھے بُلا کر مُسکراتے ہُوئے اپنے رُومال سے ایک پوسٹکارڈ کھولا اور میری طرف پھینکا اور فرمایا تحصیلدار صاحب! آپ جلدی کرتے تھے لیجیئے ان کا خط آگیا ہے۔ مَیں نے خط دیکھا۔ تو مولوی الٰہی بخش صاحب کا تھا۔ اور پنسل سے لکھا ہُوا تھا جو اُنہوں نے راستہ میں لکھنؤ سے بھیجا تھا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا۔ کہ مَیں نے ریل میں بیٹھے ہُوئے خیال کیا کہ اب جبکہ مجھ پر حق کھُل گیا ہے۔ تو اگر مَیں راستہ میں ہی مرجاؤں۔ تو خدا کو کیا جواب دُونگا۔ اسلئے مَیں حضور کے سلسلہ میں داخل ہوتا ہُوں۔ میری بیعت قبول فرمائی جاوے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ جب آدمی الگ ہوتا ہے۔ تو پھر اسے سوچنے کا اچھا موقعہ ملتا ہے۔ اور گذشتہ باتوں پر غور کر کے وُہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

(۱۰۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سیّد سرور شاہ صاحب نے کہ جن دِنوں میں گورداسپور میں کرم دین کے ساتھ مقدمہ تھا اور مجسٹریٹ نے تاریخ

ڈالی ہوئی تھی۔ اور حضرت صاحب قادیان آئے ہوئے تھے حضور نے تاریخ سے
دو روز پہلے مجھے گورداسپور بھیجا کہ میں جاکر وہاں بعض حوالے نکال کر تیار رکھوں
کیونکہ اگلی پیشی میں حوالے پیش ہونے تھے۔ میرے ساتھ شیخ حامد علی اور عبدالرحیم
نائی باورچی کو بھی حضور نے گورداسپور بھیجدیا۔ جب ہم گورداسپور مکان پر آئے
تو نیچے سے ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب مرحوم کو آواز دی کہ وہ نیچے آویں اور
دروازہ کھولیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اسوقت مکان میں اوپر ٹھیرے ہوئے
تھے [illegible] دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ
[illegible] میرے بعد وہ [illegible]
پوچھتے پوچھتے پیچھے [illegible] ہم سے سبب پوچھا [illegible] کہا کہ میرے پاس محمد حسین
[illegible] آیا تھا۔ مولوی صاحب کہتے تھے۔ کہ محمد حسین مذکور گورداسپور میں کسی کچہری
میں محرر یا پیشکار تھا۔ اور سلسلہ کا سخت مخالف تھا۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی
کے ملنے والوں میں سے تھا۔ خیر ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا کہ محمد حسین منشی آیا اور
اسنے مجھے کہا۔ کہ آج کل یہاں آریوں کا جلسہ ہوا ہے۔ بعض آریے اپنے دوستوں
کو بھی جلسہ میں لے گئے [illegible] میں بھی وہاں چلا گیا۔ جلسہ کی عام
کارروائی کے بعد انہوں نے اعلان کیا۔ کہ اب جلسہ کی کارروائی ہو چکی ہے۔ اب
لوگ چلے جاویں۔ کچھ [illegible] ٹھہریں۔ چنانچہ سب غیر لوگ اٹھ گئے
میں بھی جانے لگا۔ مگر میرے آریہ دوست نے کہا کہ ٹھہرے چلیں گے آپ ایک طرف
ہو کر بیٹھ جاویں۔ یا باہر انتظار [illegible] ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر
ان آریوں میں سے ایک شخص اٹھا اور مجسٹریٹ کو مرزا صاحب کا نام لیکر کہنے لگا۔
کہ یہ شخص ہمارا سخت دشمن اور ہمارے لیڈر لیکھرام کا قاتل ہے اب وہ آپکے ہاتھ
میں شکار ہے۔ اور ساری قوم کی نظر آپ کی طرف ہے۔ اگر آپ نے اس شکار کو
ہاتھ سے جانے دیا۔ تو آپ قوم کے دشمن ہونگے۔ اور اسی قسم کی جوش دلانیکی باتیں
کیں۔ اسپر مجسٹریٹ نے جواب دیا۔ کہ میرا تو پہلے سے خیال ہے کہ ہو سکے تو نہ صرف

مرزا کو بلکہ اس مقدمہ میں جتنے بھی اسکے ساتھی اور گواہ ہیں سب کو جہنم میں پہنچا دوں مگر کیا کیا جاوے۔ کہ مقدمہ ایسی ہوشیاری سے چلایا جا رہا ہے۔ کہ کوئی ہاتھ ڈالنے کی جگہ نہیں ملتی۔ لیکن اب میں عہد کرتا ہوں۔ کہ خواہ کچھ ہو اس پہلی پیشی میں ہی عدالتی کارروائی عمل میں لے آؤنگا۔ مولوی صاحب کہتے تھے۔ کہ ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ محمد حسین مجھ سے کہتا تھا۔ کہ آپ یہ نہیں سمجھے ہونگے۔ کہ عدالتی کارروائی سے کیا مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہر مجسٹریٹ کو یہ اختیار ہوتا ہے۔ کہ شروع یا دورانِ مقدمہ میں جب چاہے ملزم کو [illegible] کرکے حوالات میں دیدے۔ محمد حسین نے کہا کہ صاحب آپ جانتے ہیں [illegible] آپ کے سلسلہ کا سخت مخالف ہوں۔ مگر مجھ کو یہ بات [illegible] کو ذلیل [illegible] ہوتے [illegible] اور میں جانتا ہوں۔ کہ مرزا صاحب کا خاندان ضلع میں سب سے زیادہ [illegible] پس میں نے آپ کو یہ خبر پہنچا دی ہے۔ کہ آپ اس کا کوئی انتظام کرلیں اور میرے خیال میں دو تجویزیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ سیشن کورٹ لاہور میں یہاں سے مقدمہ تبدیل کرانے کی کوشش کی جاوے اور دوسرے یہ کہ خواہ کسی طرح ہو مگر مرزا صاحب اس آئندہ پیشی میں حاضر عدالت [illegible] اور [illegible] پیش کردیں۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تو ہم سب بھی سخت خوفزدہ ہو گئے۔ اور فیصلہ کیا کہ اسی وقت قادیان کوئی آدمی آ کر دیا جاوے۔ جو حضرت صاحب کو یہ واقعات سناوے۔ رات ہو چکی تھی ہم نے یکہ تلاش کیا۔ اور گو کئی یکے موجود تھے۔ مگر مخالفت کا اتنا جوش تھا۔ کہ کوئی یکہ نہ ملتا تھا ہم نے چار گنے کرایہ دینا کیا۔ مگر کوئی یکہ والا راضی نہ ہوا۔ آخر ہم نے شیخ حامد علی اور عبدالرحیم باورچی اور ایک تیسرے شخص کو قادیان پیدل روانہ کیا۔ وہ صبح کی نماز کے وقت قادیان پہنچے اور حضرت صاحب سے مختصراً عرض کیا۔ حضور نے بے پروائی سے فرمایا۔ خیر ہم بٹالہ چلتے ہیں۔ خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب

لاہور سے واپس آتے ہوئے وہاں ہم کو ملینگے۔ اُن سے ذکر کرینگے۔ اور وہاں پتہ لگ جائیگا۔ کہ تبدیل مقدمہ کے متعلق ان کی کوشش کا کیا نتیجہ ہوا ہے۔ چنانچہ اسی دن حضور بٹالہ آگئے۔ گاڑی میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب بھی مل گئے۔ انہوں نے خبر دی کہ تبدیل مقدمہ کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ پھر حضرت صاحب گورداسپور چلے آئے۔ اور راستہ میں خواجہ صاحب اور مولوی صاحب کو اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ جب آپ گورداسپور مکان پر پہنچے۔ تو حسب عادت الگ کمرے میں چارپائی پر جا لیٹے۔ مگر اسوقت ہمارے بدن کے رونگٹے کھڑے تھے۔ کہ اب کیا ہوگا۔ حضور نے تھوڑی دیر کے بعد مجھے بُلایا۔ میں گیا اس وقت حضرت صاحب نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پنجے ملا کر اپنے سر کے نیچے دیئے ہوئے تھے اور چت لیٹے ہوئے تھے۔ میرے جانے پر ایک پہلو پر ہو کر کہنی کے بل اپنی ہتھیلی پر سر کا سہارا دے کر لیٹ گئے۔ اور مجھ سے فرمایا۔ میں نے آپ کو اس لیئے بلایا ہے۔ کہ وہ سارا واقعہ سُنوں کہ کیا ہے۔ اسوقت کمرے میں کوئی اور آدمی نہیں تھا صرف دروازے پر میاں شادی خان کھڑے تھے۔ میں نے سارا قصہ سُنایا کہ کس طرح ہم نے یہاں آکر ڈاکٹر اسماعیل خان صاحب کو روتے ہوئے پایا۔ پھر کس طرح ڈاکٹر صاحب نے منشی محمد حسین کے آنے کا واقعہ سُنایا اور پھر محمد حسین نے کیا واقعہ سُنایا۔ حضور خاموشی سے سُنتے رہے جب میں شکار کے لفظ پر پہنچا تو یکلخت حضرت صاحب اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور آپکی آنکھیں چمک اُٹھیں اور چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا میں اس کا شکار ہوں! میں شکار نہیں ہوں میں شیر ہوں۔ اور شیر بھی خدا کا شیر۔ وہ بھلا خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ ایسا کر کے تو دیکھے۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے آپکی آواز اتنی بلند ہو گئی کہ کمرے کے باہر بھی سب لوگ چونک اُٹھے۔ اور حیرت کے ساتھ اِدھر متوجہ ہو گئے۔ مگر کمرے کے اندر کوئی نہیں آیا۔ حضور نے کئی دفعہ خدا کے شیر کے الفاظ دُہرائے اور اسوقت آپکی آنکھیں جو ہمیشہ جھکی ہوئی اور نیم بند رہتی تھیں۔ واقعی شیر کی آنکھوں کی طرح کھلکر شعلہ کی طرح چمکتی تھیں

اور چہرہ اتنا سُرخ تھا۔ کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ مَیں کیا کروں مَیں تو خدا کے سامنے پیش کیا ہے۔ کہ مَیں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کو تیار ہُوں۔ مگر وُہ کہتا ہے کہ نہیں مَیں تجھے قید سے بچاؤنگا۔ اور عزت کے ساتھ بَری کرونگا۔ پھر آپ محبت الٰہی پر تقریر فرمانے لگے۔ اور قریباً نصف گھنٹہ تک جوش کے ساتھ بولتے رہے۔ لیکن پھر یکلخت بولتے بولتے آپ کو اُبکائی آئی اور ساتھ ہی قے ہُوئی۔ جو خالص خون کی تھی۔ جس میں کچھ خُون جما ہُوا تھا اور کچھ بہنے والا تھا۔ حضرت نے قے سے سر اُٹھا کر رُومال سے اپنا مُنہ پُونچھا اور آنکھیں بھی پُونچھیں۔ جو قے کی وجہ سے پانی لے آئیں تھیں۔ مگر آپ کو یہ معلوم نہیں ہُوا۔ کہ قے میں کیا نکلا ہے۔ کیونکہ آپ نے یکلخت جھک کر قے کی اور پھر سر اُٹھا لیا۔ مگر میں اسکے دیکھنے کے لیئے جُھکا۔ تو حضور نے فرمایا کیا ہے؟ مینے عرض کیا۔ حضور قے میں خون نکلا ہے۔ تب حضور نے اسکی طرف دیکھا۔ پھر خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور دُوسرے لوگ بھی کمرے میں آگئے اور ڈاکٹر کو بُلوایا گیا۔ ڈاکٹر انگریز تھا۔ وُہ آیا۔ اور قے دیکھ کر خواجہ صاحب کے ساتھ انگریزی میں باتیں کرتا رہا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بڑھاپے کی عمر میں اس طرح خون کی قے آنا خطرناک ہے پھر اسنے کہا کہ یہ آرام کیوں نہیں کرتے؟ خواجہ صاحب نے کہا آرام کس طرح کریں۔ مجسٹریٹ صاحب قریب قریب کی پیشیاں ڈال کر تنگ کرتے ہیں۔ حالانکہ معمولی مقدمہ ہے جو یونہی طے ہو سکتا ہے اسنے کہا اسوقت آرام ضروری ہے مَیں سرٹیفکیٹ لکھ دیتا ہُوں۔ کتنے عرصہ کے لیئے سرٹیفکیٹ چاہیئے؟ پھر خود ہی کہنے لگا۔ میرے خیال میں دو مہینے آرام کرنا چاہیئے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ فی الحال ایک مہینہ کافی ہوگا۔ اس نے فوراً ایک مہینہ کے لیئے سرٹیفکیٹ لکھدیا اور لکھا کہ اس عرصہ میں مَیں ان کو کچہری میں پیش ہونے کے قابل نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے واپسی کا حکم دیا۔ مگر ہم سب ڈرتے تھے۔ کہ اب کہیں کوئی نیا مقدمہ نہ شروع ہو جاوے کیونکہ دوسرے دن پیشی تھی اور حضور گورداسپور آکر بغیر عدالت کی اجازت کے واپس جا رہے

تھے۔ مگر حضرت صاحب کے چہرہ پر بالکل اطمینان تھا چنانچہ ہم سب قادیان چلے آئے بعد میں ہمنے سنا کہ مجسٹریٹ نے سرٹیفکیٹ پر بڑی جرح کی اور بہت تلملایا اور ڈاکٹر کو شہادت کے لیئے بلایا مگر اس انگریز ڈاکٹر نے کہا کہ میرا سرٹیفکیٹ بالکل درست ہے۔ میں اپنے فن کا ماہر ہوں اسپر میرے فن کی رو سے کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور میرا سرٹیفکیٹ تمام اعلیٰ عدالتوں تک چلتا ہے۔ مجسٹریٹ بڑبڑاتا رہا مگر کچھ پیش نہ گئی۔ پھر اسی وقعہ میں اس کا گورداسپور سے تبادلہ ہو گیا۔ اور نیز کسی ظاہر نا معلوم وجہ سے اس کا تنزل بھی ہو گیا۔ یعنی ڈی ای۔ اے۔ سی سے منصف کر دیا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ غالباً اس مجسٹریٹ کا نام چندو لال تھا اور وہ تاریخ جسپر اس موقعہ پر حضرت صاحب نے پیش ہونا تھا۔ غالباً ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ ایکدفعہ ہم نے حضرت صاحب سے دریافت کیا۔ کہ حضور حدیث میں آتا ہے۔ کہ سب نبیوں نے بکریاں چرائی ہیں کیا کبھی حضور نے بھی چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں میں ایک دفعہ باہر کھیتوں میں گیا۔ وہاں ایک شخص بکریاں چرا رہا تھا اسنے کہا کہ میں ذرا ایک کام جاتا ہوں آپ میری بکریوں کا خیال رکھیں۔ مگر وہ ایسا گیا کہ بس شام کو واپس آیا اور اس کے آنے تک ہمیں اسکی بکریاں چرانی پڑیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ اول فرماتے تھے کہ جب فتح اسلام توضیح مرام شایع ہوئیں۔ تو ابھی میرے پاس نہ پہنچی تھیں اور ایک مخالف شخص کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ اسنے اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو اب میں مولوی صاحب کو یعنی مجھے مرزا صاحب سے علیحدہ کیئے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ کہ مولوی صاحب! کیا نبی کریم صلعم کے بعد بھی کوئی نبی ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا نہیں اسنے کہا اگر کوئی نبوت کا دعوےٰ کرے۔ تو پھر؟ میں نے کہا تو پھر ہم یہ دیکھینگے کہ کیا وہ صادق اور راستباز ہے یا نہیں۔ اگر صادق ہے۔ تو پھر ہمیں اسکی بات کو قبول کرینگے۔ میرا یہ جواب سنکر وہ بولا۔

۱۰۹) مولوی صاحب آپ قابو نہ ہی آئے۔ یہ قصہ سنا کر حضرت مولویصاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ تو صرف نبوت کی بات ہی میرا تو ایمان ہے کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ صاحبِ شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کریں۔ اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں تو پھر بھی مجھے انکار نہ ہو کیونکہ جب ہمنے آپ کو واقعی صادق اور منجانب اللہ پایا ہی۔ تو اب جو بھی آپ فرمائینگے۔ وہی حق ہوگا۔ اور ہم سمجھ لینگے۔ کہ آیت خاتم النبیین کے کوئی اور معنی ہونگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ واقعی جب ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا یقینی دلائل کے ساتھ ثابت ہو جائے۔ تو پھر اسکے کسی دعوے میں چون وچرا کرنا باریتعالیٰ کا مقابلہ کرنا ٹھیرتا ہے۔ (مگر دیسے حضرت مولوی صاحب نے جو کچھ فرمایا۔ وہ صرف ایک اصولی رنگ کی بات تھی۔ ورنہ ہمارا ایمان ہے۔ اور یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم ہے۔ کہ قرآنی شریعت آخری شریعت ہے۔ پس حضرت مولوی صاحب کے الفاظ کو اسی رنگ کے سمجھے جائینگے جس رنگ میں اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ کہ قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین)

(۱۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ پسر موعود کی پیشگوئی کے بعد حضرت صاحب ہم سے کبھی کبھی کہا کرتے تھے۔ کہ دعا کرو کہ اللہ تعالےٰ ہم کو جلد وہ موعود لڑکا عطا کرے۔ ان دنوں میں حضرت کے گھر امید واری تھی۔ ایک دن بارش ہوئی۔ تو میں نے مسجد مبارک کے اوپر صحن میں جا کر بڑی دعا کی۔ کیونکہ میں نے حضرت صاحب سے سنا تھا۔ کہ اگر بارش میں دعا کی جاوے۔ تو زیادہ قبول ہوتی ہے۔ پھر مجھے دعا کرتے کرتے خیال آیا کہ باہر جنگل میں جا کر دعا کروں۔ کیونکہ میںنے حضرت صاحب سے یہ بھی سنا ہوا تھا۔ کہ باہر جنگل کی دعا بھی زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ اور میں نے غنیمت سمجھا کہ یہ دو قبولیت کے موقعے میرے لیئے میسر ہیں۔ چنانچہ میں قادیان سے مشرق کی طرف چلا گیا۔ اور باہر جنگل میں بارش کے اندر بڑی دیر تک سجدہ میں دعا کرتا رہا۔ گویا وہ قریباً سارا دن میرا بارش میں

ہی کٹا۔ اسی دن شام کو یا دوسرے دن صبح کو حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ "ان کو کہدو انہوں نے رنج بہت اُٹھایا ہے ثواب بہت ہوگا" میں نے عرض کیا۔ حضور یہ الہام تو میرے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کس طرح؟ میں نے اپنی دعا کا سارا قصہ سنایا۔ حضور خوش ہوئے اور فرمایا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے پھر میں نے اس خوشی میں ایک آنہ کے بتاشے بانٹے۔ مگر اسوقت میں اس کے اصل معنے نہیں سمجھا۔ پھر جب عصمت پیدا ہوئی۔ تو میں سمجھا۔ کہ دراصل اس الہام میں یہ بتایا گیا تھا کہ گو دُعا قبول نہیں ہوگی۔ مگر مجھے ثواب پہنچ جائے گا +

(۱۱۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب ابھی حضور نے سلسلہ بیعت شروع نہیں فرمایا تھا۔ میں نے ایک دفعہ حضرت سے عرض کیا کہ حضور میری بیعت لیں۔ آپ نے فرمایا پیر کا کام بھنگی کا سا کام ہے اسے اپنے ہاتھ سے مرید کے گند نکال نکال کر دھونے پڑتے ہیں اور مجھے اس کام سے کراہت آتی ہے۔ میں نے عرض کیا حضور تو پھر کوئی تعلق تو ہونا چاہیئے میں آتا ہوں۔ اور اوپرا اوپرا چلا جاتا ہوں۔ حضور نے فرمایا اچھا تم ہمارے شاگرد بن جاؤ۔ اور ہم سے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ لیا کرو۔ پھر عید کے دن حضور نے فرمایا جاؤ ایک آنہ کے بتاشے لے آؤ۔ تا باقاعدہ شاگرد بن جاؤ۔ میں نے بتاشے لاکر سامنے رکھ دیئے۔ جو حضور نے تقسیم فرما دیئے۔ اور کچھ مجھے بھی دے دیئے پھر حضور مجھے ایک ہفتہ کے بعد ایک آیت کے سادہ معنے پڑھا دیا کرتے تھے۔ اور کبھی کسی آیت کی تھوڑی سی تفسیر بھی فرما دیتے تھے۔ ایک دن فرمایا میاں عبداللہ میں تم کو قرآن شریف کے حقایق و معارف اسلیئے نہیں بتاتا۔ کہ میں تم میں انکے برداشت کرنے کی طاقت نہیں دیکھتا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ اس کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ اگر مجھے اسوقت وہ بتائے جاتے تو میں مجنون ہو جاتا مگر میں اس سادہ ترجمہ کا ہی جو میں نے آپ سے نصف پارہ کے قریب پڑھا ہوگا اب تک اپنے اندر فہم قرآن کے متعلق ایک خاص اثر دیکھتا ہوں۔ نیز میاں عبداللہ

صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ مَیں نے ایک دفعہ حضرت صاحب سے عرض کیا۔ کہ حضور میں جب قادیان آتا ہوں۔ تو اور تو کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوتی۔ مگر مَیں یہ دیکھتا ہوں کہ یہاں وقتاً فوقتاً یکلخت مجھ پر بعض آیات قرآنی کے معنے کھولے جاتے ہیں اور میں اس طرح محسوس کرتا ہوں۔ کہ گویا میرے دل پر معانی کی ایک پوٹلی بندھی ہوئی گرا دی جاتی ہے حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہمیں قرآن شریف کے معارف دیکر ہی مبعوث کیا گیا ہے اور اسی کی خدمت ہمارا فرض مقرر کی گئی ہے پس ہماری صحبت کا بھی یہی فائدہ ہونا چاہیئے خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھ سے حاجی عبدالمجید صاحب لدھیانوی نے بھی بیان کیا کہ ہمارے پہلے پیر منشی احمد جان صاحب مرحوم نے بھی حضرت صاحب سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ مگر حضور نے فرمایا۔ لست بمامور یعنی مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ اول نے بھی جب حضور سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ تو حضور نے یہی جواب دیا تھا کہ مجھے اس کا حکم نہیں ملا پھر بعد میں جب حکم ہوا تو حضور نے بیعت کا سلسلہ شروع فرمایا +

(۱۲۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایکدفعہ حضرت صاحب بڑی مسجد میں ٹہل رہے تھے۔ مَیں ایک کونہ میں قرآن شریف پڑھنے بیٹھ گیا اسوقت اور کوئی شخص مسجد میں نہیں تھا۔ حضور نے ٹہلتے ٹہلتے ایک دفعہ ٹھہر کر میری طرف دیکھا اور مَیں نے بھی اُسیوقت آپکی طرف دیکھا تھا۔ جب میری اور حضور کی نظر ملی تو خبر نہیں اسوقت حضور کی نظر میں کیا تھا۔ کہ میرا دل میرے سینہ کے اندر پگھل گیا اور مَیں نے دُعا کے لیئے ہاتھ اٹھائیے اور بڑی دیر تک دُعا کرتا رہا اور حضور ٹہلتے رہے پھر آخر حضور نے ہی مجھ سے فرمایا میاں عبداللہ دُعا بہت ہو چکی اب بند کرو۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ مَیں نے اس دن سمجھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ بعض وقت کامل کی ایک نظر انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ جب حضور کی محبت اور شفقت یاد آتی ہے۔ تو میری جان گداز ہو جاتی ہے +

(۱۱۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ میں شروع میں حقہ بہت پیا کرتا تھا۔ شیخ حامد علی بھی پیتا تھا۔ کسی دن شیخ حامد علی نے حضرت صاحب سے ذکر کر دیا کہ یہ حقہ بہت پیتا ہے۔ اسکے بعد میں جو صبح کے وقت حضرت صاحب کے پاس گیا اور حضور کے پاؤں دبانے بیٹھا تو آپ نے شیخ حامد علی سے کہا۔ کہ کوئی حقہ اچھی طرح تازہ کر کے لاؤ۔ جب شیخ حامد علی حقہ لایا تو حضور نے مجھ سے فرمایا۔ کہ پیو۔ میں شرمایا۔ مگر حضرت صاحب نے فرمایا جب تم پیتے ہو تو شرم کی کیا بات ہے۔ پیو کوئی حرج نہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے رُک رُک کر ایک گھونٹ پیا۔ پھر حضور نے فرمایا۔ میاں عبداللہ مجھے اس سے طبعی نفرت ہے میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ بس میں نے اسی وقت سے حقہ ترک کر دیا اور اس ارشاد کے ساتھ ہی میرے دل میں اسکی نفرت پیدا ہو گئی۔ پھر ایک دفعہ میرے مسوڑوں میں تکلیف ہوئی۔ تو میں نے حضور سے عرض کیا۔ کہ جب میں حقہ پیتا تھا۔ تو یہ درد ہٹ جاتا تھا حضور نے جواب دیا کہ "بیماری کے لیے حقہ پینا معذوری میں داخل ہے اور جائز ہے۔ جب تک معذوری باقی ہے" چنانچہ میں نے تھوڑی دیر تک بطور دوا استعمال کر کے پھر چھوڑ دیا۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور کے گھر میں حقہ استعمال ہوتا تھا۔ ایکدفعہ حضور نے مجھے گھر میں ایک توڑا ہوا حقہ کیلی پر لٹکا ہوا دکھایا۔ اور مسکرا کر فرمایا ہم نے اسے توڑ کر پھانسی دیا ہوا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ گھر میں کوئی عورت شاید حقہ استعمال کرتی ہو گی +

(۱۱۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قادیان کے شمالی جانب سیر کے لیے تشریف لیگئے۔ میں اور شیخ حامد علی ساتھ تھے۔ راستہ پر ایک کھیت کے کنارے ایک چھوٹی سی بیری تھی۔ اور اسے بیر لگے ہوئے تھے اور ایک بڑا عمدہ پکا ہوا لال بیر راستہ میں گرا ہوا تھا۔ میں نے چلتے چلتے اُسے اُٹھا لیا اور کھانے لگا۔ حضرت صاحب نے فرمایا نہ کھاؤ۔ اور وہیں رکھدو۔ آخر یہ کسی کی ملکیت ہے۔ میاں عبداللہ صاحب

کہتے ہیں۔ کہ اسدن سے آجتک میں نے کسی بیری کے بیر بغیر اجازت مالک راضی نہیں کھائے۔ کیونکہ جب میں کسی بیری کیطرف دیکھتا ہوں تو مجھے یہ بات یاد آجاتی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس ملک میں بیریاں عموماً خودرو ہوتی ہیں اور ان کے پھل کے متعلق کوئی پروا نہیں کیجاتی ۔

(۱۱۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہ ایکدفعہ حضرت خلیفہ اول کے پاس کسی کا خط آیا کہ کیا نماز میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث بھی ملتی ہے؟ حضرت مولوی صاحب نے یہ خط حضرت صاحب کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا کہ اس بارہ میں جو حدیثیں ملتی ہیں۔ وہ جرح سے خالی نہیں حضرت صاحب نے فرمایا مولوی صاحب آپ تلاش کریں ضرور مل جائیگی۔ کیونکہ باوجود اسکے کہ شروع عمر میں بھی ہمارے اردگرد سب حنفی تھے مجھے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا کبھی پسند نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ طبیعت کا میلان ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کیطرف رہا ہے۔ اور ہم نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ جس بات کیطرف ہماری طبیعت کا میلان ہو وہ تلاش کرنیسے ضرور حدیث میں نکل آتی ہے۔ خواہ ہم کو پہلے اُس کا علم نہ ہو۔ پس آپ تلاش کریں ضرور مل جائیگی۔ مولوی سرور شاہ صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ اسپر حضرت مولوی صاحب گئے۔ اور کوئی آدھا گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا۔ کہ خوش خوش ایک کتاب ہاتھ میں لیئے آئے۔ اور حضرت صاحب کو اطلاع دی کہ حضور حدیث ملگئی ہے۔ اور حدیث بھی ایسی کہ جو علی شرط الشیخین ہے۔ جس پر کوئی جرح نہیں۔ پھر کہا کہ یہ حضور ہی کے ارشاد کی برکت ہے ۔

(۱۱۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ گو براہین احمدیہ کی تالیف اور اسکے متعلق مواد جمع کرنے کا کام پہلے سے ہو رہا تھا۔ مگر براہین احمدیہ کی اصل تصنیف اور اسکی اشاعت کی تجویز ۱۸۷۷ء سے شروع ہوئی اور اسکا آخری حصہ یعنی حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شایع ہوا۔ براہین کی تصنیف سے پہلے حضرت مسیح موعود ایک گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور گوشہ نشینی میں درویشانہ حالت تھی۔ گو براہین سے قبل بعض اخباروں میں

مضامین شایع کرنے کا سلسلہ آپ نے شروع فرما دیا تھا۔ اور اس قسم کے اشتہارات سے آپ کا نام ایک گونہ پبلک میں بھی آگیا تھا۔ مگر بہت کم۔ ہاں اپنے ملنے والوں میں آپ کی تبلیغ و تعلیم کا دائرہ عالم شباب سے ہی شروع نظر آتا ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۵ء و ۱۸۶۴ء میں جب آپ ابھی بالکل نوجوان تھے۔ آپ نے اپنے تبلیغی کام کے متعلق ایک رویا بھی دیکھا تھا۔ پھر انہی دنوں میں جب کہ آپ سیالکوٹ ملازم ہوئے تو اُسوقت کے متعلق بھی یقینی شہادت موجود ہے کہ آپ نے تبلیغ و تعلیم کا کام شروع فرما دیا تھا اور غیر مذاہب والوں سے آپ کے زبانی مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ مگر یہ سب عضو براسوٹ حیثیت رکھتے تھے۔ پبلک میں آپ نے تصنیف براہین سے صرف کچھ قبل یعنی ۱۸۷۸ء و ۱۸۷۷ء میں آنا شروع کیا اور مضامین شایع کرنے شروع فرمائے۔ اور تبلیغی خطوط کا دائرہ بھی وسیع کیا۔ مگر دراصل مستقل طور پر براہین احمدیہ کے اشتہار نے ہی سب سے پہلے آپ کو ملک کے سامنے کھڑا کیا اور اس طرح علم رکھنے اور دینی امور سے لگاؤ رکھنے والے طبقہ میں آپ کا انٹروڈکشن ہوا۔ اور لوگوں کی نظریں اس دیہات کے رہنے والے گمنام شخص کی طرف حیرت کے ساتھ اُٹھنی شروع ہوئیں۔ جسنے اس تحدی اور اتنے بڑے انعام کے وعدہ کے ساتھ اسلام کی حقانیت کے متعلق ایک عظیم الشان کتاب لکھنے کا اعلان کیا۔ اب گویا آفتاب ہدایت جو لاریب اس سے قبل طلوع کر چکا تھا۔ اُفق سے بلند ہونے لگا۔ اسکے بعد براہین احمدیہ کی [illegible] ملک کے مذہبی حلقہ میں ایک غیر معمولی تموج پیدا کر دیا۔ مسلمانوں [illegible] مصنف براہین کا ایک مجدد دلیتان کے طور پر خیر مقدم کیا اور مخالفین اسلام کے کیمپ میں بھی اس گولہ باری سے ایک ہل چل مچ گئی۔ خود مصنف کے لیے بھی تصنیف براہین کا زمانہ ایک حالت میں نہیں گزرا بلکہ وہ جو شروع تصنیف میں ایک عام خادم اسلام کے طور پر اُٹھا تھا دورانِ تصنیف میں تجلی الٰہی کے خاص جلوے سے عمران کی طرح اسے کہیں سے کہیں لے گئے۔ اور اختتام تصنیف براہین سے قبل ہی وہ ایک پرائیویٹ سپاہی کی طرح نہیں۔ بلکہ شہنشاہ عالم کی طرف سے ایک مامور جرنیل کے طور پر میدان کارزار

یں ھل من مبارز پکار رہا تھا۔ خلاصہ یہ کہ براہین احمدیہ کی تصنیف نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ملک کے علم دوست اور مذہبی امور میں دلچسپی رکھنے والے طبقہ میں ایک بہت نمایاں حیثیت دیدی تھی اور خاص معتقدین کا ایک گروہ بھی قائم ہو گیا تھا۔ اور قادیان کا گمنام گاؤں جو ریل اور سڑک سے دور پردۂ پوشیدگی کے نیچے مستور تھا اب گاہے گاہے بیرونی مہمانوں کا منظر بننے لگا تھا۔ اور مخالفین اسلام بھی اپنے منہ کی پھونکوں سے اس نور کو بجھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ براہین کی اشاعت کے بعد حضرت مسیح موعود نے بیس ہزار اردو اور انگریزی اشتہاروں کے ذریعہ دنیا کے تمام ممالک میں اپنی ماموریت کا اعلان فرمایا۔ اسکے بعد جب شروع ۱۸۸۶ء میں حضرت مسیح موعود نے خدائی حکم کے ماتحت ہوشیار پور جاکر وہاں چالیس دن خلوت کی اور ذکر خدا میں مشغول رہے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے آپ کو ایک عظیم الشان بیٹے کی بشارت دی۔ جسنے اپنے مسیحی نفس سے مصلح عالم بن کر دنیا کے چاروں کونوں میں شہرت پانی تھی۔ یہ الہام اسقدر جلال اور شان و شوکت کے ساتھ ہوا۔ کہ جب حضور نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں اس کا اعلان فرمایا تو اسکی وجہ سے ملک میں ایک شور برپا ہو گیا اور لوگ نہایت شوق کے ساتھ اس پسر موعود کی راہ دیکھنے لگے اور سب نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اس پسر موعود کے متعلق امیدیں جمالیں۔ بعض نے اس پسر موعود کو مہدی معہود سمجھا جس کا اسلام میں وعدہ دیا گیا تھا۔ اور جس نے دنیا میں مبعوث ہو کر اسلام کے دشمنوں کو نابید اور مسلمانوں کو ہر میدان میں غالب کرنا تھا۔ بعض نے اور اسی قسم کی امیدیں قائم کیں اور بعض تماشائی کے طور پر پیشگوئی کے جلال اور شان و شوکت کو دیکھ کر ہی حیرت میں پڑ گئے تھے اور بغیر کوئی امید قائم کئے اس انتظار میں تھے کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ غیر مذاہب والوں کو بھی اس خبر نے چونکا دیا تھا۔ غرض اس وحی الٰہی کی اشاعت رجوع عام کا باعث ہوئی۔ ان دنوں حضور کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ مگر اللہ نے

[illegible] کے بستہ میں ابتلا رکھے ہوتے ہیں۔ سو قدرت خدا کہ چند ماہ کے بعد یعنی مئی ۱۸۸۶ء میں بچہ پیدا ہوا تو وہ لڑکی تھی۔ اسپر خوش اعتقادوں میں مایوسی اور بداعتقادوں [illegible] میں ہنسی اور استہزار کی ایک ایسی لہر اٹھی کہ جسنے ملک میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا۔ اسوقت تک بیعت کا سلسلہ تو تھا ہی نہیں کہ مریدین الگ نظر آتے۔ بس عام لوگوں میں چہ میگوئی ہو رہی تھی۔ کہ یہ کیا ہوا۔ کوئی کچھ کہتا تھا۔ کوئی کچھ۔ حضور نے بذریعہ اشتہار اور خطوط اعلان فرمایا کہ وحی الٰہی میں یہ نہیں بتایا گیا تھا۔ کہ اسوقت جو بچہ کی امیدواری ہے تو یہی وہ پسر موعود ہوگا۔ اور اس طرح لوگوں کی تسلی کی کوشش کی چنانچہ اسپر اکثر لوگ سنبھل گئے اور پیشگوئی کے ظہور کے منتظر رہے۔ کچھ عرصہ بعد یعنی اگست ۱۸۸۷ء میں حضرت کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا۔ اس لڑکے کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی گئی۔ اور کئی لوگ جو متزلزل ہو گئے تھے۔ پھر سنبھل گئے۔ اور لوگوں نے سمجھا۔ کہ یہی وہ موعود لڑکا ہے۔ اور خود حضرت صاحب کو بھی یہی خیال تھا۔ گو آپنے اسکے متعلق کبھی قطعی یقین ظاہر نہیں کیا۔ مگر یہ ضرور فرماتے رہے کہ قرائن سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ لڑکا ہے۔ واللہ اعلم۔ غرض بشیر اول کی پیدائش رجوع عام کا باعث ہوئی۔ مگر قدرت خدا کہ ایک سال کے بعد یہ لڑکا اچانک فوت ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ملک میں ایک طوفان عظیم برپا ہوا۔ اور سخت زلزلہ آیا حتّٰی کہ میاں عبداللہ صاحب سنوری کا خیال ہے کہ ایسا زلزلہ عامۃ الناس کیلئے نہ اس سے قبل کبھی آیا تھا نہ اسکے بعد آیا۔ گویا وہ دعوای مسیحیت پر جو زلزلہ آیا تھا۔ اسے بھی عامۃ الناس کے لیئے اس سے کم قرار دیتے ہیں۔ مگر بہرحال یہ یقینی بات ہے کہ اس واقعہ پر ملک میں ایک سخت شور اٹھا اور کئی خوش اعتقادوں کو ایسا دھکا لگا کہ وہ پھر نہ سنبھل سکے۔ مگر تعجب ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی اس واقعہ کے بعد بھی خوش اعتقاد رہا۔ حضرت صاحب نے لوگوں کو سنبھالنے کے لیئے اشتہاروں اور خطوط کی بھرمار کر دی اور لوگوں کو سمجھایا کہ میں نے کبھی یہ یقین ظاہر نہیں کیا تھا کہ یہی وہ لڑکا ہے ہاں یہ میں نے کہا تھا کہ چونکہ خاص اس لڑکے کے متعلق بھی مجھے بہت سے الہام ہوئے ہیں۔ جن میں اس کی بڑی ذاتی

فضیلت بتائی گئی تھی۔ اسلیئے میرا یہ خیال تھا کہ شاید یہی وہ موعود لڑکا ہو مگر خدائی وحی میں جو اس معاملہ میں اصل اتباع کے قابل ہے ہرگز کوئی تعیین نہیں کی گئی تھی۔ غرض لوگوں کو بہت سنبھالا گیا چنانچہ بعض لوگ سنبھل گئے۔ لیکن اکثر دنیر مایوسی کا عالم تھا۔ اور مخالفین میں پرلے درجہ کے استہزاء کا جوش تھا اسکے بعد پھر عامۃ الناس میں پسر موعود کی آمد آمد کا اس شد و مد سے انتظار نہیں ہوا۔ جو اس سے قبل تھا۔ اسکے بعد یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو حضور نے خدا کے اس حکم کے مطابق جو اس سے قریباً دس ماہ پہلے ہو چکا تھا۔ سلسلہ بیعت کا اعلان فرمایا اور سب سے پہلے شروع ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ میں بیعت لی۔ مگر اس وقت تک بھی مسلمانوں کا عام طور پر حضرت مسیح موعود کی ذات کے متعلق خیال عموماً بہت اچھا تھا۔ اور اکثر لوگ آپ کو ایک بے نظیر خادم اسلام سمجھتے تھے۔ صرف اتنا اثر ہوا تھا۔ کہ لوگوں میں جو پسر موعود کی پیشگوئی پر ایک عام رجوع ہوا تھا۔ اس کا جوش ان دو لگاتار مایوسیوں نے مدھم کر دیا تھا۔ اور عامۃ الناس پیچھے ہٹ گئے تھے۔ ہاں کہیں کہیں عملی مخالفت کی لہر بھی پیدا ہونے لگی تھی اسکے بعد آخر ۱۸۹۰ء میں حضرت مسیح موعود نے خدا سے حکم پاکر رسالہ فتح اسلام تصنیف فرمایا۔ جو ابتداء ۱۸۹۱ء میں شایع ہوا۔ اس میں آپنے حضرت مسیح ناصری کی وفات اور اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔ اسپر ملک میں ایک زلزلہ عظیم آیا جو پہلے سب زلزلوں سے بڑا تھا۔ بلکہ ایک لحاظ سے پچھلے اور پہلے سب زلزلوں سے بڑا تھا ملک کے ایک کونہ سے لیکر دوسرے کونے تک جوش و مخالفت کا ایک خطرناک طوفان برپا ہوا اور علماء کی طرف سے حضرت صاحب پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ اور آپ کو واجب القتل قرار دیا گیا اور چاروں طرف گویا ایک آگ لگ گئی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی بھی جو اب تک بچا ہوا تھا اسی زلزلہ کا شکار ہوا اور یہ سب سے پہلا شخص تھا۔ جو کفر کا استفتاء لیکر ملک میں ادھر اُدھر بھاگا۔ بعض بیعت کنندے بھی متزلزل ہو گئے۔ اسکے بعد چوتھا زلزلہ آتھم کی پیشگوئی کی پندرہ ماہی میعاد گزرنے پر آیا۔ یہ دھکا بھی اسوقت کے لحاظ سے نہایت

کڑا دھکا تھا۔ مگر جماعت حضرت صاحب کی تربیت کے نیچے ایک حد تک مستحکم اور سنت اللہ سے واقف ہو چکی تھی اسلیئے برداشت کر گئی۔ لیکن مخالفوں میں سخت مخالفت واستہزاء کی لہر اُٹھی۔ اس کے بعد زلزلہ کے خفیف خفیف دھکے آتے رہے۔ مگر وہ قابل ذکر نہیں لیکن سب کے آخر میں جماعت پر پانچواں زلزلہ آیا یہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کا زلزلہ تھا۔ اس دھکے نے بھی اس وقت سلسلہ کی عمارت کو بنیاد تک ہلا دیا تھا۔ اور یہ وُہ زلزلہ عظیم تھا۔ جسے زلزلۃ الساعۃ کہنا چاہیئے۔ اور اسکو زیادہ خطرناک اسبات نے کر دیا تھا کہ اس سے پہلے زلزلے خواہ کیسے بھی سخت تھے مگر حضرت مسیح موعود کا مقناطیسی وجود لوگوں کے اندر موجود تھا۔ اور آپ کا ہاتھ ہر گرتے ہُوئے کو سنبھالنے کیلیئے فوراً آگے بڑھتا تھا۔ مگر اب وہ بات نہ تھی۔ یہ وہ پانچ زلزلے تھے۔ جو حضرت مسیح موعود کے متعلق آپکی جماعت پر آئے۔ انکے بعد حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر بھی سخت زلزلہ آیا مگر وہ اور نوعیت کا تھا اور نیز وُہ خاص جماعت احمدیہ کے متعلق تھا۔ یعنی یہ دھکا حضرت مسیح موعود کے متعلق نہیں تھا۔ یعنی ایسا واقعہ نہیں تھا۔ جو آپکے صدق دعوٰے کے متعلق کمزور دلوں میں عام طور پر کوئی اشتباہ پیدا کر سکے۔ اسکے بعد اور بھی آئندہ سنت اللہ کے موافق اور حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیوں کے مطابق مصائب کی آندھیاں آئینگی۔ مگر یہ پانچ زلزلے اپنی نوعیت میں اور ہی رنگ رکھتے ہیں۔ اور یہ عبارت لکھتے لکھتے خاکسار کو خیال آیا۔ کہ حضرت مسیح موعود کو جو پانچ زلزلوں کی خبر دی گئی تھی اور آخری زلزلہ کو زلزلۃ الساعۃ کہا گیا تھا۔ وہ گو دنیا کے واسطے الگ بھی مقدر ہوں۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ ان پانچ زلزلوں پر بھی آپ کی اس پیشگوئی کے الفاظ صادق آتے ہیں ۔

(۱۱۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل زمانہ کی بات ہے۔ کہ ایک دفعہ رمضان کے مہینہ میں کوئی مہمان یہاں حضرت صاحب کے پاس آیا۔ اسے اسوقت روزہ تھا۔ اور دِن کا زیادہ حصہ گزر چکا تھا۔

بلکہ شاید عصر کے بعد کا وقت تھا۔ حضرت صاحب نے اسے فرمایا آپ روزہ کھولدیں اسنے عرض کیا کہ اب تھوڑا سا دن رہگیا ہے اب کیا کھولنا ہے۔ حضور نے فرمایا آپ سینہ زوری سے خدا تعالےٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ خدا تعالےٰ سینہ زوری سے نہیں بلکہ فرمانبرداری سے راضی ہوتا ہے۔ جب اسنے فرمادیا ہے۔ کہ مسافر روزہ نہ رکھے تو نہیں رکھنا چاہیئے۔ اسپر اسنے روزہ کھول دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ حضرت صاحب کے زمانہ میں حکیم فضل الدین صاحب بھیروی اعتکاف بیٹھے۔ مگر اعتکاف کے دنوں میں ہی ان کو کسی مقدمہ میں پیشی کے واسطے باہر جانا پڑ گیا۔ چنانچہ وہ اعتکاف توڑ کر عصر کے قریب یہاں سے جانے لگے۔ تو حضرت صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو مقدمہ میں جانا تھا۔ تو اعتکاف بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی ۔

(۱۱۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہماری تائی صاحبہ نے کہ میرے تایا (یعنی خاکسار کے دادا صاحب) کبھی کبھی مرزا غلام احمد یعنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیتی یا مسیتر کہا کرتے تھے۔ تائی صاحبہ نے کہا کہ میرے تایا کو کیا علم تھا۔ کہ کسی دن انکی خوش قسمتی کیا کیا پھل لائے گی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مسیتی پنجابی میں اسے کہتے ہیں۔ جو ہر وقت مسجد میں بیٹھا رہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ سنا ہے کہ بعض دوسرے لوگ بھی حضرت صاحب کے متعلق یہ لفظ بعض اوقات استعمال کر دیتے تھے ۔

(۱۱۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب گورداسپور میں کرم الدین کیساتھ حضرت صاحب کا مقدمہ تھا تو ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ حضرت صاحب کو امرتسر میں سولی پر لٹکایا جائیگا تاکہ قادیان والوں کو آسانی ہو۔ میں نے یہ خواب حضرت صاحب سے بیان کیا۔ تو حضرت صاحب خوش ہوئے اور کہا کہ یہ مبشر خواب ہے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں۔ کہ حضرت صاحب سولی پر چڑھنے کی یہ تعبیر کیا کرتے تھے۔ کہ عزت افزائی ہوگی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس مقدمہ

میں پھر اپیل ہو کر امرت سر میں ہی آپکی بریت کا فیصلہ ہوا۔ نیز بیان کیا حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جن دنوں میں یہ مقدمہ تھا ایک دفعہ حضرت صاحب نے گھر میں ذکر کیا کہ مجسٹریٹ کی نیت بہت خراب معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ مجسٹریٹ کی بیوی نے خواب دیکھا ہے۔ کہ اگر اس کا خاوند کوئی ایسی ویسی بات کریگا۔ تو اسکے گھر پر وبال آئیگا۔ چنانچہ اُسنے اپنے خاوند کو یہ خواب سُنا دیا ہے اور کہا ہے۔ کہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرے والدہ صاحبہ نے بیان کیا۔ کہ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ جب مجسٹریٹ کا ایک لڑکا مر گیا تو اسکی بیوی نے اسے کہا۔ کہ کیا تو نے گھر کو اجاڑ کر چھوڑنا ہے؟ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا۔ کہ جس دن اس مقدمہ کا فیصلہ سنایا جانا تھا۔ اُس دن کئی لوگ اپنی جیبوں میں روپیہ بھر کر لے گئے تھے۔ کہ اگر مجسٹریٹ جرمانہ کرے تو ادا کر دیں اور نواب محمد علی خان صاحب بھی لاہور سے کئی ہزار روپیہ ساتھ لائے تھے۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا۔ کہ حضرت صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ اس مقدمہ کے دنوں میں جہاں عدالت کے باہر درختوں کے نیچے حضرت صاحب بیٹھا کرتے تھے اسکے سامنے سے ہر روز ڈپٹی کمشنر گذرا کرتا تھا۔ کیونکہ یہی اس کا راستہ تھا۔ ایک دفعہ اسنے اپنے اردلی سے پُوچھا۔ کہ کیا یہ مقدمہ اب تک جاری ہے؟ اسنے کہا ہاں۔ ڈپٹی کمشنر نے ہنس کر کہا۔ اگر میرے پاس ہوتا۔ تو میں ایک دن میں فیصلہ کر دیتا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ ڈپٹی کمشنر انگریز تھا۔

(۱۲۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ میں اور چند آدمی جن میں غالباً مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب بھی تھے۔ حضرت صاحب سے ملنے کے لیئے اندر آپ کے مکان میں گئے۔ اسوقت آپ نے ہم کو خربوزے کھانیکے لیئے دیئے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں۔ کہ جو خربوزہ مجھے آپ نے دیا وہ موٹا تھا۔ چنانچہ آپ نے دیتے ہوئے فرمایا اسے کھا کر دیکھیں یہ کیسا ہے؟ پھر خود ہی مسکرا کر فرمایا موٹا آدمی سانق ہوتا ہے۔ یہ پھیکا ہی ہوگا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ پھیکا نکلا۔ مولوی صاحب نے یہ روایت بیان

کر کے ہنستے ہوئے کہا۔ کہ اُسوقت میں دُبلا ہوتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس سے یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ہر موٹا آدمی منافق ہوتا ہے بلکہ حضرت صاحب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو آرام طلبی کے نتیجہ میں موٹا ہو گیا ہو وہ منافق ہوتا ہے +

(۱۲۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے چودھری غلام محمد صاحب بی اے نے کہ جب میں ۱۹۰۵ء میں قادیان آیا۔ تو حضرت صاحب نے سبز پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر کچھ گراں گذرا کہ مسیح موعود کو نگدار پگڑی سے کیا کام پھر میں نے مقدمہ ابن خلدون میں پڑھا کہ آنحضرت صلعم جب سبز لباس زیب تن فرماتے تھے تو آپ کو وحی زیادہ ہوتی تھی +

(۱۲۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بیان کیا مجھ سے ماسٹر محمد دین صاحب بی اے نے کہ جب ہم حضرت مسیح موعود کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو ہم خاص طور پر محسوس کرتے تھے۔ کہ ہماری اندرونی بیماریاں دُھل رہی ہیں۔ اور روحانیت ترقی کر رہی ہے۔ لیکن جب آپ سے الگ ہوتے تھے۔ تو پھر یہ بات نہ رہتی تھی۔ نیز بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب ہم حضرت صاحب کی مجلس میں ہوتے تھے۔ تو خواہ اس سے پہلے کیسا ہی حال ہو اس وقت طبیعت بہت ہی خوش رہتی تھی +

(۱۲۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۷۹ء میں براہین کے متعلق اعلان شایع فرمایا۔ تو اس وقت آپ براہین احمدیہ تصنیف فرما چکے تھے۔ اور کتاب کا حجم قریباً ڈیڑھ ہزار صفحہ تک پہنچ گیا تھا۔ اور اس میں آپ نے اسلام کی صداقت میں تین سو ایسے زبردست دلائل تحریر کئے تھے۔ کہ جنکے متعلق آپ کا دعوےٰ تھا۔ کہ ان سے صداقت اسلام آفتاب کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔ اور آپ کا ارادہ تھا۔ کہ جب اسکے شایع ہونے کا انتظام ہو تو کتاب کو ساتھ اور زیادہ مکمل فرماتے جاویں۔ اور اسکے شروع میں ایک مقدمہ لگائیں۔ اور بعض اور تمہیدی باتیں لکھیں اور ساتھ ساتھ ضروری حواشی بھی زائد کرتے جاویں۔ چنانچہ اب جو براہین احمدیہ کی چار جلدیں شایع شدہ

موجود ہیں ان کا مقدمہ اور حواشی وغیرہ سب دَورانِ اشاعت کے زمانہ کے ہیں۔ اور اس میں اصل ابتدائی تصنیف کا حصّہ بہت ہی تھوڑا آیا ہے۔ یعنی صرف چند صفحات سے زیادہ نہیں اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تین سَو دلائل جو آپ نے لکھے تھے ان میں سے مطبوعہ براہین احمدیہ میں صرف ایک ہی دلیل بیان ہُوئی ہے اور وُہ بھی نامکمل طور پر۔ ان چار حصّوں کے طبع ہونے کے بعد اگلے حصص کی اشاعت خدائی تصرف کے ماتحت رک گئی۔ اور سُنا جاتا ہے۔ کہ بعد میں اس ابتدائی تصنیف کے مسوّدے بھی کسی وجہ سے جلکر تلف ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود نے براہین حصّہ چہارم کے آخر میں جو اشتہار "ہم اور ہماری کتاب" کے عنوان کے نیچے دیا ہے اس میں آپ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ ابتدا میں جب براہین احمدیہ تصنیف کی گئی تو اور صورت تھی۔ مگر بعد میں یعنی دَورانِ اشاعت میں جب حواشی وغیرہ لکھے جا رہے تھے۔ اور کتاب طبع ہو کر شایع ہو رہی تھی۔ صورت بدل گئی یعنی جناب باریتعالیٰ کی طرف سے آپ کو خلعتِ ماموریت عطا ہُوا اور ایک اور عالم سے آپکو اطلاع دی گئی۔ اسپر آپ نے اپنے پہلے ارادوں کو ترک کر دیا اور سمجھ لیا۔ کہ اب معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وُہ جس طرح چاہیگا۔ آپ سے خدمتِ دین کا کام لیگا۔ چنانچہ یہ جو اسکے بعد اسّی کے قریب کتابیں اور سینکڑوں اشتہارات اور تقریریں آپ کی طرف سے خدمتِ دین کے راستہ میں شایع ہُوئیں اور اب آپ کی وفات کے بعد بھی جو خدمتِ دین آپ کے متبعین کیطرف سے ہو رہی ہے یہ سب اسی کا نتیجہ ہے اور مَیں سمجھتا ہُوں کہ اسلام کی جتنی صداقت ان تین سو دلائل سے ثابت ہوتی۔ جو آپ نے براہین احمدیہ میں تحریر فرمائے تھے۔ اس سے کہیں بڑھ کر محض آپکے وجود سے ہوئی۔ جس کا ظہور بعد میں مہدویت اور مسیحیت کے رنگ میں ہُوا۔ گویا قطع نظر ان عظیم الشان تحریرات کے جو بعد میں خداوند تعالیٰ نے آپکے ہاتھ سے شایع کروائیں محض آپ کا وجود باجود ہی ان تین سو دلائل سے بڑھکر صداقتِ اسلام پر روشنی ڈالنے والا ہے۔ کیونکہ یہ تین سو دلائل تو بہرحال

زیادہ تر عام حالمانہ رنگ میں لکھے گئے ہونگے۔ لیکن آپ کا وجود جو شانِ نبوت میں ظاہر ہوا اپنے اندر ایک ہی جذب اور طاقت رکھتا ہے ۔

(۱۲۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایکدفعہ لالہ ملاوامل نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مرزا صاحب یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے ایک صندوقچی کھول کر دکھائی تھی جس میں انکی ایک کتاب کا مسودہ رکھا ہوا تھا اور آپنے مجھ سے کہا تھا۔ کہ بس میری جائداد اور مال سب یہی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ براہین احمدیہ کے مسودہ کا ذکر ہے ۔

(۱۲۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ پیر سراج الحق صاحب کو روزہ تھا۔ مگر ان کو یاد نہ رہا اور انہوں نے کسی شخص سے پینے کیواسطے پانی منگایا۔ اسپر کسی نے کہا آپ کو روزہ نہیں ؟ پیر صاحب کو یاد آگیا۔ کہ میرا روزہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اسوقت وہاں موجود تھے۔ آپ پیر صاحب سے فرمانے لگے۔ کہ روزہ میں جب انسان بھول کر کوئی چیز کھا پی لیتا ہے۔ تو یہ خدا کیطرف سے اس کی مہمانی ہوتی ہے۔ لیکن آپ نے جو پانی کے متعلق سوال کیا اور سوال کرنا ناپسندیدہ ہوتا ہے تو اس سوال کی وجہ سے آپ اس نعمت سے محروم ہو گئے ۔

(۱۲۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ میں جب پہلی دفعہ قادیان آیا تو حضرت صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے والد صاحب کا کیا حال ہے ؟ میں نے کہا۔ حضور آپ نے کس کا نام لے دیا میرا والد تو بہت بُرا آدمی ہے۔ شراب پیتا ہے۔ اور بُری بُری عادتیں ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا توبہ کرو اپنے والد کے متعلق ایسا نہیں کہنا چاہیئے۔ پھر آپ نے مجھے یہ حدیث سُنائی کہ بعض اوقات ایک آدمی بُرے اعمال کرتے کرتے دوزخ کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے۔ لیکن پھر وہ وہاں سے واپس ہوتا ہے۔ اور نیک اعمال شروع کرتا ہے اور آخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ اسکے بعد میرے والد صاحب کی حالت میں تغیر آیا اور پھر آخران کا انجام نہایت اچھا ہوا اور حضرت مسیح موعود کے ساتھ انہیں

عشق کی سی حالت ہوگئی تھی۔

(۱۲۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حقیقی ہمشیرہ مراد بی بی مرزا محمد بیگ ہوشیار پوری کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ مگر مرزا محمد بیگ جلد فوت ہوگئے اور ہماری پھوپھی کو باقی ایام زندگی بیوگی کی حالت میں گذارنے پڑے۔ ہماری پھوپھی صاحب رویاء کشف تھیں۔ مرزا محمد بیگ مذکور کے چھوٹے بھائی مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چچیرے بھائیوں یعنی مرزا نظام الدین وغیرہ کی حقیقی بہن عمر النساء بیاہی گئی تھیں ان کے بطن سے محمدی بیگم پیدا ہوئی۔ مرزا نظام الدین و مرزا امام الدین وغیرہ پہلے درجہ کے بیہودہ اور دہریہ طبع لوگ تھے۔ اور مرزا احمد بیگ مذکور ان کے سخت زیر اثر تھا اور انہیں کے رنگ میں رنگین رہتا۔ یہ لوگ ایک عرصہ سے حضرت مسیح موعود سے نشان آسمانی کے طالب رہتے تھے کیونکہ اسلامی طریق سے انحراف اور عناد رکھتے تھے اور والد محمدی بیگم یعنے مرزا احمد بیگ ان کے اشارہ پر چلتا تھا۔ اب واقعہ یوں ہوا کہ حضرت مسیح موعود کا ایک اور چچازاد بھائی مرزا غلام حسین تھا۔ جو عرصہ سے مفقود الخبر ہو چکا تھا۔ اور اسکی جائداد اس کی بیوی امام بی بی کے نام ہو چکی تھی۔ یہ امام بی بی مرزا احمد بیگ مذکور کی بہن تھی۔ اب مرزا احمد بیگ کو یہ خواہش پیدا ہوئی۔ کہ مسمات امام بی بی اپنی جائداد اسکے لڑکے مرزا محمد بیگ برادر کلاں محمدی بیگم کے نام ہبہ کر دے۔ لیکن قانوناً امام بی بی اس جائداد کا ہبہ بنام محمد بیگ مذکور بلا رضامندی حضرت مسیح موعود نہ کر سکتی تھی۔ اسلیئے مرزا احمد بیگ بتمام عجز و انکساری حضرت مسیح موعود کیطرف ملتجی ہوا کہ آپ ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں۔ چنانچہ حضرت صاحب قریباً تیار ہو گئے۔ لیکن پھر اس خیال سے رُک گئے۔ کہ دریں بارہ مسنون استخارہ کر لینا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے مرزا احمد بیگ کو یہی جواب دیا کہ میں استخارہ کرنیکے بعد دستخط کرنے ہونگے۔ تو کر دونگا۔ چنانچہ اسکے بعد مرزا احمد بیگ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا۔ گویا آسمانی نشان کے دکھانے کا وقت آن پہنچا تھا۔ جس کو خدا تعالےٰ نے اس پیرایہ میں

ظاہر کر دیا۔ چنانچہ استخارہ کے جواب میں خداوند تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود سے یہ فرمایا کہ "اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لیئے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہدے کہ تمام سلوک اور مروت تم سے اسی شرط سے کیا جائیگا۔ اور یہ نکاح تمہارے لیئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤگے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائیگی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائیگا۔ اور انکے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیئے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئینگے"۔ اس وحی الٰہی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نوٹ دیا کہ "تین سال تک فوت ہونا روز نکاح کے حساب سے ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ کوئی واقعہ اور حادثہ اس سے پہلے نہ آوے۔ بلکہ مکاشفات کے رو سے مکتوب الیہ (یعنی مرزا احمد بیگ) کا زمانہ حوادث جن کا انجام معلوم نہیں نزدیک پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم"۔ جب استخارہ کے جواب میں یہ وحی ہوئی تو حضرت مسیح موعودؑ نے اسے شایع نہیں فرمایا۔ بلکہ صرف ایک پرائیویٹ خط کے ذریعہ سے والدہ محمدی بیگم کو اس سے اطلاع دیدی۔ کیونکہ آپ کو یقین تھا۔ کہ وہ اسکی اشاعت سے رنجیدہ ہوگا لہذا آپ نے اشاعت کے لیئے مصلحتاً دوسرے وقت کی انتظار کی۔ لیکن جلد ہی خود لڑکی کے ماموں مرزا نظام الدین نے شدت غضب میں آکر اس مضمون کو آپ ہی شایع کر دیا اور علاوہ زبانی اشاعت کے اخباروں میں بھی اس خط کی خوب اشاعت کی۔ تب پھر حضرت مسیح موعود کو بھی اظہار کا عمدہ موقعہ ملگیا +

(۱۲۸) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ ہمارے آباء میں سے وہ بزرگ جو ابتداءً ہندوستان میں آکر آباد ہوئے ان کا نام مرزا ہادی بیگ تھا انکے ہندوستان میں آکر آباد ہونیکا زمانہ ۱۵۳۰ء کے قریب کا معلوم ہوتا ہے یعنی ایسا پتہ چلتا ہے کہ یا تو وہ بابر بادشاہ کے ساتھ آئے تھے یا کچھ عرصہ بعد۔ مرزا ہادی بیگ حاجی برلاس کی اولاد میں

سے تھے۔ جو تیمور کے چچا تھے۔ مرزا ہادی بیگ سے لیکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک کا شجرہ نسب مشمولہ ورق پر درج ہے۔ اس شجرہ میں جن خانوں کے کونوں میں آڑے خطوط دکھائے گئے ہیں۔ ان میں ایسے لوگوں کے نام درج ہیں۔ جن کی نسل آگے نہیں چلی۔

(۱۲۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی جگہ اپنے قلم سے اپنے اور اپنے خاندان کے حالات لکھے ہیں مگر سب سے مفصل وہ بیان ہے جو کتاب البریہ میں درج ہے یہ بیان ایسا تو نہیں ہے کہ اس میں سب ضروری باتیں آگئی ہوں اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حالات جو حضرت مسیح موعود نے خود دوسری جگہ تحریر فرمائے ہیں۔ وہ سب اسمیں آگئے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بیان سب سے زیادہ مفصل ہے اور حضرت صاحب نے ایک خاص تحریک کی بناء پر تحریر فرمایا تھا اسلیئے اسکے خاص خاص حصے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں:۔

"اب میرے سوانح اس طرح پر ہیں۔ کہ میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضےٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پڑدادا صاحب کا نام گل محمد تھا۔ اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ ہماری قوم مغل برلاس[1] ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور انکے ساتھ

---

[1] حاشیہ۔ عرصہ سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا کہ خدا تعالےٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے باپ دادے فارسی الاصل ہیں۔ وہ تمام الہامات میں نے ان ہی دنوں میں براہین احمدیہ کے حصہ دوم میں درج کر دیئے تھے۔ جن میں سے میری نسبت ایک یہ الہام ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ پھر دوسرا الہام میری نسبت یہ ہے لو کان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس۔ یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہیں جا کر اسکو لے آتا اور پھر ایک تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے ان الذین کفروا ردّ علیہم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ۔ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے انکے مذاہب کو ردّ کر دیا۔ خدا اسکی کوشش کا شکر گزار ہے۔ غرض یہ تمام الہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آباء اوّلین فارسی تھے۔ والحق ما اظہرہ اللہ۔ منہ۔

قریباً دوسو آدمی انکے توابع اور خدام اور اہل وعیال میں سے تھے اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ میں جو اسوقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا۔ جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشۂ شمال مشرق واقع ہے فروکش ہوگئے جسکو انہوں نے آباد کرکے اس کا نام اسلام پور رکھا جو نیچے سے اسلام پور قاضی ماجھی کے کے نام سے مشہور ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ پر قاضی رہا اور پھر آخر قادی بنا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بنگیا اور قاضی ماجھی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ یہ علاقہ جس کا طولانی حصّہ قریباً ساٹھ کوس ہے۔ ان دِنوں میں سب کا سب ماجھ کہلاتا تھا۔ غالباً اس وجہ سے اس کا نام ماجھ تھا۔ کہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی تھیں۔ اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی۔ اسلیئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے۔ مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے۔ کہ اُس ملک میں بھی وہ معزز امرا اور خاندان والیانِ مُلک میں سے تھے۔ اور انہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس ملک میں آکر بادشاہِ وقت کی طرف سے بہت سے دیہات بطور جاگیر انکو ملے۔ چنانچہ اس نواح میں ایک مستقل ریاست انکی ہوگئی +

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پڑدادا صاحب مرزا گل محمدؒ ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے۔ جنکے پاس اسوقت ۸۵ گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے انکے قبضہ سے نکل گئے۔ تاہم ان کی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی۔ کہ اسقدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دیدیئے تھے۔ جو اب تک انکے پاس ہیں۔ غرض وہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنی نواح میں ایک خودمختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانسو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ ان کے دسترخوان پر روٹی کھاتے تھے اور ایکسو کے قریب

علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے انکے پاس رہتے تھے۔ جنکے کافی وظیفے مقرر تھے۔ اور ان کے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات انکی ایسی مشہور ہیں۔ جنکی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقوٰی اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردیٔ مسلماناں کی صفت میں نہایت مشہور تھے اور انکی مجلس میں بیٹھنے والے سب کے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے چنانچہ میں نے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سنا ہے۔ کہ اس زمانہ میں ایک دفعہ ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا۔ جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا اور اسنے مرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقوٰی اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا اور ان کے اس مختصر دربار کو نہایت متین اور عقلمند اور نیک چلن اور بہادروں سے پُر پایا تب وہ چشم پُر آب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے۔ جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں۔ تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لیے کوشش کرتا۔ کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسکو تخت دہلی پر بٹھایا جائے۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ کہ میرے پڑدادا صاحب موصوف یعنی میرزا گل محمد نے ہچکی کی بیماری سے جسکے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کیوقت اطباء نے اتفاق کرکے کہا۔ کہ اس مرض کے لیے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے۔ تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا۔ مگر جرأت نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر بعض نے ان میں سے ایک نرم تقریر میں عرض کردیا تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اسکی پیدا کردہ اور بہت سی دوائیں ہیں میں نہیں چاہتا۔ کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں۔ اور میں خدا کے قضاء و قدر پر راضی

ہوں۔ آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرما گئے۔ موت تو مقدر تھی۔ مگر یہ ان کا طریق تقوٰے ہمیشہ کے لیئے یادگار رہا۔ کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔
اب خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ جب میرے پڑدادا صاحب فوت ہوئے۔ تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد فرزند رشید انکے گدی نشین ہوئے انکے وقت میں خدا تعالےٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کیلیئے بہت تدبیریں کیں۔ مگر جبکہ قضاء و قدر انکے ارادہ کے موافق نہ تھی۔ اسلیئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ یہاں تک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک قادیان رہ گئی۔ اور قادیان اسوقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا۔ اور اسکے چار برج تھے۔ اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے۔ اور چند توپیں تھیں اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اسقدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل اسپر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا۔ اول فریب کی راہ سے اجازت لے کر قادیان میں داخل ہوا۔ اور پھر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی۔ اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے۔ اور ان کے مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کیئے گئے۔ اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں سے ابتک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے۔ دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا جس میں پانسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا۔ جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچکر ہمارے بزرگوں کو نکلجانیکا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے۔ اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ان ہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دیگئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری

زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضےٰ قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے۔ اور لاہور سے لیکر پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اسکی حکمداری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں ملکر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہگئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضےٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمتگذاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے۔ اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عندالضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے بجلدوے خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں۔ چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسانِ پنجاب" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لیئے حکامِ وقت ڈپٹی کمشنر کمشنر انکے مکان پر آکر انکی ملاقات کرتے تھے۔ یہ مختصر میرے خاندان کا حال ہے۔ میں ضروری نہیں دیکھتا۔ کہ اسکو بہت طوالت دوں .....

میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے ایکدفعہ ہندوستان کا پیادہ پا سیر بھی کیا۔ لیکن میری پیدائش کے دنوں میں انکی تنگی کا زمانہ فراخی کیطرف بدل گیا تھا۔ اور یہ خدا تعالےٰ کی رحمت ہے کہ میں نے ان کے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا۔ اور نہ اپنے دوسرے برادرانکی ریاست اور ملکداری سے کچھ حصہ پایا۔

بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی۔ کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خوان معلم میرے لیئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند

فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر قریباً دس برس کی ہوئی۔ تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالےٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی۔ اسلیئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے۔ اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے۔ اور بعد اسکے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا۔ تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ انکو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانیکے لیئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہانتک خدا تعالےٰ نے چاہا حاصل کیا۔ اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔ اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کیطرف اسقدر توجہ تھی۔ کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے۔ کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے۔ کہ صحت میں فرق نہ آوے۔ اور نیز ان کا یہ بھی مطلب تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر انکے غموم و ہموم میں شریک ہو جاؤں۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ میرے والد صاحب اپنے بعض آباء و اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لیئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضایع گیا۔ اور اسکے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اس لیئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا رہا۔ لیکن ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ پر تھی۔ مگر وہ چاہتے تھے۔ کہ دنیا داروں کی طرح مجھے

دیں۔ اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب مشنر نے قادیان میں آنا چاہا میرے والد صاحب نے بار بار مجھ کو کہا کہ انکی پیشوائی کے لیئے دو تین کوس جانا چاہیئے۔ مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا۔ اسلیئے نہ جا سکا۔ پس یہ امر بھی انکی ناراضگی کا موجب ہوا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ میں دُنیوی امور میں ہر دم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دُنیا کے لیئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لیئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا۔ اور ان کے لیئے دُعا میں مشغول رہتا تھا۔ اور وہ مجھے دِلی یقین سے بر بالوالدین جانتے تھے۔ اور بسا اوقات کہا کرتے تھے۔ کہ "میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دُنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ورنہ میں جانتا ہوں۔ کہ جس طرف اس کی توجہ ہے۔ یعنی دین کیطرف صحیح اور سچ بات یہی ہے۔ ہم تو اپنی عمر ضایع کر رہے ہیں" ایسا ہی انکے زیر سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کیساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جُدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا۔ اس لیئے ان کے حکم سے جو عین میری منشاء کے موافق تھا۔ میں نے استعفا دیکر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا۔ اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا۔ تو بدستور ان ہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا۔ اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا۔ جس کا انجام آخر ناکامی تھی۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات

مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے۔ اور ان کا واپس آنا ایک خیال خام تھا اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی کرنے کا موقعہ حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا۔ جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔ اگرچہ حضرت والد صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے۔ اور سرکار انگریزی کیطرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا۔ اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی۔ مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے۔ اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے۔ اور بارہا کہتے تھے۔ کہ جسقدر میں نے اس پلید دنیا کیلئے سعی کی ہے اگر میں وہ سعی دین کے لیئے کرتا۔ تو شاید آج قطب یا غوث وقت ہوتا اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عمر بگذشت نماندست جوایامے چند ✦ بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے ؎

از درِ تو اے کس ہر نیکسے ✦ نیست امیدم کہ روم ناامید

اور کبھی دردِ دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے ؎

بآب دیدۂ عشاق وضو کنائی کسے ✦ مراد لے ست کہ در خوں تپد بجائی کسے

حضرت عزت جل شانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانیکی حسرت روز بروز آخری عمر میں ان پر غلبہ کرتی گئی تھی۔ بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے۔ کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لیئے میں نے اپنی عمر ناحق ضایع کردی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ ایک بڑی شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں۔ جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے۔ تو میں اسوقت آپ کی طرف پیشوائی کے لیئے دوڑا جب قریب پہنچا۔ تو میں نے سوچا۔ کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جس میں صرف ایک روپیہ تھا اور جب غور

سے دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ بھی کھوٹا ہے۔ یہ دیکھ کر میں چشم پُر آب ہو گیا۔ اور پھر آنکھ کھل گئی۔ اور پھر آپ ہی تعبیر فرمانے لگے۔ کہ دُنیا داری کے ساتھ خدا اور رسول کی محبت ایک کھوٹے روپیہ کی طرح ہے۔ اور فرمایا کرتے۔ کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخر حصہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں گذرا اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی۔ اور اپنے والد صاحب یعنے میرے پڑدادا صاحب کا ایک شعر بھی سُنایا کرتے تھے۔ جس کا ایک مصرع راقم کو بھول گیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ع

"کہ جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے"

اور یہ غم اور درد ان کا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی۔ کہ جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو۔ تا خدائے عزوجل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے۔ کیا عجب کہ یہی ذریعۂ مغفرت ہو چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی۔ اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں۔ کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہکر مرض پیچش سے فوت ہو گئے۔ اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا۔ دفن کئے گئے۔ اللھم ارحمہ وادخلہ الجنۃ۔ آمین۔ قریباً اسی یا پچاسی برس کی عمر پائی۔

ان کی یہ حسرت کی باتیں کہ میں نے کیوں دُنیا کے لیئے وقت عزیز کھویا اب تک میرے دِل پر دردناک اثر ڈال رہی ہیں۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ ہر ایک شخص جو دُنیا کا طالب ہوگا۔ آخر اس حسرت کو ساتھ لے جائیگا جسنے سمجھنا ہو سمجھے..... مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا۔ کہ اب انکے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اسوقت لاہور میں تھا۔ جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب میں جلدی سے قادیان پہنچا۔ اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا۔ لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی۔ کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرض کی شدت کم ہو گئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے دوسرے دن شدت دوپہر کے وقت ہم سب عزیزاں

کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا۔ کہ اسوقت تم ذرا آرام کرلو۔ کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کیلئے ایک چوبارہ میں چلا گیا۔ اور ایک نوکر پیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا۔ والسماء والطارق یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضاء و قدر کا مبدء ہے۔ اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا۔ اور مجھے سمجھایا گیا۔ کہ یہ الہام بطور عزا پرسی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے۔ کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائیگا۔ سبحان اللہ کیا شانِ خداوند عظیم ہے۔ کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضایع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوتا ہے۔ اسکی وفات کو عزا پرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجب کرینگے۔ کہ خدا تعالےٰ کی عزا پرسی کیا معنے رکھتی ہے مگر یاد رہے۔ کہ حضرت عزوجل شانہ جب کسی کو نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے۔ تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ کا ہنسنا بھی حدیثوں میں آیا ہے۔ انہی معنوں کے لحاظ سے آیا ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جل شانہ کیطرف سے یہ الہام ہوا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلاء ہمیں پیش آئیگا۔ تب اُسی وقت یہ دوسرا الہام ہوا الیس اللہ بکاف عبدہ۔ یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟ اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا۔ اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا۔ پس مجھے اس خدائے عزوجل کی قسم ہے۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ اسنے اپنے اس مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کرکے دکھلایا۔ کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا۔ میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اسکے وہ متواتر احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ

میں ان کا شمار کر سکوں۔ اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہو گئے۔ یہ ایک پہلا دن تھا جو میں نے بذریعہ خدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جسکی نسبت میں خیال نہیں کر سکتا۔ کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ میں نے اس الہام کو ان ہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر اسکی انگشتری بنائی۔ جو بڑی حفاظت سے اب تک رکھی ہوئی ہے۔ غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایک طرف انکا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ کہ میرا کون سا عمل تھا۔ جسکی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں۔ کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالےٰ کیطرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے۔ جو کسی چیز کے روکنے سے رُک نہیں سکتی۔ سو یہ اسی کی عنایت ہے۔ میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں۔ اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کیطرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا۔ اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی۔ اور نہ خلاف سُنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا۔ جسپر خدا تعالےٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا۔ جو انواع اقسام کے بدعات میں مبتلا ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ انکا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا اور اسنے یہ ذکر کرکے کہ کسیقدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لیے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے" اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ کہ میں اس سنت اہل بیت رسالت کو بجا لاؤں۔ سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا۔ کہ اس امر کو مخفی طور پر بجا لانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشستگاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کرکے وقت پر حاضری کے لیے تاکید کر دی تھی دے دیتا۔ اور اس طرح تمام دن روزہ میں گزارتا۔ اور بجز خدا تعالےٰ کے ان روزوں کی کسی کو

خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا۔ کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھا لیتا ہوں۔ مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں بہتر ہے کہ کسیقدر کھانے کو کم کردوں سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا یہانتک کہ رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اور اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہانتک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا۔ اور باوجود اسقدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اسپر صبر نہیں کرسکتا خدا تعالےٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو علےٰ طبقہ کے اولیاء اس اُمت میں گذر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ حسنین و علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا.....

غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع اقسام کے مکاشفات تھے ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کرسکتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لیئے مجبور کیا جاوے۔ تو قبل اسکے کہ مجھے کھانیکے لیئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کس حد تک فاقہ کشی میں ترقی کرسکتا ہے۔ اور جبتک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا متنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہوسکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا۔ کہ ایسا کرے اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔ بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے اور دین العجائز اختیار رکھے۔ آجکل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں۔ ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پس ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔" (منقول از کتاب البریہ صفحہ ۱۳۴ تا ۱۳۶)

(خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ کتاب البریہ کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی مندرجہ ذیل تصانیف میں اپنے خاندانی حالات کا ذکر کیا ہے۔ ازالۂ اوہام۔ آئینۂ کمالات اسلام حصہ عربی۔ استفتاء عربی۔ لجۃ النور۔ تریاق القلوب۔ کشف الغطاء۔ شہادت القرآن۔ تحفہ قیصریہ۔ ستارہ قیصریہ۔ نجم الہدیٰ۔ اشتہار ۱۸۹۷ء)

(۱۳۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بندوبست مال ۱۸۶۵ء کے کاغذات کے ساتھ جو ہمارے خاندان کا شجرہ نسب منسلک ہے اس میں قصبہ قادیان کی آبادی اور وجہ تسمیہ کے عنوان کے نیچے بثبت دستخط مرزا غلام مرتضےٰ صاحب و مرزا غلام حیلانی و مرزا غلام محی الدین وغیرہ یہ نوٹ درج ہے کہ "عرصہ چودہ پشت کا گزرا۔ کہ مرزا ہادی بیگ قوم مغل گوت برلاس مورث اعلیٰ ہم مالکان دیہہ کا بعہد شاہانِ سلف ملک عرب سے بطریق نوکری ہمراہ بابر شاہ بادشاہ کے آکر حسب اجازت شاہی اس جنگل افتادہ میں گاؤں آباد کیا۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مورثان ہمارے کو جانب بادشاہ سے عہدہ قضا کا عطا ہوا تھا۔ بباعث لقب قاضیاں کے نام گاؤں کا قاضیان اسلام پور رکھا پھر رفتہ رفتہ غلطی عوام الناس سے قصبہ قادیان مغلاں مشہور ہو گیا تب سے برابر آباد چلا آتا ہے۔ کبھی ویران نہیں ہوا۔" (اس روایت میں جو عرب سے آنا بیان ہوا ہے۔ یہ غالباً سہو کتابت ہے)

(۱۳۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مغلیہ سلطنت کی تباہی پر پنجاب کا ملک خصوصاً اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصہ میں خطرناک طمع الف الملوکی کا منظر رہا ہے۔ شمال سے احمد شاہ ابدالی اور شاہ زمان کے حملے ایک عارضی تسلط سے زیادہ اثر نہیں رکھتے تھے اور دراصل سکھ قوم کا دور دورہ شروع ہو چکا تھا۔ لیکن چونکہ ابھی تک سکھ قوم کے اندر اتحاد و انتظام کا مادہ مفقود تھا اور نہ ہی ان کا اسوقت کوئی واحد لیڈر تھا۔ اس لیئے ان کا عروج بجائے امن پیدا کرنے کے آپس کے جنگ و جدال کی وجہ سے پرلے درجہ کا امن شکن ہو رہا تھا۔ اس زمانہ میں سکھ بارہ مسلوں یعنی بارہ جتھوں اور گروہوں میں منقسم تھے اور ہر مسل اپنے سردار یا سرداروں کے ماتحت مار دھاڑ کر کے اپنے واسطے خود مختار ریاستیں بنا رہی تھی

اس وجہ سے اس زمانہ میں پنجاب کے اندر ایک مستقل سلسلہ کشت وخون کا جاری تھا۔ اور کسی کا مال وجان اور آبرو محفوظ نہ تھی۔ حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ راجہ رنجیت سنگھ نے سب کو زیر کرکے پنجاب میں ایک واحد مرکزی سکھ حکومت قائم کردی۔ قادیان اور اسکے گردونواح کا علاقہ چونکہ ہمارے بزرگوں کے زیر حکومت تھا۔ اس لئے اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں ہمارے بزرگوں کو بھی سکھوں کے ساتھ بہت سے معرکے کرنے پڑے۔ جن سکھ مسلوں کے ساتھ ہمارے بزرگوں کا واسطہ پڑا وہ رام گڑھی مسل اور کنہیا مسل کے نام سے مشہور تھیں۔ کیونکہ قادیان کی ریاست کا علاقہ زیادہ تر انہی دو مسلوں کے علاقہ سے ملتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پڑدادا مرزا گل محمد صاحب نے ایک حد تک سکھوں کی دست بُرد سے اپنے علاقہ کو بچائے رکھا لیکن پھر بھی بہت سے دیہات ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مگر ان کی وفات کے بعد جو غالباً ۱۸۰۰ء میں ہوئی اُن کے فرزند مرزا عطا محمد صاحب کے زمانہ میں جلد ہی قادیان کے گردونواح کا سارا علاقہ اور بالآخر خود قادیان سکھوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ اور مرزا عطا محمد صاحب اپنی جدی ریاست سے نکل جانے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ مرزا عطا محمد صاحب دریائے بیاس سے پار جاکر موضع بیگووال میں سردار فتح سنگھ اہلووالیہ رئیس علاقہ کے مہمان ٹھہرے۔ سردار موصوف اہلووالیہ مسل کا سرگروہ تھا۔ اور اس زمانہ میں ایک بڑا ذی اقتدار شخص تھا۔ موجودہ راجہ صاحب کپورتھلہ اسی کے سلسلہ میں سے ہیں۔ بارہ سال کے بعد مرزا عطا محمد صاحب کو بیگووال میں ہی دشمنوں کے ہاتھ سے زہر دے دیا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے واللہ اعلم کہ رام گڑھی مسل کے مشہور و معروف سرگروہ جسا سنگھ نے خود یا اسکے متبعین نے غالباً ۱۸۰۲ء کے قریب قریب قادیان پر قبضہ پایا ہے۔ جسا سنگھ ۱۸۰۳ء میں مرگیا اور اسکے علاقہ کے بیشتر حصہ پر اسکے بھتیجے دیوان سنگھ نے قبضہ کرلیا۔ چنانچہ دیوان سنگھ کے ماتحت قریباً پندرہ سال رام گڑھی مسل قادیان پر قابض رہی جسکے بعد رنجیت سنگھ نے رام گڑھیوں کو زیر کرکے ان کا تمام علاقہ اپنے قبضہ میں کرلیا

یہ ۱۸۱۶ء کے بعد کی بات ہے اسکے بعد غالباً ۱۸۳۴ء یا ۱۸۳۵ء کے قریب راجہ رنجیت سنگھ کیطرف سے ہمارے دادا مرزا غلام مرتضےٰ صاحب کو قادیان کی جاگیر واپس ملگئی۔ اس دوران میں ہمارے دادا صاحب کو بڑے بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

(۱۳۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ کتاب پنجاب چیفس یعنی تذکرہ رؤسائے پنجاب میں جسے اولاً سر لیپل گریفن نے زیر ہدایت پنجاب گورنمنٹ تالیف کرنا شروع کیا اور بعد میں مسٹر میسی اور مسٹر کریک نے (جواب بوقت ایڈیشن ثانی کتاب ہذا سر ہنری کریک کی صورت میں گورنمنٹ آف انڈیا کے ہوم ممبر ہیں) علی الترتیب گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے اسے مکمل کیا اور اسپر نظر ثانی کی ہمارے خاندان کے متعلق مندرجہ ذیل نوٹ درج ہے:۔

"شہنشاہ بابر کے عہد حکومت کے آخری سال یعنے ۱۵۳۰ء میں ایک مغل مسمی ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا۔ اور ضلع گورداسپور میں بود و باش اختیار کی یہ شخص کچھ عالم آدمی تھا۔ اور قادیان کے گرد و نواح کے ستر مواضعات کا قاضی یا حاکم مقرر کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ قادیان اسی نے آباد کیا۔ اور اس کا نام اسلام پور قاضی رکھا جو بگڑتے بگڑتے قادیان ہوگیا۔ کئی پشتوں تک یہ خاندان شاہی حکومت کے ماتحت معزز عہدوں پر ممتاز رہا اور محض سکھوں کے عروج کے زمانہ میں یہ افلاس کی حالت میں ہوگیا تھا۔ گل محمد اوس کا بیٹا عطا محمد رام گڑھیہ اور کنھیا مسلوں سے جن کے قبضے میں قادیان کے گرد و نواح کا علاقہ تھا۔ ہمیشہ لڑتے رہے اور آخر کار اپنی تمام جاگیر کھو کر عطا محمد بیگووال میں سردار فتح سنگھ اہلووالیہ کی پناہ میں چلا گیا اور وہاں بارہ سال تک امن کی زندگی بسر کی۔ اسکی وفات پر رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھیہ مسل کی جاگیر پر قابض ہوگیا تھا غلام مرتضےٰ کو قادیان واپس بلالیا۔ اور اسکی جدی جاگیر کا ایک معقول حصہ اسے واپس کر دیا اسپر غلام مرتضےٰ اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوگیا۔ اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

نونہال سنگھ شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دَور دَورہ میں غلام مرتضیٰ ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں یہ جنرل وینچورا کے ساتھ منڈی اور کُلّو کی طرف بھیجا گیا اور ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیندار بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدے میں اسنے کارہائے نمایاں کیئے اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو وہ اپنی سرکار کا وفادار رہا اور اس کیطرف سے لڑا۔ اس موقعہ پر اسکے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج کو لیئے دیوان مُولراج کی امداد کے واسطے ملتان جارہا تھا۔ تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداران لنگر خان ساہیوال اور صاحب خان ٹوانہ نے مُسلمان آبادی کو برانگیختہ کیا اور مصر صاحبدیال کی فوج کے ساتھ ملکر باغیوں پر حملہ کرکے ان کو شکست فاش دی۔ اور دریائے چناب کی طرف دھکیل دیا۔ جہاں چھ سو سے زیادہ باغی دریا میں غرق ہوکر ہلاک ہوگئے۔

انگریزی گورنمنٹ کی آمد پر اس خاندان کی جاگیر ضبط ہوگئی۔ مگر سات سو کی ایک پنشن غلام مرتضےٰ اور اسکے بھائیوں کو عطا کیگئی اور قادیان اور اسکے گردو نواح پر انکے حقوق مالکانہ قائم رہے۔ اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء میں نہایت عمدہ خدمات کیں۔ غلام مرتضیٰ نے بہت سے آدمی بھرتی کیئے اور اس کا بیٹا غلام قادر اسوقت جنرل نکلسن کی فوج میں تھا۔ جبکہ افسر موصوف نے تریمو گھاٹ پر نمبر ۴۶ نیو انفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے۔ تہ تیغ کیا تھا۔ جنرل نکلسن نے غلام قادر کو ایک سند دی۔ جس میں یہ لکھا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں خاندان قادیان نے ضلع کے دُوسرے تمام خاندانوں سے زیادہ وفاداری دکھائی ہے"

(۱۳۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ رسالہ کشف الغطاء میں جو حکام گورنمنٹ کیواسطے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا تھا حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میرا خاندان ایک خاندان ریاست ہے اور میرے بزرگ والیان ملک اور خود سرامیر تھے۔ جو سکھوں کے وقت میں یکلخت تباہ ہوئے اور سرکار انگریزی کا اگرچہ سب پر احسان ہے

مگر میری بزرگوں پر سب سے زیادہ احسان ہے کہ انہوں نے اس گورنمنٹ کے سایۂ دولت میں آکر ایک آتشی تنور سے رہائی پائی اور خطرناک زندگی سے امن میں آگئے۔ میرا باپ میرزا غلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک نیکنام رئیس تھا اور گورنمنٹ کے اعلیٰ افسروں نے پُرزور تحریروں کے ساتھ لکھا۔ کہ وہ اس گورنمنٹ کا سچا مخلص اور وفادار ہے اور میرے والد صاحب کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور ہمیشہ اعلیٰ حکام عزت کی نگاہ سے ان کو دیکھتے تھے۔ اور اخلاق کریمانہ کی وجہ سے حکام ضلع اور قسمت کبھی کبھی انکے مکان پر ملاقات کے لیئے بھی آتے تھے۔ کیونکہ انگریزی افسروں کی نظر میں وہ ایک وفادار رئیس تھے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ انکی اس خدمت کو کبھی نہیں بھولیگی کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء کے ایک نازک وقت میں اپنی حیثیت سے بڑھکر پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس سوار اپنے عزیزوں اور دوستوں سے مہیا کرکے گورنمنٹ کی امداد کیلیئے دیئے تھے۔ چنانچہ ان سواروں میں سے کئی عزیزوں نے ہندوستان میں مردانہ لڑائی مفسدوں سے کرکے اپنی جانیں دیں اور میرا بھائی مرزا غلام قادر تتوں کے تین کی لڑائی میں شریک تھا۔ اور بڑی جانفشانی سے مدد دی۔ غرض اسیطرح میرے بزرگوں نے اپنے خون سے اپنے مال اپنی جان سے اپنی متواتر خدمتوں سے اپنی وفاداری کو گورنمنٹ کی نظر میں ثابت کیا ہے سو انہی خدمات کی وجہ سے میں یقین رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ عالیہ ہمارے خاندان کو معمولی رعایا میں سے نہیں سمجھیگی۔ اور اسکے اس حق کو کبھی ضایع نہیں کریگی۔ جو بڑے فتنے کے وقت میں ثابت ہو چکا ہے۔ سر لیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں میرے والد صاحب اور میرے بھائی مرزا غلام قادر کا ذکر کیا ہے اور میں ذیل میں ان چند چٹھیات حکام بالادست کو درج کرتا ہوں جن میں میرے والد صاحب اور میرے بھائی کی خدمات کا کچھ ذکر ہے:۔

نقل مراسلہ

ولسن صاحب نمبر ۳۵۳
تہور پناہ شجاعت دستگاہ

Translation of Certificate of J. M. Wilson.

To

Mirza Ghulam Murtaza Khan

Chief of Qadian

I have perused your application reminding me of your and your family's past services and rights. I am well aware that since the introduction of the British Government you and your family have certainly remained devoted, faithful and steady subjects and that your rights are really worthy of regard. In every respect you may rest assured and satisfied that the British Government will never forget your family's rights and services which will receive due consideration when a favourable opportunity offers itself.

You must continue to be faithful and devoted subjects as in it lies the satisfaction of the Government and your welfare

1/5/1849 Lahore

Translation of Mr. Robert Cust's

Memorandum

مرزا غلام مرتضےٰ رئیس
قادیان حفظہ

عریضۂ شما مشعر بر یاد دہانی
خدمات و حقوقِ خود و خاندان
خود بملاحظہ حضور ایں جانب
آمد۔ ما خوب میدانیم کہ بلاشک شما
و خاندانِ شما از ابتدائے دخل و
حکومتِ سرکار انگریزی جاں نثار
وفاکیش ثابت قدم ماندہ اید و حقوق
شما در اصل قابل قدر اند۔ بہر نہج
تسلی و تشفی دارید۔ سرکار انگریزی
حقوق و خدمات خاندان شما ہرگز
فراموش نخواہد کرد۔ بموقعہ مناسب
بر حقوق و خدمات شما غور و توجہ کردہ
خواہد شد۔ باید کہ ہمیشہ ہوا خواہ و
جان نثار سرکار انگریزی بمانند کہ
دریں امر خوشنودی سرکار و بہبودی
شما متصور است۔ فقط

المرقوم ۱۱ جون ۱۸۴۹ء
مقام لاہور انارکلی

نقل مراسلہ
رابرٹ کسٹ صاحب بہادر
کمشنر لاہور

Mirza Chulam Murtaza Khan

Chief of Qadian

As you rendered great help in enlisting sowars and supplying horses to Government in the Mutiny of 1857 and maintained loyalty since its beginning up-to-date and thereby gained the favour of the Government a khilat worth Rs. 200/- is presented as a recognition of good services and as a reward for your loyalty.

Moreover in accordance with the wishes of Chief Commissioner as conveyed in his No 576, dated 10th August 1858, this parwana is addressed to you as a token of satisfaction of Government for your fidelity and

epute

Translation of Robert Egerton

Financial Commissioners Letter

Dated 29 June 1875,

شہود و شجاعت و سنگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان بعافیت باشندہ مزا آنجہ کہ ہنگام مفسدہ ہندوستان موقوعہ ۱۸۵۷ء از جانب آپ کے رفاقت و خیر خواہی و مدد دہی سرکار دولتمدار انگلشیہ در باب نگہداشت سواران و بہم رسانی اسپان بخوبی بمنصہ ظہور پہنچی۔ اور شروع مفسدے سے آجتک آپ بدل ہوا خواہ سرکار رہے۔ لہذا باعث خوشنودی سرکار ہوا لہذا بتعلق اس خیر خواہی اور خیر سگالی کے خلعت بمبلغ دو صد روپیہ سرکار سے آپکو عطا ہوتا ہے۔ اور حسب منشا چٹھی صاحب چیف کمشنر بہادر نمبری ۵۷۶ مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۵۸ء پروانہ ہذا باظہار خوشنودی سرکار دولتمدار وفاداری بنام آپ لکھا جاتا ہے۔

مرقومہ تاریخ ۲۹ ستمبر ۱۸۷۵ء

نقل مراسلہ

فنانشل کمشنر پنجاب مشفق مہربان دوستان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظ۔

آپ کا خط ۲ ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحظہ حضور ایں جانب

My dear friend Ghulam Qadir.

I have perused your letter of the 2nd instant and deeply regret the death of your father Mirza Ghulam Murtaza who was a great well wisher and faithful chief of Government.

In consideration of your family services I will esteem you with the same respect as that bestowed on your loyal father. I will keep in mind the restoration and welfare of your family when a favourable opportunity occurs.

میں گذرا۔ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب آپ کے والد کی وفات سے ہمکو بہت افسوس ہوا۔ مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریزی کا اچھا خیر خواہ اور وفادار رئیس تھا۔ ہم آپکی خاندانی لحاظ سے اسیطرح عزت کرینگے۔ جس طرح تمہارے باپ وفادار کی کیجاتی تھی۔ ہم کو کسی اچھے موقعہ کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور بحالی کا خیال رہے گا۔

المرقوم ۲۹ جون ۱۸۷۶ء
الراقم سر رابرٹ ایجرٹن
صاحب بہادر لفٹنانٹ گورنر
پنجاب۔

(۱۳۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ کتاب پنجاب چیفس میں ہمارے خاندان کے حالات مابعد وفات مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے متعلق ذیل کا نوٹ لکھا ہے۔

"مرزا غلام مرتضیٰ جو ایک مشہور اور ماہر طبیب تھا ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا اور اسکا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا۔ مرزا غلام قادر لوکل افسران کی امداد کے واسطے ہمیشہ تیار رہتا تھا اور اسکے پاس ان افسران کے جن کا انتظامی امور سے تعلق تھا بہت سے سرٹیفکیٹ

تھے۔ یہ کچھ عرصہ تک دفتر ضلع گورداسپور میں سپرنٹنڈنٹ رہا ہے اس کا اکلوتا بیٹا صغر سنی میں فوت ہوگیا تھا اور اسنے اپنے بھتیجے سلطان احمد کو متبنّٰے بنا لیا تھا۔ جو غلام قادر کی وفات یعنی ۱۸۸۳ء سے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا ہے۔ مرزا سلطان احمد نے نائب تحصیلداری سے گورنمنٹ کی ملازمت شروع کی اور اب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے مرزا سلطان احمد قادیان کا نمبردار ہے۔ مگر نمبرداری کا کام بجائے اسکے اس کا چچازاد بھائی نظام دین جو غلام محی الدین کا سب سے بڑا لڑکا ہے کرتا ہے۔ نظام دین کا بھائی امام دین جو ۱۹۰۴ء میں فوت ہوا۔ دہلی کے محاصرہ کے وقت ہاڈسن ہارس میں رسالدار تھا۔ اس کا باپ غلام محی الدین تحصیلدار تھا۔

اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد جو غلام مرتضےٰ کا چھوٹا بیٹا تھا مسلمانوں کے ایک بڑے مشہور مذہبی سلسلہ کا بانی ہوا جو احمدیہ سلسلہ کے نام سے مشہور ہے مرزا غلام احمد ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا تھا اور اسکو بہت اچھی تعلیم ملی ۱۸۹۱ء میں اسنے بموجب مذہب اسلام مہدی یا مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا۔ چونکہ مرزا ایک قابل مذہبی عالم اور مناظر تھا اسلیئے جلد ہی بہت سے لوگوں کو اسنے اپنا معتقد بنا لیا۔ اور اب احمدیہ جماعت کی تعداد پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ مرزا عربی۔ فارسی اور اردو کی بہت سی کتابوں کا مصنف تھا جن میں اسنے مسئلہ جہاد کی تردید کی۔ اور یقین کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں نے مسلمانوں پر معتدبہ اثر کیا ہے۔ کئی سال تک مرزا غلام احمد نے بڑی مصیبت کی زندگی بسر کی۔ کیونکہ اپنے مذہبی مخالفوں کے ساتھ وہ ہمیشہ مباحثوں اور جھگڑوں مقدموں میں مبتلا رہا لیکن اپنی وفات سے پہلے جو ۱۹۰۸ء میں واقع ہوئی اسنے ایسا رتبہ حاصل کرلیا تھا کہ اسکے مخالف بھی اسے عزت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ اس سلسلہ کا صدر مقام قادیان ہے جہاں انجمن احمدیہ نے ایک بڑا سکول کھولا ہے اور ایک مطبع جاری کیا ہے جس کے ذریعہ سے سلسلہ کی خبروں کی اشاعت کی جاتی ہے۔ مرزا غلام احمد کا روحانی خلیفہ مولوی نورالدین ہوا ہے جو ایک مشہور طبیب ہے اور چند سال مہاراجہ کشمیر کی ملازمت میں رہچکا ہے مرزا غلام احمد کے اپنے رشتہ داروں میں سے اسکے مذہب کے پیرو بہت ہی کم ہیں۔

اس خاندان کو سالم موضع قادیان پر جو ایک بڑا موضع ہے۔ حقوق مالکانہ حاصل ہیں اور نیز تین ملحقہ مواضعات پر بشرح پانچ فی صدی حقوق تعلقداری ہیں۔"

اقتباس مندرجہ بالا میں مصنف سے بعض غلطیاں واقعات کے متعلق ہو گئی ہیں۔ جن کی اصلاح ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ لکھا ہے کہ ہمارے تایا صاحب نے مرزا سلطان احمد صاحب کو متبنّٰے بنالیا تھا۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ امر واقع اس طرح پر ہے کہ تایا صاحب کی وفات کے بعد تائی صاحبہ کی خواہش پر ان کو کاغذات مال میں افسران متعلقہ نے بطور متبنّٰے درج کر دیا تھا۔ دوسرے مرزا سلطان احمد صاحب کو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی خاندان کا بزرگ لکھا ہے جو درست نہیں۔ تیسرے مرزا نظام الدین کو مرزا سلطان احمد صاحب کا چچا زاد بھائی لکھا ہے یہ غلط ہے بلکہ مرزا نظام الدین چچا تھے۔ چوتھے مرزا نظام دین کو مرزا غلام محی الدین صاحب کا سب سے بڑا لڑکا لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ سب سے بڑے مرزا امام الدین تھے۔ پانچویں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کی پیدائش کی تاریخ ۱۸۳۹ء بیان کی ہے یہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے تحقیقات سے صحیح نہیں ثابت ہوتی بلکہ صحیح تاریخ ۱۸۳۶ء معلوم ہوتی ہے چھٹے یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے اپنے رشتہ داروں میں سے بہت ہی کم ان کے معتقد ہیں۔ یہ بات غلط ہے بلکہ امر واقع یہ ہے کہ شروع شروع میں بیشک بہت سے رشتہ داروں نے مخالفت کی تھی لیکن کچھ تو تباہ ہو گئے۔ اور بعضوں کو ہدایت ہو گئی چنانچہ اب بہت ہی کم رشتہ دار آپ کے مخالف رہ گئے ہیں اور اکثر آپ پر ایمان لاتے اور آپ کے خدام میں داخل ہیں علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود کی ترقی اور کامیابی کی وجہ یہ لکھی ہے۔ کہ ان کو بہت اچھی تعلیم ملی اور یہ کہ وہ ایک قابل مذہبی عالم اور مناظر تھے۔ یہ غلط ہے کیونکہ ظاہری کسبی علوم کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کوئی بڑے عالموں میں سے نہ تھے اور نہ ہی علم مناظرہ میں آپ کو کوئی خاص دسترس تھی۔ بلکہ شروع شروع میں تو آپ پبلک جلسوں میں کھڑے ہو کر تقریر کرنے سے بھی گھبراتے تھے۔ اور طبیعت میں حجاب تھا۔ مگر جب آپ کو خدا نے اس مقام پر کھڑا کیا تو پھر آپ کے اندر وہ طاقت آگئی کہ آپ کے ایک ایک دلیل سے دشمن کی کئی کئی صفیں کٹ کٹ کر گر جاتی تھیں اور آپ کا ایک ایک لفظ خصم کی گھنٹوں کی تقریر و تحریر پر پانی پھیر دیتا تھا اور سب سے

بڑھ کر یہ کہ آپ کو منہاج نبوت پر ایک مقناطیسی جذب دیا گیا تھا۔ جس سے سعید روحیں خود بخود آپ کی طرف کھچی چلی آتی تھیں اور خدا کی طرف سے آپکو ایک رعب عطا ہوا تھا جس کے سامنے دلیر سے دلیر دشمن بھی کانپنے لگ جاتا تھا اور آپ ایک معجز نما حسن و احسان سے آراستہ کئے گئے تھے۔ اور ہر قدم پر خدائی نصرت و تائید آپکے ساتھ تھی ورنہ آپ سے زیادہ عالم و منطقی دُنیا میں پیدا ہوئے اور حباب کی طرح اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

(۱۳۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے چوہدری حاکم علی صاحب نے کہ جب مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین مسجد مبارک کا راستہ دیوار کھینچکر بند کرنے لگے۔ تو حضرت صاحب نے چند آدمیوں کو جن میں میں بھی تھا فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ اور بڑی نرمی سے سمجھاؤ کہ یہ راستہ بند نہ کریں اس سے میرے مہمانوں کو بہت تکلیف ہوگی۔ اور اگر چاہیں تو میری کوئی اور جگہ دیکھ کر بے شک قبضہ کر لیں۔ اور حضرت صاحب نے تاکید کی کہ کوئی سخت لفظ استعمال نہ کیا جاوے۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں ہم گئے تو آگے دو نومزی مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ اور حُقے کا دَور چل رہا تھا۔ ہم نے جاکر حضرت صاحب کا پیغام دیا اور بڑی نرمی سے بات شروع کی لیکن مرزا امام دین نے سُنتے ہی غصہ سے کہا وہ (یعنی حضرت صاحب) خود کیوں نہیں آیا اور میں تم لوگوں کو کیا جانتا ہوں۔ پھر طعن سے کہا کہ جب سے آسمانوں سے وحی آنی شروع ہوئی ہے اسوقت سے اسے خبر نہیں کیا ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں ہم لوگ اپنا سا منہ لیکر واپس آگئے پھر حضرت صاحب نے ہمارے ساتھ اور بعض مہمانوں کو ملا دیا اور کہا کہ ڈپٹی کمشنر کے پاس جاؤ اور اس سے جاکر ساری حالت بیان کرو اور کہو کہ ہم لوگ دور دراز سے دین کی خاطر یہاں آتے ہیں اور یہ ایک ایسا فعل کیا جا رہا ہے۔ جس سے ہم کو بہت تکلیف ہوگی کیونکہ مسجد کا راستہ بند ہو جائیگا۔ ان دِنوں میں قادیان کے قریب ایک گاؤں میں کوئی سخت واردات ہو گئی تھی اور ڈپٹی کمشنر اور کپتان پولیس سب وہاں آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہم لوگ وہاں گئے اور ذرا دُور یکے ٹھہر کر آگے بڑھے ڈپٹی کمشنر اسوقت باہر میدان میں کپتان کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور کہا کہ ہم قادیان سے آئے ہیں۔ اور اپنا

حال بیان کرنا شروع کیا۔ مگر ڈپٹی کمشنر نے نہایت غصہ کے لہجہ میں کہا کہ تم بہت سے آدمی جمع ہو کر مجھ پر رعب ڈالنا چاہتے ہو۔ میں تم لوگوں کو خوب جانتا ہوں اور میں خوب سمجھتا ہوں۔ کہ یہ جماعت کیوں بن رہی ہے۔ اور میں تمہاری باتوں سے ناواقف نہیں اور میں اب جلد تمہاری خبر لینے والا ہوں۔ اور تم کو پتہ لگ جائیگا۔ کہ کس طرح ایسی جماعت بنایا کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں۔ ہم ناچار وہاں سے بھی ناکام واپس آگئے۔ اور حضرت صاحب کو سارا ماجرا سنایا۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں کہ ان دنوں میں مخالفت کا سخت زور تھا۔ اور انگریز حکام بھی جماعت پر بہت بدظن تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ یہ کوئی سازش کے لئے سیاسی جماعت بن رہی ہے۔ اور بٹالہ میں ان دنوں پولیس کے افسر بھی سخت معاند و مخالف تھے اور طرح طرح سے تکلیف دیتے رہتے تھے اور قادیان کے اندر بھی مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین وغیرہ اور انکی انگیخت سے قادیان کے ہندو اور سکھ اور غیر احمدی سخت ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے۔ اور قادیان میں احمدیوں کو سخت ذلت اور تکلیف سے رہنا پڑتا تھا۔ اور ان دنوں میں قادیان میں احمدیوں کی تعداد بھی معمولی تھی۔ اور احمدی سوائے حضرت کے خاندان کے قریباً سب ایسے تھے جو باہر سے دین کیخاطر ہجرت کر کے آئے ہوئے تھے۔ یا مہمان ہوتے تھے۔ حضرت صاحب نے یہ حالات دیکھے اور جماعت کی تکلیف کا مشاہدہ کیا تو جماعت کے آدمیوں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور کہا کہ اب یہاں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ یہاں رہنا مشکل ہو گیا ہے اور ہم نے تو کام کرنا ہے۔ یہاں نہیں تو کہیں اور سہی۔ اور ہجرت بھی انبیاء کی سنت ہے۔ پس میرا ارادہ ہے۔ کہ کہیں باہر چلے جائیں۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں کہ اسپر پہلے حضرت خلیفہ اول نے عرض کیا۔ کہ حضور بھیرہ تشریف لیچلیں۔ وہاں میرے مکانات حاضر ہیں اور کسی طرح کی تکلیف نہیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے سیالکوٹ کی دعوت دی۔ شیخ رحمت اللہ صاحب نے کہا لاہور میرے پاس تشریف لے چلیں۔ میرے دل میں بھی بار بار اٹھتا تھا۔ کہ میں اپنا مکان پیش کروں۔ مگر میں شرم سے رک جاتا تھا۔ آخر میں نے بھی کہا۔ کہ حضور میرے گاؤں میں تشریف لے چلیں۔ وہ سالم گاؤں ہمارا ہے اور کسیکا دخل

نہیں اور اپنے مکان موجود ہیں اور وُہ ایک ایسی الگ جگہ ہے کہ حکام کا بھی کم دخل ہے اور زمیندارہ رنگ میں گویا حکومت بھی اپنی ہے۔ حضرت صاحب نے پوچھا وہاں ضروریات مل جاتی ہیں؟ مَیں نے کہا۔ رسد وغیرہ سب گھر کی اپنی کافی ہوتی ہے۔ اور ویسے وہاں سے ایک قصبہ تھوڑے فاصلہ پر ہے جہاں سے ہر قسم کی ضروریات مل سکتی ہیں۔ حضرت صاحب نے کہا اچھا وقت آئیگا تو دیکھا جائیگا جہاں اللہ لے جائیگا وُہیں جائینگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ ۱۸۸۷ء میں بھی حضرت صاحب نے قادیان چھوڑ کر کہیں باہر جانیکا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب "شحنہ حق" میں اس کا تذکرہ لکھا ہے۔

(۱۳۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مَیں نے میاں عبداللہ صاحب سنوری کی وُہ نوٹ بک یعنی کاپی دیکھی ہے۔ جس میں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر ہوشیار پور کا حساب کتاب درج کیا کرتے تھے۔ یہ وُہی سفر ہے جس میں حضرت صاحب نے چالیس دن کا چلہ کیا اور جس میں آپ کا ماسٹر مُرلی دھر آریہ کیساتھ مباحثہ ہُوا۔ جس کا سُرمہ چشم آریہ میں ذکر ہے اس کاپی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود اس سفر سے ۱۷ مارچ ۱۸۸۶ء کو واپس قادیان پہنچے تھے۔ حساب کتاب کی پہلی تاریخ کاپی میں یکم فروری ۱۸۸۶ء درج ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ میاں عبداللہ صاحب نے حساب کتاب بعد میں لکھنا شروع کیا تھا۔ اور حضرت صاحب ہوشیار پور جنوری کے تیسرے ہفتہ میں ہی پہنچ گئے تھے ورنہ چالیس دن کا چلہ اور اسکے بعد بیس روز کا قیام تاریخہائے مذکورہ میں سما نہیں سکتے۔ علاوہ ازیں میاں عبداللہ صاحب کو یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ ہوشیار پور میں حضرت صاحب نے دو ماہ قیام فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

کاپی مذکور میں ۳ مارچ ۱۸۸۶ء کا حساب حسب ذیل درج ہے:۔ مربہ انبہ۔ اچار شیرمصری۔ چٹنی۔ گوشت۔ لفافہ۔ پالک۔ دال ماش۔ نمک۔ دھنیا۔ پیاز۔ تھوم۔ آرد گندم۔ ٹکٹ۔ مرمت پتیلا۔ ریوڑی۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ کاپی میں صرف وہی چیزیں درج نہیں ہوتی تھیں۔ جو حضرت کے لیئے آئی ہوں بلکہ سب حساب درج ہوتا تھا۔ خواہ کچھ ہمارے لیئے منگایا گیا ہو یا کسی مہمان کے لیئے۔

(۱۳۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ۱۳۰۲ھ
ماہ ذی الحجہ بروز جمعہ بوقت دس بجے حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ کہ اگر کسی شخص کا خوف ہو اور
۷ دل پر اسکے رعب پڑنے کا اندیشہ ہو تو آدمی صبح کی نماز کے بعد تین دفعہ یٰسین پڑھے اور اپنی
پیشانی پر خشک انگلی سے یا عزیز لکھ کر اسکے سامنے چلا جاوے انشاء اللہ اس کا رعب
نہیں پڑیگا بلکہ خود اس پر رعب پڑ جائیگا۔ اور ویسے بھی حضرت صاحب نے مجھے ہر روز کیواسطے
بعد نماز فجر تین دفعہ یٰسین پڑھنے کا وظیفہ بتایا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح
موعود علیہ السلام کا یہ فرمان میاں عبداللہ صاحب نے اپنی نوٹ بک میں نوٹ کیا ہوا
تھا۔ اسلیئے تاریخ وغیرہ پوری پوری محفوظ رہی اور خاکسار اپنی رائے سے عرض کرتا
ہے کہ یا عزیز کے الفاظ میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب انسان اپنے قلب پر خدا کی طاقت
و جبروت اور قہر و غلبہ کی صفات کا نقشہ جمائیگا اور ان کا تصور کریگا۔ تو لازمی طور پر اس کا
قلب غیر اللہ کے رعب سے آزاد ہو جائیگا اور بوجہ اسکے کہ وہ مومن ہے اس کو ان صفات
کے مطالعہ سے ایک طاقت ملیگی۔ جو دوسرے کو مرعوب کردیگی۔ اور انگلی سے لکھنا علم
النفس کے مسئلہ کے ماتحت تصور کو مضبوط کرنیکے واسطے ہے ورنہ وظائف کوئی منتر جنتر نہیں
ہوتے۔ واللہ اعلم۔

(۱۳۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ جب میں شروع
شروع میں قادیان آیا تو اسکے چند دن بعد ایک بڑا معمر شخص بھی یہاں آیا تھا۔ یہ شخص
حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے مریدوں میں سے تھا۔ اور بیان کرتا تھا۔ کہ میں سید
صاحب مرحوم کے ساتھ حج میں ہمرکاب تھا اور ان کے جنگوں میں بھی ان کے ساتھ رہا تھا
اور اپنی عمر قریباً سوا سو سال کی بتاتا تھا۔ قادیان میں آکر اسنے حضرت صاحب کی بیعت
کی یہ شخص دیندار تہجد گذار تھا اور باوجود اس پیرانہ سالی کے بڑا مستعد تھا۔ دو چار دن
کے بعد وہ قادیان سے واپس جانے لگا۔ اور حضرت صاحب سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا۔
کہ آپ اتنی جلدی کیوں جاتے ہیں کچھ عرصہ اور قیام کریں۔ اسنے کہا میں حضور کیواسطے موجب تکلیف نہیں بننا چاہتا
حضرت صاحب نے فرمایا ہمیں خدا کے فضل سے کوئی تکلیف نہیں آپ ٹھہریں ہم سب انتظام کرسکتے ہیں۔ چنانچہ وہ یہاں ڈیڑھ دو

ماہ ٹھیرا اور پھر چلا گیا ایک دفعہ دوبارہ بھی وہ قادیان آیا تھا اور پھر اسکے بعد فوت ہو گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مَیں نے جب یہ روایت سُنی۔ تو اسے بہت عجیب سمجھا کیونکہ ایک شخص کا دو صدیوں کے سر کو پانا اور پھر دو اماموں کی ملاقات اور بیعت سے مشرف ہونا کوئی معمولی بات نہیں چنانچہ مَیں نے اسی شوق میں یہ روایت مولوی شیر علی صاحب کے پاس بیان کی تو انہوں نے کہا کہ مَیں نے بھی اس شخص کو دیکھا ہے اس کا چھوٹا قد تھا اور وہ بہت معمر آدمی تھا اور اسکے بدن پر زخموں کے نشانات تھے اور اسنے حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول کو صلوٰۃ خوف کے عملی طریقے بتائے تھے۔ اور بتایا تھا۔ کہ کس طرح ہم سید صاحب کے ساتھ لڑائی کے وقت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول نے ایک دفعہ درس کے وقت فرمایا تھا۔ کہ مَیں نے ان سے صلوٰۃ خوف کے عملی طریقے سیکھے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حافظ صاحب نے بیان کیا کہ یہ شخص چونڈہ ضلع امرتسر کا تھا ۔

(۱۳۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ ایکدفعہ ایک شخص نے اپنے اس دعوے سے پنجاب میں بڑا شور پیدا کیا کہ مَیں جلتی ہوئی آگ میں گھس جاتا ہوں۔ اور مجھے کچھ نہیں ہوتا اور اسنے حضرت صاحب کا بھی نام لیا کہ یہ مسیح بنتا پھرتا ہے کوئی ایسا معجزہ تو دکھائے۔ حضرت صاحب کے پاس اسکی یہ بات پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرے سامنے وہ آگ میں داخل ہو تو پھر کبھی نہ نکلے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اللہ کے رسول مداریوں کی طرح تماشے نہیں دکھاتے پھرتے بلکہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حقیقی ضرورت محسوس کرتا ہے تو ان کے ذریعہ کوئی نشان ظاہر فرماتا ہے اور حضرت صاحب کا یہ فرمانا کہ اگر یہ شخص میرے سامنے آگ میں گھسے۔ تو پھر کبھی نہ نکلے اس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ حق کے مقابلہ پر کھڑا ہونے کی وجہ سے آگ اسے جلا کر راکھ کر دیگی بلکہ اگلے جہاں میں بھی وہ آگ ہی کی خوراک رہیگا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ واقعی آگ میں جاتا تھا یا نہیں بہرحال حضرت صاحب تک اس کا یہ دعوے پہنچا تھا۔ جس پر آپ نے یہ فرمایا ۔

(۱۴۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت صاحب کے زمانہ میں خصوصاً ابتدائی ایام میں قادیان کے لوگوں کیطرف سے جماعت کو سخت تکلیف دیجاتی تھی مرزا امام الدین و مرزا نظام دین وغیرہ کی انگیخت سے قادیان کی پبلک خصوصاً سکھ سخت ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے۔ اور صرف باتوں تک ایذا رسانی محدود نہ تھی۔ بلکہ دنگا فساد کرنے اور زدوکوب تک نوبت پہنچی ہوئی تھی۔ اگر کوئی احمدی مہاجر بھولے سے کسی زمیندار کے کھیت میں رفع حاجت کے واسطے چلا جاتا تھا۔ تو وہ بدبخت اسے مجبور کرتا تھا۔ کہ اپنے ہاتھ سے اپنا پاخانہ وہاں سے اٹھائے۔ کئی دفعہ معزز احمدی انکے ہاتھ سے پٹ جاتے تھے۔ اگر کوئی احمدی ڈھاب میں سے کچھ مٹی لینے لگتا۔ تو یہ لوگ مزدوروں سے ٹوکریاں اور کدالیں چھین کر لے جاتے۔ اور ان کو وہاں سے نکال دیتے تھے اور کوئی اگر سامنے سے کچھ بولتا تو گندی اور فحش گالیوں کے علاوہ اسے مارنے کیواسطے تیار ہو جاتے۔ آئے دن یہ شکایتیں حضرت صاحب کے پاس پہنچتی رہتی تھیں۔ مگر آپ ہمیشہ یہی فرماتے کہ صبر کرو۔ بعض جوشیلے احمدی حضرت صاحب کے پاس آتے اور عرض کرتے کہ حضور ہم کو صرف ان کے مقابلہ کی اجازت دیدیں۔ اور بس پھر ہم ان کو خود سیدھا کر لینگے۔ حضور فرماتے نہیں۔ صبر کرو۔ ایک دفعہ سید احمد نور مہاجر کابلی نے اپنی تکلیف کا اظہار کیا اور مقابلہ کی اجازت چاہی مگر حضرت صاحب نے فرمایا۔ دیکھو اگر امن اور صبر کیساتھ یہاں رہنا ہے تو یہاں رہو اور اگر لڑنا ہے اور صبر نہیں کر سکتے۔ تو کابل چلے جاؤ۔ چنانچہ یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ کہ بڑے بڑے معزز احمدی جو کسی دوسری کی ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ ذلیل و حقیر لوگوں کے ہاتھ سے تکلیف اور ذلت اٹھاتے تھے۔ اور دم نہ مارتے تھے۔ مگر ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک غریب احمدی نے اپنے مکان کیواسطے ڈھاب سے کچھ بھرتی اٹھائی تو سکھ وغیرہ ایک بڑا جتھا بنا کر اور لاٹھیوں سے مسلح ہو کر اسکے مکان پر حملہ آور ہو گئے۔ پہلے تو احمدی بچتے رہے۔ لیکن جب حملہ آوروں نے بے گناہ آدمیوں کو مارنا شروع کیا اور مکان کو بھی نقصان پہنچانے لگے۔ تو بعض احمدیوں نے بھی مقابلہ کیا۔ جس پر طرفین کے آدمی زخمی ہوئے۔ اور بالآخر حملہ آوروں کو بھاگنا پڑا

چنانچہ یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ قادیان کے غیر احمدیوں کو عملاً پتہ لگا۔ کہ احمدیوں کا ڈر اُن سے نہیں۔ بلکہ اپنے امام سے ہے اسکے بعد پولیس نے اس واقعہ کی تحقیقات شروع کی۔ اور چونکہ احمدی سراسر مظلوم تھے۔ اور غیر احمدی جتھا بنا کر ایک احمدی کے مکان پر جارحانہ طور پر لاٹھیوں سے مسلح ہو کر حملہ آور ہوئے تھے۔ اِس لیئے پولیس باوجود مخالف ہونیکے ان کا چالان کرنے پر مجبور تھی جب ان لوگوں نے دیکھا۔ کہ اب ہتھکڑی لگتی ہے۔ تو انکے آدمی حضرت صاحب کے پاس دوڑے آئے۔ کہ ہم سے قصور ہو گیا ہے۔ حضور ہمیں معاف کردیں۔ حضرت صاحب نے معاف کردیا یہ پہلا دھکا تھا جو قادیان کی غیر احمدی پبلک کو پہنچا اور یہ غالباً ۱۹۰۶ء کی بات ہے اسکے بعد ان کی شرارتیں تو بدستور جاری رہیں۔ اور اب تک جاری ہیں۔ مگر اب خدا کے فضل سے قادیان میں احمدیوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ جو طبعاً غیر احمدیوں کو ہمارے خلاف جرأت کرنے سے روکے رکھتی ہے دوسرے حضرت صاحب کی وفات کے بعد بعض دفعہ غیر احمدیوں کی شرارت کی وجہ سے لڑائی کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ اور ہر دفعہ غیر احمدیوں کو سخت ذلت اُٹھانی پڑی ہے۔ لہذا اب ان کی شرارتیں گہری چال کی صورت میں بدل کر قانون کی آڑ میں آگئی ہیں۔ (خاکسار ایڈیشن ثانی کے موقعہ پر عرض کرتا ہے۔ کہ میرے مندرجہ بالا ریمارک سے وہ حالت خارج ہے۔ جواب کچھ عرصہ سے احرار کی فتنہ انگیزی اور بعض حکام کی جنبہ داری سے قادیان میں جماعت احمدیہ کیخلاف پیدا ہو رہی ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب حضور کو وسع مکانک (یعنی اپنا مکان وسیع کر) کا الہام ہوا۔ تو حضور نے مجھ سے فرمایا۔ کہ مکانات بنوانے کے لیئے تو ہمارے پاس روپیہ ہے نہیں۔ اس حکم الٰہی کی اس طرح تعمیل کر دیتے ہیں۔ کہ دو تین چھپر بنوا لیتے ہیں۔ چنانچہ حضور نے مجھے اس کام کے واسطے امرتسر حکیم محمد شریف صاحب کے پاس بھیجا۔ جو حضور کے پرانے دوست تھے۔ اور جن کے پاس حضور اکثر امرتسر میں ٹھہرا کرتے تھے۔ تاکہ میں ان کی معرفت چھپر باندھنے والے اور چھپر کا سامان لے آؤں۔ چنانچہ میں جا کر حکیم صاحب کی معرفت امرتسر سے آدمی اور چھپر کا سامان

لے آیا۔ اور حضرت صاحب نے اپنے مکان میں تین چھپر تیار کروائے۔ یہ چھپر کئی سال تک رہے۔ پھر ٹوٹ پھوٹ گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ بات دعوٰی مسیحیت سے پہلے کی ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ توسیع مکان سے مراد کثرتِ مہمانان و ترقی قادیان بھی ہے۔

(۱۴۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اعجاز احمدی کی تصنیف کے بعد مولوی ثناءاللہ قادیان آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اس کی دستی خط و کتابت ہوئی۔ تو اس نے ایک دفعہ اپنا ایک آدمی کسی بات کے دریافت کرنے کے لیئے حضرت صاحب کے پاس بھیجا۔ یہ شخص جب مسجد مبارک میں حضرت صاحب کے پاس آیا تو حضرت صاحب اسوقت اُٹھ کر اندرون خانہ تشریف لے جا رہے تھے۔ اس نے حضرت صاحب سے کوئی بات پُوچھی اور حضرت صاحب نے اس کا جواب دیا۔ جسپر اسنے کوئی سوال کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ یہ کام یا یہ بات کون کرے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں۔ کہ سوال مجھے یاد نہیں رہا۔ مگر اس پر حضرت صاحب نے اسے فرمایا "تو" مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اس دفعہ کے علاوہ کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مُنہ سے کسی شخص کو تو کہتے نہیں سُنا۔ موافق ہو یا مخالف غریب سے غریب اور چھوٹے سے چھوٹا بھی ہوتا تھا۔ تو حضرت صاحب اسے ہمیشہ آپ کے لفظ سے مخاطب کرتے تھے۔ مگر اسوقت اس شخص کو آپ نے خلاف عادت "تو" کا لفظ کہا۔ اور ہم سب نے اسبات کو عجیب سمجھ کر محسوس کیا (خاکسار عرض کرتا ہے کہ اگر حضرت مولوی شیر علی صاحب کو اس لفظ کے سُننے میں غلطی نہیں لگی۔ تو یہ لفظ حضرت صاحب نے کسی خاص مصلحت سے استعمال فرمایا ہوگا۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ جلدی میں سہواً نکل گیا ہو)

(۱۴۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہ جب منشی احمد جان صاحب مرحوم لُدھیانوی پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملے تو حضرت صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے جس طریق کو اختیار کیا ہے۔ اسمیں خاص کمال کیا ہے۔ منشی صاحب نے کہا میں جس شخص پر توجہ ڈالوں تو وہ بے تاب ہو کر

زمین پر گر جاتا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا تو پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ منشی صاحب موصوف کی طبیعت بہت سعید اور ذہین واقع ہوئی تھی۔ بس اسی نکتہ سے ان پر سب حقیقت کھل گئی۔ اور وہ اپنا طریق چھوڑ کر حضرت صاحب کے معتقد ہو گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے بعد اسلام میں صوفیوں کے اندر توجہ کے علم کا بڑا چرچا ہو گیا تھا۔ اور اس کو روحانیت کا حصہ سمجھ لیا گیا تھا۔ حالانکہ یہ علم دنیا کے علوم میں سے ایک علم ہے۔ جسے روحانیت یا اسلام سے کوئی خاص تعلق نہیں اور مشق سے ہر شخص کو خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اپنی استعداد کے مطابق حاصل ہو سکتا ہے۔ اور تعلق باللہ اور اصلاح نفس کے ساتھ اسے کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن چونکہ نیک لوگ اپنی قلبی توجہ سے دوسرے کے دل میں ایک اثر پیدا کر دیتے تھے۔ جس سے بعض اوقات وقتی طور پر وہ ایک سرور محسوس کرتا تھا۔ اس لئے اسے روحانیت سمجھ لیا گیا اور چونکہ فیج اعوج کے زمانہ میں حقیقی تقویٰ و طہارت اور اصلاحِ نفس اور تعلق باللہ بالعموم معدوم ہو چکا تھا اور علمی طور پر توجہ کے فلسفہ کو بھی دنیا ابھی عام طور پر نہیں سمجھتی تھی۔ اس لیئے یہ باتیں طبقہ صوفیاء میں رائج ہو گئیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ ان کا اثر اتنا وسیع ہوا کہ بس انہی کو روحانی کمال سمجھ لیا گیا۔ اور اصل روح جس کی بقاء کے واسطے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سمجھ کر اس جسم کو ابتداء میں اختیار کیا گیا تھا۔ نظر سے اوجھل اور دل سے محو ہو گئی۔ لیکن مسیح موعود کے زمانہ میں جو آخرین منہم کا زمانہ ہے حقیقت حال منکشف کی گئی چنانچہ جب حضرت مسیح موعود نے منشی صاحب کو یہ فرمایا کہ اگر آپ نے کسی شخص کو اپنی توجہ سے گرا لیا۔ تو اس کا نتیجہ یا فائدہ کیا ہوا۔ یعنی دینی اور روحانی لحاظ سے اس توجہ نے کیا فائدہ دیا۔ کیونکہ یہ بات تو مشق کے ساتھ ایک دہریہ بھی اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ تو منشی صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور ان کو پتہ لگ گیا کہ خواہ ہم علم توجہ میں کتنا بھی کمال حاصل کر لیں لیکن اگر لوگ حقیقی تقویٰ و طہارت اور تعلق باللہ کے مقام کو حاصل نہیں کرتے۔ تو یہ بات روحانی طور پر کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ واقعی منہاج نبوت کے مقابلہ میں جس پر حضرت مسیح موعود کو قائم کیا گیا۔ اور جسنے روحانیت کا ایک سورج چڑھا دیا۔ یہ دود آمیز کدر اور عارضی روشنی جسے بسا اوقات ایک چور بھی لوگوں کے قلوب سے ایمان و اسلام کا اثاثہ

چُرانے کی نیت سے اپنی سیاہ کاری میں مدد بنا سکتا ہے۔ کب ٹھہر سکتی تھی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ منشی احمد جان صاحب لُدھیانوی ایک بڑے صوفی مزاج آدمی تھے اور اپنے علاقہ کے ایک مشہور پیر سجادہ نشین تھے۔ مگر افسوس کہ حضرت صاحب کے دعوٰے مسیحیت سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ ان کو حضرت مسیح موعود سے اس درجہ عقیدت تھی کہ ایک دفعہ انہوں نے آپ کو مخاطب کر کے یہ شعر فرمایا ؎

ہم مریضوں کی ہے تمہیں پہ نظر ✦ تم مسیحا بنو خدا کے لیئے

منشی صاحب موصوف کی لڑکی سے حضرت خلیفہ اول کی شادی ہوئی۔ اور حضرت مولوی صاحب کی سب نرینہ اولاد انہی کے بطن سے ہے۔ منشی صاحب کے دونوں صاحبزادے قادیان میں ہی ہجرت کر کے آ گئے ہُوئے ہیں۔ اور منشی صاحب کے اکثر بلکہ قریباً سب متبعین احمدی ہیں۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مولوی سیّد سرور شاہ صاحب منشی صاحب مرحوم سے خود نہیں ملے لہذا انہوں نے کسی اور سے یہ واقعہ سُنا ہو گا ✦

(۱۴۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چند مہمانوں کی دعوت کی اور ان کے واسطے گھر میں کھانا تیار کروایا۔ مگر عین جسوقت کھانیکا وقت آیا اتنے ہی اور مہمان آ گئے اور مسجد مبارک مہمانوں سے بھر گئی۔ حضرت صاحب نے اندر کہلا بھیجا کہ اور مہمان آ گئے ہیں کھانا زیادہ بھجواؤ۔ اس پر بیوی صاحبہ نے حضرت صاحب کو اندر بلوا بھیجا۔ اور کہا کہ کھانا تو تھوڑا ہے۔ صرف ان چند مہمانوں کے مطابق پکایا گیا تھا۔ جن کے واسطے آپ نے کہا تھا۔ مگر شاید باقی کھانے کا تو کچھ کھینچ تان کر انتظام ہو سکیگا۔ لیکن زردہ تو بہت ہی تھوڑا ہے۔ اس کا کیا کیا جاوے۔ میرا خیال ہے کہ زردہ بھجواتی ہی نہیں۔ صرف باقی کھانا نکال دیتی ہُوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ نہیں یہ مناسب نہیں۔ تم زردہ کا برتن میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اس برتن پر رُومال ڈھانک دیا اور پھر رومال کے نیچے اپنا ہاتھ گزار کر اپنی انگلیاں زردہ میں داخل کر دیں اور پھر کہا اب تم سب کے واسطے کھانا نکالو خدا برکت دیگا۔ چنانچہ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ زردہ سب کے واسطے آیا اور سب

نے کھایا۔ اور پھر کچھ بچ بھی گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جب میاں عبداللہ صاحب نے یہ روایت بیان کی۔ تو مولوی عبدالمغنی خان صاحب بھی پاس تھے۔ انہوں نے کہا کہ سید فضل شاہ صاحب نے بھی یہ روایت بیان کی تھی۔ میاں عبداللہ صاحب نے کہا اچھا تب تو اس روایت کی تصدیق بھی ہوگئی۔ شاہ صاحب بھی اسوقت موجود ہونگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ دوسرے دن میاں عبداللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے سید فضل شاہ صاحب سے پوچھا ہے۔ وہ بھی اس وقت موجود تھے۔ اور ان کو یہ روایت یاد ہے اور میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ مجھ سے یہ گھر والی بات خود حضرت صاحب نے بیان فرمائی تھی خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے یہ روایت سنکر حضرت والدہ صاحبہ سے پوچھا۔ کہ کیا آپ کو یہ واقعہ یاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ خاص یہ واقعہ تو مجھے یاد نہیں۔ لیکن ایسا ضرور ہوا ہوگا۔ کیونکہ ایسے واقعات بارہا ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کس طرح والدہ صاحبہ نے فرمایا یہی کہ تھوڑا کھانا تیار ہوا اور پھر مہمان زیادہ آگئے۔ مثلاً پچاس کا کھانا ہوا تو سو آگئے۔ لیکن وہی کھانا حضرت صاحب کے دم سے کافی ہوجاتا رہا۔ پھر حضرت والدہ صاحبہ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایکدفعہ کوئی شخص حضرت صاحب کے واسطے ایک مرغ لایا۔ میں نے حضرت صاحب کے واسطے اس کا پلاؤ تیار کرایا اور وہ پلاؤ اتنا ہی تھا۔ کہ بس حضرت صاحب ہی کیواسطے تیار کروایا تھا۔ مگر اسی دن اتفاق ایسا ہوا کہ نواب صاحب نے اپنے گھر میں دعوتی دلوائی۔ تو نواب صاحب کی بیوی بچے بھی ادھر ہمارے گھر آگئے۔ اور حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ کہ ان کو بھی کھانا کھلاؤ میں نے کہا۔ کہ چاول تو بالکل ہی تھوڑے ہیں۔ صرف آپکے واسطے تیار کروائے تھے حضرت صاحب نے فرمایا چاول کہاں ہیں۔ پھر حضرت صاحب نے چاولوں کے پاس آکر اُن پر دم کیا۔ اور کہا اب تقسیم کردو۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں۔ کہ ان چاولوں میں ایسی برکت ہوئی۔ کہ نواب صاحب کے سارے گھر نے کھائے۔ اور پھر بڑے مولویصاحب (یعنے حضرت مولوی نورالدین صاحب) اور مولوی عبدالکریم صاحب کو بھی بھجوائے گئے اور قادیان میں اَور بھی کئی لوگوں کو دیئے گئے۔ اور چونکہ وہ برکت والے چاول مشہور ہو گئے تھے۔ اس لیئے کئی لوگوں نے آآکر ہم سے مانگے اور ہم نے سب کو تھوڑے تھوڑے

تقسیم کیئے اور وہ سب کے لیئے کافی ہو گئے +

(۱۴۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی نے کہ ایکدفعہ جب ابھی حضرت صاحب نے مسیحیت کا دعوٰی نہیں کیا تھا۔ مَیں نے پٹیالہ میں پٹیالہ کے ایک باشندہ محمد حسین کا وعظ سنا۔ یہ شخص اب مرچکا ہے اور اس کا خاتمہ حضرت صاحب کی مخالفت پر ہوا تھا۔ مگر مَیں نے سُنا کہ وُہ لوگوں کو یہ وعظ کر رہا تھا۔ کہ لوگ جب آنحضرت صلعم کے یہ معجزے سُنتے ہیں۔ کہ آپ کی برکت سے کھانا زیادہ ہو گیا یا تھوڑا سا پانی اتنا بڑھ گیا۔ کہ بہت سے آدمی سیراب ہو گئے۔ تو وُہ حیران ہوتے ہیں۔ اور ان باتوں کا یقین نہیں کرتے۔ حالانکہ خدا کی قدرت سے یہ باتیں بالکل ممکن ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی بزرگوں اور اولیاء اللہ سے ایسے خوارق ظہور میں آجاتے ہیں۔ پھر اُسنے ایک واقعہ سنایا کہ مَیں ایک دفعہ انبالہ میں حضرت مرزا صاحب کی ملاقات کو گیا۔ وہاں اندر سے ان کے واسطے کھانا آیا جو صرف ایک دو آدمیوں کی مقدار کا کھانا تھا۔ مگر ہم سب نے کھایا اور ہم سب سیر ہو گئے۔ حالانکہ ہم دس بارہ آدمی تھے۔ شیخ کرم الٰہی صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ دعوٰی مسیحیت پر اس شخص کو ٹھوکر لگی اور وُہ مخالف ہو گیا اور اب وُہ مر چکا ہے۔

(۱۴۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ ان سے ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب مرحوم نے بیان کیا تھا۔ کہ ایک دفعہ جب کوئی جلسہ وغیرہ کا موقعہ تھا اور ہم لوگ حضرت صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مہمانوں کے لیئے باہر پلاؤ زردہ وغیرہ پک رہا تھا۔ کہ حضرت صاحب کے واسطے اندر سے کھانا آگیا ہم سمجھتے تھے کہ یہ بہت عمدہ کھانا ہوگا۔ لیکن دیکھا تو تھوڑا سا خشکہ تھا۔ اور کچھ دال تھی۔ اور صرف ایک آدمی کی مقدار کا کھانا تھا۔ حضرت صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا آپ بھی کھانا کھالیں۔ چنانچہ ہم بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ حافظ صاحب کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ اس کھانے سے ہم سب سیر ہو گئے۔ حالانکہ ہم بہت سے آدمی تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھے تعجب آیا کرتا ہے۔ کہ خدا پر ایمان رکھنے کا دم بھرنیوالے لوگ خوارق کے ظہور کے متعلق کیوں شک کرتے ہیں۔ جب یہ بات مان لی گئی ہے کہ ایک

قادر مطلق خدا موجود ہے جسکے قبضہ تصرف میں یہ سارا عالم ہے اور جو اشیاء اور خواص اشیاء کا خالق و مالک ہے تو پھر خوارق کا وجود کس طرح مشتبہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خدا جس نے مثلاً کھانے میں یہ خاصیت ودیعت کی تھی۔ کہ اسقدر کھانا ایک آدمی کے لیئے کافی ہو کیا وہ اپنی تقدیر خاص سے کسی مصلحت کی بناء پر اس میں وقتی طور پر یہ خاصیت نہیں رکھ سکتا۔ کہ وہی کھانا مثلاً دس آدمی کا پیٹ بھر دے یا بیس آدمی کو سیر کر دے؟ اگر اشیاء کے خواص خدا کیطرف سے قائم شدہ تسلیم کیئے جاویں۔ تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ بعض مصالح کے ماتحت ان میں وقتی طور پر تغیر تبدل پر خدا کیوں نہیں قادر ہو سکتا۔ اگر وہ قادر مطلق ہے تو ہر ایک امر جو قدرت کے نام سے موسوم ہو سکتا ہے اس کے اندر تسلیم کرنا پڑیگا۔ اسی طرح باقی تمام صفات کا حال ہے۔ اور یہ جو ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ تقدیر پر ایمان لاؤ۔ تو اس سے مراد یہی ہے۔ کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں۔ کہ نہ صرف یہ کہ خواص الاشیاء تمام خدا کی طرف سے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ اپنی تقدیر خاص سے ان میں تغیر و تبدل بھی کر سکتا ہے۔ گویا ہم تقدیر عام اور تقدیر خاص ہر دو پر ایمان لائیں یعنی اول ہم یہ ایمان لائیں کہ مثلاً آگ میں جو جلانے کی صفت ہے۔ یہ خود بخود نہیں۔ بلکہ خدائی حکم کے ماتحت ہے اور پھر ہم یہ ایمان لائیں۔ کہ خدا تعالیٰ جب چاہے۔ اسکی اس صفت کو مبدل معطل یا منسوخ کر سکتا ہے اور پھر ہم یہ بھی ایمان لائیں۔ کہ اپنی ہستی کو محسوس و مشہود کرانے کیلئے خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ذریعہ بعض اوقات ایسا کرتا بھی ہے۔ اور دنیا کو اپنی تقدیر خاص کے جلوے دکھاتا ہے۔ کیونکہ ایمان باللہ اس کے بغیر مستحکم نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ خدا کا کوئی فعل عبث نہیں ہوتا بلکہ حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ اسلیئے جب خدائی مصلحت تقاضا کرتی ہے۔ تب ہی کوئی خارق عادت امر ظاہر ہوتا ہے۔ اور پھر اسی طریق پر ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح وہ چاہتا ہے۔ یہ نہیں کہ نشان کا طالب جب چاہے۔ اور جس طریق پر چاہے اسی طریق پر نشان ظاہر ہو۔ خدا کسی کا محتاج نہیں بندے اسکے محتاج ہیں۔ اور ضرورت کا فیصلہ کرنا بھی اسی کا کام ہے۔

(۱۴۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے چوہدری حاکم علی صاحب نے کہ ایک دفعہ کسی ہندو نے اعتراض کیا۔ کہ حضرت ابراہیم پر آگ کس طرح ٹھنڈی ہو گئی اس اعتراض کا جواب حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول نے لکھا کہ آگ سے جنگ اور عداوت

کی آگ مراد ہے۔ انہی ایام میں ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام چھوٹی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ہم لوگ آپکے پاؤں دبا رہے تھے۔ اور حضرت مولوی صاحب بھی پاس بیٹھے تھے کہ کسی نے حضرت صاحب کو یہ اعتراض اور اس کا جواب جو مولوی صاحب نے لکھا تھا سنایا حضرت صاحب نے فرمایا۔ اس تکلف کی کیا ضرورت ہے ہم موجود ہیں ہمیں کوئی آگ میں ڈالکر دیکھ لے۔ کہ آگ گلزار ہو جاتی ہے۔ یا نہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ اعتراض دھرم پال آریہ مرتد از اسلام نے کیا تھا اور حضرت مولوی صاحب نے اس کی کتاب ترک اسلام کے جواب میں نورالدین کتاب لکھی تھی۔ اس میں آپ نے یہ جواب دیا تھا کہ آگ سے مراد مخالفوں کی دشمنی کی آگ ہے مگر حضرت صاحب تک یہ بات پہنچی۔ تو آپ نے اس کو ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں اس زمانہ میں ہم موجود ہیں۔ ہمیں کوئی مخالف دشمنی سے آگ کے اندر ڈال کر دیکھ لے۔ کہ خدا اس آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے کہ نہیں چنانچہ حضرت مسیح موعود نے ایک دوسرے موقعہ پر اس مفہوم کو اپنے ایک شعر میں بھی بیان فرمایا ہے ؎

ترے مکروں سے اے جاہل مرا نقصاں نہیں ہرگز
کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنے والی ہے

اور آپ کا ایک الہام بھی اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ جس میں خدا تعالےٰ آپ سے فرماتا ہے کہ تو لوگوں سے کہدے کہ "آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے"۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ چوہدری حاکم علی صاحب نے اس ذکر میں یہ واقعہ بھی بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ کسی شخص نے یہ تماشا دکھانا شروع کیا کہ آگ میں گھس جاتا تھا۔ اور آگ اسے ضرر نہ پہنچاتی تھی۔ اس شخص نے مخالفت کے طور پر حضرت صاحب کا نام لے کر کہا کہ ان کو مسیح ہونے کا دعوےٰ ہے اگر سچے ہیں۔ تو یہاں آجاویں۔ اور میرے ساتھ آگ میں داخل ہوں۔ کسی شخص نے یہ بات باہر سے خط میں مجھے لکھی۔ اور میں نے وہ خط حضرت صاحب کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ ایک شعبدہ ہے ہم تو وہاں جا نہیں سکتے۔ مگر آپ لکھدیں۔ کہ وہ یہاں آجاوے۔ پھر اگر میرے سامنے وہ آگ میں داخل ہوگا۔ تو زندہ نہیں نکلے گا۔ چنانچہ میں نے آپ کا یہ جواب لکھدیا۔ مگر وہ نہیں آیا

خاکسار عرض کرتا ہے کہ نادان لوگ بعض اوقات ایسی باتوں سے خدائی قدرت نمائیوں کے متعلق شکوک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ خدائی باتوں میں خدائی جلوے ہوتے ہیں جو خدا کے چہرہ کو ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں لیکن انسان خواہ اپنے علم سے کیا کچھ بنالے۔ مگر پھر بھی حالات کا مطالعہ کرنے والوں کو انسانی کاموں میں انسان سے بڑھ کر کوئی چہرہ نظر نہیں آسکتا۔ چنانچہ بعض اوقات ایک ہی بات ہوتی ہے مگر جب وہ خدا کی طرف سے آتی ہے تو اور شان رکھتی ہے اور انسان کیطرف سے آتی ہے تو اور شان رکھتی ہے اسی مثال میں ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ کس طرح خدائی قدرت نمائی کے سامنے انسانی طلسم پر پانی پھر گیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص بھی حضرت موسےٰ کے زمانہ کے شعبدہ بازوں کی طرح کوئی شعبدہ دکھاتا ہوگا۔ مگر حضرت مسیح موعود پر اس معاملہ میں خدا کا فضل حضرت موسیٰ سے بڑھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں تو انسانی طلسم کو مٹانے کے لیئے حضرت موسیٰ کو کچھ دکھانا پڑا اور یہاں صرف دکھانے کا نام لینے پر ہی طلسم پاش پاش ہوگیا اور دشمن کو سامنے آنیکی جرأت ہی نہ ہوئی فالحمدللہ علی ذالک۔

(۱۴۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ جب منارۃ المسیح کے بننے کی تیاری ہوئی تو قادیان کے لوگوں نے افسرانِ گورنمنٹ کے پاس شکایتیں کیں کہ اس منارہ کے بننے سے ہمارے مکانوں کی پردہ دری ہوگی چنانچہ گورنمنٹ کیطرف سے ایک ڈپٹی قادیان آیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسجد مبارک کے ساتھ والے حجرہ میں ملا۔ اس وقت قادیان کے بعض لوگ جو شکایت کرنے والے تھے وہ بھی اسکے ساتھ تھے حضرت صاحب سے ڈپٹی کی باتیں ہوتی رہیں اور اسی گفتگو میں حضرت صاحب نے ڈپٹی کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ بڈھا مل بیٹھا ہے۔ آپ اس سے پوچھ لیں۔ کہ بچپن سے لے کر آجتک کیا کبھی ایسا ہوا ہے۔ کہ اسے فائدہ پہنچانے کا مجھے کوئی موقعہ ملا ہو اور میں نے فائدہ پہنچانے میں کوئی کمی کی ہو اور پھر اسی سے پوچھیں۔ کہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ مجھے تکلیف دینے کا اسے کوئی موقعہ ملا ہو۔ تو اس نے مجھے تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر چھوڑی ہو۔ حافظ صاحب نے بیان کیا۔ کہ میں اسوقت بڈھا مل

کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے شرم کے مارے اپنا سر نیچے ڈال کر اپنے زانوؤں میں دیا ہوا تھا اور اور اسکے چہرہ کا رنگ سپید پڑ گیا تھا۔ اور وہ ایک لفظ بھی منہ سے نہیں بول سکا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ بڈھا مل قادیان کے آریوں کا ایک ممتاز رکن ہے۔ اور اسلام اور اس سلسلہ کا سخت دشمن ہے۔ اور آجتک زندہ اور یمدھم فی طغیانھم کا مصداق ہے +

(۱۴۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان فرمایا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے کہ لالہ بھیم سین صاحب سیالکوٹی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ حتیٰ کہ آخری ایام میں بھی میں نے دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کبھی کچھ روپے کی ضرورت ہوتی تھی۔ تو ان سے بطور قرض منگا لیتے تھے۔ چنانچہ وفات سے دو تین سال قبل ایک دفعہ حضرت صاحب نے لالہ بھیم سین صاحب سے چند سو روپیہ بطور قرض منگایا تھا۔ حالانکہ اپنی جماعت میں بھی روپیہ دے سکنے والے بہت موجود تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ غالباً لالہ بھیم سین صاحب سے ابتداءً ملازمت سیالکوٹ کے زمانہ میں حضرت صاحب کے تعلقات پیدا ہوئے اور پھر یہ رشتۂ محبت آخر دم تک قائم رہا۔ لالہ صاحب حضرت صاحب کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی روایت ہے کہ جن ایام میں جہلم کا مقدمہ دائر ہوا تھا۔ لالہ بھیم سین صاحب نے حضرت صاحب کو تار دیا تھا۔ کہ میرے لڑکے کو جو بیرسٹر ہے۔ اجازت عنایت فرمادیں۔ کہ وہ آپکی طرف سے مقدمہ کی پیروی کرے مگر حضرت صاحب نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جس لڑکے کی خدمات لالہ صاحب نے پیش کی تھیں ان کا نام لالہ کنور سین ہے۔ جو ایک لائق بیرسٹر ہیں اور گذشتہ دنوں میں لا کالج لاہور کے پرنسپل تھے۔ اور آج کل کسی ریاست میں چیف جج کے معزز عہدہ پر ممتاز ہیں۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بیان فرماتے ہیں کہ جو چھت گرنے کا واقعہ ہے۔ اس میں بھی غالباً لالہ بھیم سین صاحب شریک تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ لالہ بھیم سین صاحب موصوف امتحان مختاری کی تیاری میں بھی حضرت صاحب کیساتھ شریک تھے۔ چنانچہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہو کر مختار بن گئے۔ مگر آپ کے لیئے چونکہ پردۂ غیب میں اور کام مقدر تھا۔ اسلیئے آپ کو خدا نے اس راستہ سے ہٹا دیا۔ نیز خاکسار عرض

کرتا ہے کہ لالہ بھیم سین صاحب کی کامیابی کے متعلق بھی حضرت صاحب نے خواب دیکھا تھا۔ کہ جتنے لوگوں نے استحان دیا ہے ان میں سے صرف لالہ بھیم سین صاحب پاس ہوئے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۱۵۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنی کتاب حیاۃ النبی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ ملازمت سیالکوٹ کے متعلق مولوی سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کی ایک تحریر نقل کی ہے۔ جو میں مولوی صاحب موصوف سے براہِ راست تحریری روایت لے کر درج ذیل کرتا ہوں۔ مولوی صاحب موصوف سید میر حامد شاہ صاحب مرحوم سیالکوٹی کے چچا ہیں۔ اور سیالکوٹ کے ایک بڑے مشہور مولوی ہیں۔ مولوی صاحب مذہباً احمدی یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متبع نہیں بلکہ سرسید مرحوم کے خیالات کے دلدادہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

"حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول ولغو سے مجتنب اور محترز تھے۔ اسواسطے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی تھی۔ آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔ لالہ بھیم سین صاحب وکیل جن کے نانا ڈپٹی مٹھن لال صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے۔ انکے بڑے رفیق تھے۔ اور چونکہ بٹالہ میں مرزا صاحب اور لالہ صاحب آپس میں تعارف رکھتے تھے۔ اسلیئے سیالکوٹ میں بھی ان سے اتحاد کامل رہا پس سب سے کامل دوست مرزا صاحب کے اگر اس شہر میں تھے۔ تو لالہ صاحب ہی تھے اور چونکہ لالہ صاحب سلیم طبع اور لیاقت زبان فارسی اور ذہن رسا رکھتے تھے اس سبب سے بھی مرزا صاحب کو علم دوست ہونے کے باعث ان سے بہت محبت تھی۔ مرزا صاحب کی علمی لیاقت سے کچہری والے آگاہ نہ تھے۔ مگر چونکہ اسی سال کے اوائل گرما میں ایک عرب نوجوان محمد صالح نام شہر میں وارد ہوئے اور ان پر جاسوسی کا شبہ ہوا۔ تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے (جن کا نام پرکسن تھا۔ اور پھر وہ آخر میں کمشنر راولپنڈی کی کمشنری کے ہو گئے تھے) محمد صالح کو اپنے محکمہ میں بغرض تفتیش حالات طلب کیا۔ ترجمان کی ضرورت تھی۔ مرزا صاحب چونکہ عربی میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ اور عربی زبان میں تحریر و تقریر بخوبی

کر سکتے تھے۔ اسواسطے مرزا صاحب کو بُلا کر حکم دیا۔ کہ جو جو بات ہم کہیں۔ عرب صاحب سے پُوچھواور جو جواب وُہ دیں اُردو میں ہمیں لکھواتے جاؤ۔ مرزا صاحب نے اس کام کو کماحقہ ادا کیا اور آپ کی لیاقت لوگوں پر منکشف ہوئی۔

اس زمانہ میں مولوی الٰہی بخش صاحب کی سعی سے جو چیف محرر مدارس تھے۔ (اب اس عہدہ کا نام ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ہی) کچہری کے ملازم منشیوں کے لیئے ایک مدرسہ قائم ہوا۔ کہ رات کو کچہری کے ملازم منشی انگریزی پڑھا کریں۔ ڈاکٹر امیر شاہ صاحب جو اسوقت اسسٹنٹ سرجن پنشنر ہیں استاد مقرر ہوئے۔ مرزا صاحب نے بھی انگریزی شروع کی اور ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھیں۔

مرزا صاحب کو اس زمانہ میں بھی مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ پادری الایشہ صاحب جو دیسی عیسائی پادری تھے اور حاجی پورہ کی جانب جنوب کی کوٹھیوں میں سے ایک کوٹھی میں رہا کرتے تھے۔ مباحثہ ہوا پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنیکے بغیر نجات نہیں ہو سکتی مرزا صاحب نے فرمایا۔ نجات کی تعریف کیا ہے؟ اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں؟ مفصل بیان کیجیئے۔ پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہا۔ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔

پادری ٹبلر صاحب ایم۔ اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے۔ مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔ یہ صاحب موضع گوہدپور کے قریب رہتے تھے۔ ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے۔ کہ مسیح کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ سر تھا۔ کہ وُہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھا بری رہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے۔ پھر آدم کی شرکت سے بریت کیسے۔ اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی۔ جس سے آدم نے درختِ ممنوع کا پھل کھایا اور گنہگار ہوا۔ پس چاہیئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی بری رہتے۔ اسپر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔

پادری ٹبلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بہت محبت تھی چنانچہ جب پادریصاحب ولایت جانے لگے تو مرزا صاحب کی ملاقات کے لیئے کچہری تشریف لائے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے

پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا۔ تو پادری صاحب نے جواب دیا۔ کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنیکو آیا تھا۔ چونکہ میں وطن جانے والا ہوں اسواسطے ان سے آخری ملاقات کرونگا۔ چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے اور فرش پر بیٹھے رہے اور ملاقات کرکے چلے گئے۔

چونکہ مرزا صاحب پادریوں کے ساتھ مباحثہ کو بہت پسند کرتے تھے اسواسطے مرزا شکستہ تخلص نے جو بعد ازاں موحد تخلص کیا کرتے تھے اور مراد بیگ نام جالندھر کے رہنے والے تھے۔ مرزا صاحب کو کہا۔ کہ سید احمد خان صاحب نے تورات و انجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط و کتابت کریں اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملیگی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سرسید کو عربی میں خط لکھا۔

کچہری کے منشیوں سے شیخ الہ داد صاحب مرحوم سابق محافظ دفتر سے بہت اُنس تھا اور نہایت پکی اور سچی محبت تھی۔ شہر کے بزرگوں سے ایک مولوی صاحب محبوب عالم نام سے جو عزلت گزین اور بڑے عابد اور پارسا اور نقشبندی طریق کے صوفی تھے مرزا صاحب کو دلی محبت تھی۔

چونکہ حسب مٹھیک میں مرزا صاحب مع حکیم منصب علی کے جو اس زمانہ میں وثیقہ نویس تھے رہتے تھے۔ اور وہ سر بازار تھی۔ اور اس دوکان کے بہت قریب تھی۔ جس میں حکیم حسام الدین صاحب مرحوم سامان دواسازی اور دوافروشی اور مطب رکھتے تھے اس سبب سے حکیم صاحب اور مرزا صاحب میں تعارف ہوگیا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے مرزا صاحب سے قانونچہ اور موجز کا بھی کچھ حصہ پڑھا۔

چونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اسواسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی طیاری شروع کردی۔ اور قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے اور کیونکر ہوتے۔ وہ دُنیوی اشغال کے لیئے بنائی نہیں گئے تھے۔ سچ ہے۔ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ان دنوں میں پنجاب یونیورسٹی نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ اس میں عربی اُستاد کی ضرورت تھی۔ جسکی تنخواہ ایک سو روپیہ ماہوار تھی۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ درخواست بھیجدیں۔ چونکہ آپکی لیاقت عربی زباندانی کی نہایت کامل ہے آپ ضرور اس عہدہ پر مقرر ہو جائینگے۔ فرمایا:۔

'میں مدرسی کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اکثر لوگ پڑھکر بعد ازاں بہت شرارت کے کام کرتے ہیں۔ اور علم کو ذریعہ اور آلہ ناجائز کاموں کا بناتے ہیں۔ میں اس آیت کے وعید سے بہت ڈرتا ہوں۔ احشروا الذین ظلموا وازواجھم'۔

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے نیک باطن تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ انبیاء کو احتلام کیوں نہیں ہوتا؟ آپنے فرمایا۔ کہ چونکہ انبیاء سوتے جاگتے پاکیزہ خیالوں کے سوا کچھ نہیں رکھتے اور ناپاک خیالوں کو دل میں آنے نہیں دیتے اسواسطے ان کو خواب میں بھی احتلام نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ لباس کے بارہ میں ذکر ہو رہا تھا۔ ایک کہتا کہ بہت کھلی اور وسیع موہری کا پاجامہ اچھا ہوتا ہے۔ جیسا ہندوستانی اکثر پہنتے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا ہوتا ہے مرزا صاحب نے فرمایا کہ:۔

'بلحاظ ستر عورت تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا اور افضل ہے اور اس میں پردہ زیادہ ہے۔ کیونکہ اسکی تنگ موہری کے باعث زمین سے بھی ستر عورت ہو جاتا ہے'۔

سب نے اس کو پسند کیا۔

آخر مرزا صاحب نوکری سے دل برداشتہ ہو کر استعفاء دیکر ۱۸۶۸ء میں یہاں تشریف لیگئے۔ ایک دفعہ ۱۸۷۱ء میں آپ تشریف لائے اور لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پہ قیام کیا۔ اور بتقریب دعوت حکیم میر حسام الدین صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔

اسی سال سرسید احمد خاں صاحب غفرلہ نے قرآن شریف کی تفسیر شروع کی تھی تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آ چکی تھی جب میاں شیخ الٰہی داد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کیلئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے۔ تو اثنا گفتگو میں سرسید صاحب

کا ذکر شروع ہوا اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آگیا۔ راقم نے کہا۔ کہ تین رکوعوں کی تفسیر آگئی ہے جس میں دُعا اور نزولِ وحی کی بحث آگئی ہے۔ فرمایا۔

"کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں"

جب دوسرے دن وہاں گئے۔ تو تفسیر کے دونو مقام آپنے سنے اور سنکر خوش نہ ہوئے۔ اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔

اس زمانہ میں مرزا صاحب کی عمر راقم کے قیاس میں تخمیناً ۲۴ سے کم اور ۲۸ سے زیادہ نہ تھی۔ غرضکہ ۱۸۶۴ء میں آپکی عمر ۲۸ سے متجاوز نہ تھی۔ راقم میر حسن"

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اول مولوی میر حسن صاحب موصوف نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت صاحب نے سیالکوٹ میں ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھی تھیں اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ آپ انگریزی خواں تھے۔ ایک یا دو کتابیں پڑھنے کا صرف یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آپکو حروف شناسی ہو گئی تھی۔ کیونکہ پہلے زمانہ میں جو انگریزی کی پہلی کتاب ہوتی تھی اس میں صرف انگریزی کے حروف تہجی کی شناخت کروائی جاتی تھی۔ اور دوسری کتاب میں حروف جوڑ کر بعض چھوٹے چھوٹے آسان الفاظ کی شناخت کروائی جاتی تھی اور آجکل بھی انگریزی کی ابتدائی ایک دو کتابوں میں قریباً اسی قدر استعداد مدنظر رکھی جاتی ہے۔ خاکسار کو یاد ہے۔ کہ جب میں غالباً ساتویں جماعت میں تھا۔ تو ایک دفعہ میں گھر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ٹھہرا تھا۔ اور میرے پاس ایک انگریزی طرز کا قلمدان تھا جس میں تین قسم کی سیاہی رکھی جا سکتی ہے۔ اس میں Red copying Blue کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے ہاتھ میں یہ قلمدان دیکھا تو اُسے اپنے ہاتھ میں لیکر یہ الفاظ پڑھنے چاہے۔ مگر مجھے یاد ہے کہ پہلا اور تیسرا تو آپنے غور کے بعد پڑھ لیا۔ مگر درمیان کے لفظ کے متعلق پڑھنے کی کوشش کی مگر نہیں پڑھ سکے۔ چنانچہ پھر آپ نے مجھ سے وہ لفظ پوچھا۔ اور اسکے معنے بھی دریافت فرمائے۔ غرض معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے مفرد اور آسان الفاظ آپ غور کرنیسے پڑھ سکتے تھے جسکے یہ معنی ہیں کہ آپ کو انگریزی حروف شناسی ہو گئی تھی بس اس سے زیادہ نہیں

(دوسرے) مولوی میر حسن صاحب نے لکھا ہے۔ کہ زمانہ قیام سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عربی میں کامل استعداد تھی اور آپ عربی میں تحریر و تقریر کر سکتے تھے۔ یہ ریمارک جس رنگ میں مولوی صاحب نے کیا ہے۔ درست ہے۔ مگر یہ ایک نسبتی ریمارک ہے۔ جس سے صرف یہ مراد ہے کہ اسوقت سیالکوٹ کے ایک خاص حلقہ میں حضرت صاحب کی عربی استعداد دوسروں کی نسبت اچھی تھی۔ اور آپ ایک حد تک عربی میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کر سکتے تھے۔ لیکن ویسے حقیقۃً دیکھا جائے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اکتسابی تعلیم عام مروجہ حد سے ہرگز متجاوز نہیں تھی۔ اور وہ بھی اس حد تک محدود تھی۔ جو اسوقت قادیان میں گھر پر استاد رکھنے سے میسر آسکتی تھی۔ کیونکہ آپ نے کسب علم کیلئے کبھی کسی بڑے مرکز یا شہر کا سفر اختیار نہیں کیا)

تیسرے مولوی میر حسن صاحب نے لکھا ہے۔ کہ حضرت صاحب نے سرسید کی تفسیر دیکھی۔ مگر پسند نہیں فرمایا۔ اسکی یہ وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سرسید مرحوم کو ایک لحاظ سے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں قوم کا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھتے تھے۔ لیکن سرسید کے مذہبی خیالات کے آپ سخت مخالف تھے۔ کیونکہ مذہبی معاملات میں سرسید کی یہ پالیسی تھی کہ نئے علوم اور نئی روشنی سے مرعوب ہو کر انکے مناسب حال اسلامی مسائل کی تاویل کر دیتے تھے۔ چنانچہ یہ سلسلہ اتنا وسیع ہوا کہ کئی بنیادی اسلامی عقاید مثلاً دعا وحی والہام خوارق ومعجزات ملائک وغیرہ کے گویا ایک طرح منکر ہی ہو گئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سرسید کی یہ حالت دیکھکر انہیں اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام میں نہایت دردمندانہ طریق پر مخاطب کر کے ان کی اس سخت ضرر رساں پالیسی پر متنبہ فرمایا ہے۔

نیز ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول بھی اوائل میں سرسید کے خیالات اور طریق سے بہت متاثر تھے۔ مگر حضرت صاحب کی صحبت سے یہ اثر آہستہ آہستہ دھلتا گیا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم ومغفور بھی ابتداء میں سرسید

کے بہت دلدادہ تھے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے بھی اپنے ایک شعر میں انکے متعلق اسکا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

مدتے در آتشِ نیچر فرو اُفتادہ بود
ایں کرامت ہیں کہ از آتش بروں آمد سلیم

نیز۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مولوی میر حسن صاحب کی ایک دوسری روایت حضرت مسیح موعود کے زمانہ سیالکوٹ کے متعلق نمبر ۲۸۰ پر بھی درج ہے)

(۱۵۱) **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**۔ بیان کیا مجھ سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ حضرت مولویصاحب خلیفہ اول بیان فرماتے تھے۔ کہ ایک دفعہ میں نے کسی شخص سے ایک زرعتی کنواں ساڑھے تین ہزار روپیہ میں رہن لیا۔ مگر میں نے اس سے نہ کوئی رسید لی۔ اور نہ کوئی تحریر کروائی۔ اور کنواں بھی اسکے قبضہ میں رہنے دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے اُس سے کنوئیں کی آمد کا مطالبہ کیا تو وہ صاف منکر ہو گیا اور رہن کا ہی انکار کر بیٹھا۔ حافظ صاحب کہتے تھے۔ کہ مولویصاحب فرماتے تھے کہ کسی نے یہ خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک پہنچا دی۔ اور مولویصاحب کے نقصان پر افسوس کیا۔ مگر حضرت صاحب نے فرمایا ہمیں ان کے نقصان کی فکر ہے۔ مجھے ایمان کی فکر ہے۔ مولویصاحب نے کیوں دوسرے شخص کو ایسی حالت میں رکھا۔ جس سے اُسکو بددیانتی کا موقعہ ملا اور کیوں اسلامی حکم کے مطابق اُس سے کوئی تحریر نہ لی اور کیوں اس سے باقاعدہ قبضہ حاصل نہ کیا؟

(۱۵۲) **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ گو قادیان میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ابتداء سے ہی گوشۂ تنہائی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن پھر بھی قادیان کے بعض ہندوؤں کی آپ سے اچھی ملاقات تھی۔ چنانچہ لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل سلسلہ بیعت سے بہت پہلے کے ملاقاتی تھے۔ ان سے حضرت صاحب کی اکثر مذہبی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ اور باوجود متعصب آریہ ہونے کے یہ دونوں آپ سے عقیدت بھی رکھتے تھے۔ اور آپکے تقدس اور ذاتی طہارت کے قائل تھے۔ ابتداءً لالہ ملاوامل کے تعلقات بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ ہماری والدہ صاحبہ کی شادی کے موقعہ پر

لالہ ملاوامل حضرت صاحب کے ساتھ دہلی گئے تھے۔ مگر بعد میں اُنکا آنا جانا کم ہوگیا کیونکہ یہ سخت متعصب آریہ تھے۔ اور آریوں کو حضرت صاحب کے ساتھ سخت عداوت ہوگئی تھی۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ حضرت صاحب کا الہام "یہودا اسکریوطی" لالہ ملاوامل ہی کے متعلق ہے۔ مگر لالہ شرم پت کے تعلقات حضرت اقدس کیساتھ آخر تک قریباً ویسے ہی رہے۔ لالہ ملاوامل اب تک بقید حیات ہیں۔ مگر لالہ شرم پت کئی سال ہوئے۔ فوت ہوچکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کئی تحریرات میں ان ہر دو کو اپنی بعض پیشگوئیوں کی تصدیق میں شہادت کے لئے مخاطب کیا ہے اور ان کو بار بار پوچھا ہے۔ کہ اگر تم نے میری فلاں فلاں پیشگوئیاں پوری ہوتی مشاہدہ نہیں کیں۔ تو حلف اُٹھا کر ایک اشتہار شائع کرو۔ اور دوسرے آریوں کو بھی بھڑا رہے۔ کہ ان سے حلفیہ بیان شائع کرواؤ۔ مگر یہ دونوں خاموش رہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد الیس اللہ بکاف عبدہ والی انگوٹھی تیار کروانی چاہی تو اسکے لئے بھی آپنے لالہ ملاوامل کو روپیہ دیکر امرتسر بھیجا تھا۔ چنانچہ لالہ ملاوامل امرتسر سے یہ انگوٹھی قریباً پانچ روپے میں تیار کروا کر لائے تھے۔ حضرت صاحب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ میں نے ایسا اسلئے کیا تھا۔ کہ تاکہ لالہ ملاوامل اس الہام کا پوری طرح شاہد ہوجاوے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اپنی کتب میں اس پیشگوئی کی صداقت کے متعلق بھی لالہ ملاوامل کو شہادت کے لئے بلایا ہے +

(۱۵۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے چوہدری حاکم علی صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول کے بعض شاگردوں کے متعلق بدکاری کا شُبہ ہُوا۔ اور یہ خبر حضرت صاحب تک بھی جا پہنچی۔ حضور نے حکم دیا۔ کہ وہ طالب علم فوراً قادیان سے چلے جاویں۔ مولوی صاحب نے حضرت صاحب کے سامنے بطور سفارش کہا کہ حضور صرف شبہ ہی کیا گیا ہے۔ کوئی بات ثابت تو نہیں ہوئی۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ مولوی صاحب ہم بھی تو ان کو شرعی حد نہیں لگا رہے۔ بلکہ جب ایسی افواہ ہے اور

شبہ پیدا ہوا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ احتیاطاً انکو قادیان سے رخصت کر دینا چاہئے۔ مگر ہم ان پر کوئی شرعی الزام نہیں رکھتے +

(۱۵۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل میں میں سخت غیر مقلد تھا۔ اور رفع یدین اور آمین بالجہر کا بہت پابند تھا۔ اور حضرت صاحب کی ملاقات کے بعد بھی میں نے یہ طریق مدت تک جاری رکھا عصر کے بعد ایکدفعہ جب میں نے آپکے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کے بعد آپنے مجھ سے مسکرا کر فرمایا میاں عبداللہ اب تو اس سنت پر بہت عمل ہو چکا ہے۔ اور اشارہ رفع یدین کیطرف تھا میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ اسدن سے میں نے رفع یدین کرنا ترک کر دیا۔ بلکہ آمین بالجہر کہنا بھی چھوڑ دیا۔ اور میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صاحب کو کبھی رفع یدین کرتے یا آمین بالجہر کہتے نہیں سنا۔ اور نہ کبھی بسم اللہ بالجہر پڑھتے سنا ہی خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق عمل وہی تھا۔ جو میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا لیکن ہم احمدیوں میں حضرت صاحب کے زمانہ میں بھی اور آپکے بعد بھی یہ طریق عمل رہا ہے۔ کہ ان باتوں میں کوئی ایک دوسرے پر گرفت نہیں کرتا۔ بعض آمین بالجہر کہتے ہیں بعض نہیں کہتے بعض رفع یدین کرتے ہیں۔ اکثر نہیں کرتے۔ بعض بسم اللہ بالجہر پڑھتے ہیں اکثر نہیں پڑھتے۔ اور حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ دراصل یہ تمام طریق آنحضرت صلعم سے ثابت ہیں مگر جس طریق پر آنحضرت صلعم نے کثرت کیساتھ عمل کیا وہ وہی طریق ہے جسپر خود حضرت صاحب کا عمل تھا۔

(۱۵۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود ہی اذان کہا کرتے تھے اور خود ہی نماز میں امام ہوا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعد میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب امام نماز مقرر ہوئے۔ اور سنا گیا ہے کہ حضرت صاحب نے دراصل حضرت مولوی نورالدین صاحب کو امام مقرر کیا تھا لیکن مولوی صاحب نے مولوی عبدالکریم صاحب کو کروا دیا۔ چنانچہ اپنی وفات تک جو ۱۹۰۵ء میں ہوئی مولوی عبدالکریم صاحب ہی امام رہے۔ حضرت صاحب مولوی عبدالکریم صاحب کیساتھ بائیں طرف کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اور باقی مقتدی پیچھے ہوتے تھے مولوی عبدالکریم صاحب کی غیر حاضری

میں نیز ان کی وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب امام ہوتے تھے۔ جمعہ کے متعلق یہ طریق تھا۔ کہ اوائل میں اور بعض اوقات آخری ایام میں بھی جب حضرت صاحب کی طبیعت اچھی ہوتی تھی۔ جمعہ بڑی مسجد میں ہوتا تھا۔ جسکو عموماً لوگ مسجد اقصےٰ کہتے ہیں۔ اور مولوی عبدالکریم صاحب امام ہوتے تھے۔ بعد میں جب حضرت کی طبیعت عموماً ناساز رہتی تھی۔ مولوی عبدالکریم صاحب حضرت صاحب کیلئے مسجد مبارک میں جمعہ پڑھاتے تھے۔ اور بڑی مسجد میں حضرت مولوی نورالدین صاحب جمعہ پڑھاتے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کے بعد مسجد مبارک میں مولوی محمد احسن صاحب اور انکی غیر حاضری میں مولوی محمد سرور شاہ صاحب امام جمعہ ہوتے تھے۔ اور بڑی مسجد میں حضرت مولوی نورالدین صاحب امام ہوتے تھے۔ حضرت صاحب کی وفات تک یہی طریق رہا۔ عید کی نماز میں عموماً مولوی عبدالکریم صاحب اور انکے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب امام ہوتے تھے۔ جنازہ کی نماز حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب آپ شریک نماز ہوں خود پڑھایا کرتے تھے۔

(۱۵۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے۔ کہ جب حضرت مسیح موعود نے عید اضحی کے موقعہ پر خطبہ الہامیہ پڑھا۔ تو میں قادیان میں ہی تھا۔ حضرت صاحب مسجد مبارک کی پرانی سیڑھیوں کے راستہ سے نیچے اُترے آگے میں انتظار میں موجود تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اسوقت آپ بہت بشاش تھے۔ اور چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔ پھر آپ بڑی مسجد کیطرف تشریف لے گئے۔ اور وہاں نماز کے بعد خطبہ شروع فرمایا۔ اور حضرت مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب کو خطبہ لکھنے پر مقرر کر دیا۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب اس خیال سے کہ لکھنے والے پیچھے نہ رہ جائیں بہت تیز تیز نہیں بولتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات لکھنے والوں کی سہولت کیلئے ذرا رُک جاتے تھے۔ اور اپنا فقرہ دُہرا دیتے تھے اور میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ مجھے یاد ہے۔ کہ ایک وقت آپ نے لکھنے والوں سے یہ بھی فرمایا۔ کہ جلدی لکھو۔ یہ وقت پھر نہیں رہیگا۔ اور بعض اوقات آپ یہ بھی بتاتے تھے۔ کہ مثلاً یہ لفظ ص سے لکھو یا سین سے لکھو۔

اور بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ خطبہ کے وقت حضرت صاحب کرسی کے اوپر بیٹھے تھے اور آپکے بائیں طرف فرش پر حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول و مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم تھے۔ جن کو آپنے خطبہ لکھنے کیلئے مقرر کیا تھا۔ اور آپ کی آواز عام آواز سے ذرا متغیر تھی۔ اور آواز کا آخری حصہ عجیب انداز سے باریک ہو جاتا تھا۔ اور دوران خطبہ میں آپ نے مولوی صاحبان سے یہ فرمایا تھا کہ جو لفظ لکھنے سے رہ جاوے۔ وہ مجھ سے ابھی پوچھ لو۔ کیونکہ بعد میں ممکن ہے کہ وہ مجھے بھی معلوم رہے یا نہ رہے اور مولوی صاحب نے بیان کیا کہ بعد خطبہ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ یہ خطبہ میری طرف سے نہ تھا۔ بلکہ میرے دل میں اللہ کیطرف سے الفاظ ڈالے جاتے تھے۔ اور بعض اوقات کچھ لکھا ہوا میرے سامنے آجاتا تھا۔ اور جب تک ایسا ہوتا رہا۔ خطبہ جاری رہا۔ لیکن جب الفاظ آنے بند ہوگئے۔ خطبہ بند ہوگیا۔ اور فرماتے تھے۔ کہ یہ خطبہ بھی ہمارے دوستوں کو یاد کر لینا چاہیئے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہم اس وقت بچے تھے صرف سات آٹھ سال کی عمر تھی لیکن مجھے بھی وہ نظارہ یاد ہے حضرت صاحب بڑی مسجد کے پرانے حصہ کے درمیانی در کے پاس صحن کیطرف منہ کئے ہوئے تھے اور اسوقت آپ کے چہرہ پر ایک خاص رونق اور چمک تھی۔ اور آپکی آواز میں ایک خاص درد اور رعب تھا۔ اور آپکی آنکھیں قریباً بند تھیں۔ یہ خطبہ خطبہ الہامیہ کے نام سے چھپ چکا ہے لیکن اس خطبہ الہامیہ کے صرف پہلے اڑتیس صفحے جہاں باب اول ختم ہوتا ہے اصل خطبہ کے ہیں۔ جو اسوقت حضرت صاحب نے فرمایا اور باقی حصہ بعد میں حضرت صاحب نے تحریراً زیادہ کیا تھا۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ خطبہ الہامیہ اس عید اضحیٰ میں دیا گیا تھا۔ جو سنہ ۱۹۰۰ء میں آئی تھی مگر شائع بعد میں سنہ ۱۹۰۲ء میں ہوا۔

(۱۵۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے متعلق اپنے اشعار میں لکھا ہے سہ مبارک وہ جو اب ایمان لایا ۔ صحابہ سے ملا جب مجھکو پایا۔

وہی مے ان کو ساقی نے پلادی فسبحان الذی اخزی الاعادی

یعنی مبارک ہے وہ شخص جو اب میری موجودگی میں ایمان لاتا ہے کیونکہ وہ میری صحبت میں آکر صحابہ کی جماعت میں داخل ہوجاتا ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ جو عرفان اور تقوٰے کی جو صحابہ کرام کو ملی تھی۔ وہی میرے صحابہ کو بھی دیگئی ہے۔ پھر ایک اور موقعہ پر جب عبدالحکیم خاں مرتد نے آپکی جماعت پر کچھ اعتراضات کئے تو آپ نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ:۔ "آپ کہتے ہیں کہ صرف ایک حکیم مولوی نورالدین صاحب اس جماعت میں عملی رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ دوسرے ایسے ہیں اور ایسے ہیں میں نہیں جانتا کہ آپ اس افترا کا کیا خدا تعالٰے کو جواب دینگے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں۔ کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں۔ اور اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور باتیں سُننے کیوقت اسقدر روتے ہیں کہ انکے گریبان تر ہوجاتے ہیں۔ میں اپنے ہزارہا بیعت کنندوں میں اسقدر تبدیلی دیکھتا ہوں۔ کہ موسٰی نبی کے پیروان سے جو انکی زندگی میں ان پر ایمان لائے تھے ہزارہا درجہ انکو بہتر خیال کرتا ہوں اور ان کے چہرہ پر صحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں ہاں شاذ و نادر کے طور پر اگر کوئی اپنی فطرتی نقص کی وجہ سے صلاحیت میں کم رہا ہو۔ تو وہ شاذ و نادر میں داخل ہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ میری جماعت نے جسقدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ ہزارہا آدمی دل سے فدا ہیں۔ اگر آج انکو کہا جائے کہ اپنے تمام اموال سے دست بردار ہوجاؤ۔ تو وہ دست بردار ہوجانے کے لئے مستعد ہیں۔ پھر بھی میں ہمیشہ انکو اور ترقیات کے لئے ترغیب دیتا ہوں اور انکی نیکیاں انکو نہیں سناتا۔ مگر دل میں خوش ہوں"۔

اسی طرح بعض اور موقعوں پر بھی آپ نے اپنی جماعت کی بہت تعریف کی ہے۔ لیکن بعض نادان اس میں شک کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں تو ہمیں سب کچھ نظر آتا ہے مگر یہاں بہت کم گویا مقابلتہً کچھ بھی نہیں۔ اس دعوے کا ازالہ یہ ہے کہ بعض ایسی باتیں ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قائم کردہ جماعت کی حقیقی قدر پہچاننے کے رستہ میں روک ہو رہی ہیں۔ مگر صحابہ

کرام کے متعلق وہ روک نہیں ہیں۔ مثلاً:۔

اوّل ۔ہمعصریت ہے۔ یعنے ایک ہی زمانہ میں ہونا۔ جس طرح ہموطن ہونا انسان کی حقیقی قدر کے پہچانے جانے کے رستہ میں روک ہوتا ہے۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔ کہ نبی ذلیل نہیں۔ مگر اپنے وطن میں اسیطرح مثلاً پنجابی میں کہاوت ہے۔ کہ گھر کی مرغی دال برابر۔ ٹھیک اسی طرح ہمعصر ہونا بھی حقیقی قدر کے پہچانے جانے کے رستہ میں ایک بہت بڑی روک ہوتا ہے۔ اور عموماً انسان اپنے زمانہ کے کسی آدمی کی بڑائی کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ اور یہ تعصب گویا طبعی طور پر انسان کے اندر کام کرتا ہے پس چونکہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے صحابہ کی جماعت تو ایک دور دراز کی بات ہے لیکن حضرت مسیح موعود کی جماعت خود اپنے زمانہ کی ہے اور اپنی آنکھوں کے سامنے ہے اسلئے وہ بالعموم حضرت مسیح موعود کے صحابہ کی قدر پہچان نہیں سکتے۔ ہاں جب یہ زمانہ گذر جائیگا۔ اور حضرت مسیح موعود کی صحبت یافتہ جماعت ایک گذشتہ کی چیز ہو جائیگی تو پھر دیکھنا کہ آئندہ نسلوں میں یہی جماعت کس نظر سے دیکھی جاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ عموماً اسلامی تاریخ سے تفصیلی طور پر واقف نہیں مگر یہاں کی باتیں وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ صحابہ کی جماعت کے متعلق لوگوں کا علم عموماً واعظوں کے وعظوں سے ماخوذ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ واعظ اپنی بات میں اثر پیدا کرنے کے لئے عموماً خاص خاص موقعوں کی خاص خاص باتوں کو سجا سجا کر بیان کرتا ہے۔ مگر لوگ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ کہ گویا اس جماعت کے سارے افراد سارے حالات میں اسی رنگ میں رنگین تھے۔ اور اسی کے مطابق وہ اپنے ذہن میں نقشہ جما لیتے ہیں۔ اور پھر وہ حضرت مسیح موعود کی جماعت کو بھی اسی معیار سے ناپتے ہیں جسکا نتیجہ ظاہر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام جیسا اعلےٰ نمونہ نہ پہلی کسی اُمت میں نظر آتا ہے۔ نہ اب تک بعد میں کہیں ہوا ہے۔ اور نہ آئندہ ہوگا۔ یعنی بحیثیت مجموعی مگر احادیث سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ میں بھی کمزوریاں تھیں اور کمزوریاں بھی مختلف اقسام کی نظر آتی ہیں۔ مگر اس سے صحابہ کے تقدس پر بحیثیت مجموعی کوئی حرف

گیری نہیں ہوسکتی۔ اور صحابہ کا بے نظیر ہونا بہرحال ثابت ہے (اے اللہ تو مجھے آنحضرت صلعم اور مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس جماعتوں پر حرف گیری کرنے سے بچا۔ اور مجھے انکے پاک نمونہ پر چلنے کی توفیق دے)

تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ کے حالات تو اجتماعی حیثیت میں منضبط اور مدوّن طور پر ہمارے سامنے موجود ہیں۔ لیکن باوجود ہمعصر ہونیکے حضرت مسیح موعود کے صحابہ کے حالات ابھی تک ہمارے سامنے اس طرح موجود نہیں۔ ورنہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کے صحابہ میں بھی بے شمار ایسے اعلیٰ نمونے موجود ہیں کہ جنکے مشاہدہ سے ایمان تروتازہ ہوجاتا ہے۔ جب اسلامی تاریخ کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کے حالات جمع ہوکر منضبط اور مدوّن ہونگے۔ اسوقت انشاء اللہ حقیقت حال منکشف ہوگی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو تفصیلی حالات آنحضرت صلعم کے صحابہ کرام کے بحیثیت مجموعی ہم کو معلوم ہیں یا ہوسکتے ہیں وہ خود صحابہ کو بھی معلوم نہیں تھے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک زمانہ کی مختلف خصوصیات اور مختلف حالات ہوتے ہیں۔ صحابہ کو مشیت ایزدی سے ایسے جسمانی مواقع پیش آئے جن سے راسخ الایمان لوگوں کا ایمان چمکا اور دنیا میں ظاہر ہوا۔ مگر حضرت مسیح موعود کی جماعت کیلئے اس قسم کے ابتلا مقدر نہیں تھے۔ ورنہ ہم اللہ سے اُمید رکھتے ہیں کہ ان کا ایمان بھی علیٰ قدر مراتب* اسی طرح چمکتا اور ظاہر ہوتا۔ حضرت مسیح موعود کے صحابہ میں سے صرف دو آدمیوں پر وہ وقت آیا کہ خدا کی راہ میں ان سے انکی جان کی قربانی مانگی گئی اور دنیا دیکھ چکی ہے کہ انہوں نے کیا نمونہ دکھایا۔ (اس جگہ میری مراد کابل کے شہداء سے ہے)

پانچویں وجہ یہ ہے جسکو لوگ عموماً نظر انداز کردیتے ہیں کہ کسی قوم کے درجہ اصلاح کا اندازہ کرنے کے لئے ان مخالف طاقتوں کا اندازہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے جو اس قوم کو ایمان کے راستہ میں پیش آتی ہیں اگر ایک قوم کے مقابل میں مخالف طاقتیں نہایت زبردست اور خطرناک ہیں تو اسکا ایمان کے رستہ میں نسبتہً تھوڑی مسافت طے کرنا بھی بڑی قدر و

* اب بوقت ایڈیشن دوم یہ تعداد زیادہ ہوچکی ہے۔ منہ

منزلت رکھتا ہے۔ پس صرف یہ دیکھنا کافی نہیں کہ فلاں قوم ایمان کے رستہ پر کسقدر ترقی یافتہ ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس نے یہ ترقی کن مخالف طاقتوں کے مقابل پر کی ہے۔ پس اس لحاظ سے دیکھیں۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی جماعت کی اصلاح واقعی معجز نما ہے۔ کیونکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ اس زمانہ میں جو مخالف طاقتیں ایمان کے مقابلے میں کام کر رہی ہیں اسکی نظیر گذشتہ زمانوں میں نہیں پائی جاتی۔ حتّٰی کہ خود سرور کائنات کے زمانہ سے بھی اس زمانہ کے فتن بڑھکر ہیں کیونکہ یہ دجال کا زمانہ ہے۔ جسکے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ سب نبی اس سے ڈراتے آئے ہیں۔ اور خود آنحضرت صلعم نے بھی اس سے اپنی اُمت کو بہت ڈرایا ہے۔ اور اسبات پر اجماع ہُوا ہے کہ دجالی فتنہ سب فتنوں سے بڑھکر ہے۔ اور واقعی جو مادیت اور دہریت اور دنیا پرستی کی زہریلی ہوائیں اس زمانہ میں چلی ہیں ایسی پہلے کبھی نہیں چلیں اور مذاہب باطلہ اور علوم مادی کا جو زور اس زمانہ میں ہُوا ہے ایسا کبھی نہیں ہُوا۔ پس ایسے خطرناک زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا ایک ایسی جماعت تیار کر لینا جو واقعی زندہ اور حقیقی ایمان پر قائم ہے اور اعمال صالحہ بجا لاتی ہے اور تمام مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہے ایک بینظیر کامیابی ہے۔ بے شک آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ایمان کے رستہ پر شیطان کے شمشیر بردار سپاہی موجود تھے اور یہ ایک بہت بڑی روک تھی۔ کیونکہ ایک مومن کو خون کی نہر میں سے گذر کر ایمان کی نعمت حاصل کرنی پڑتی تھی۔ مگر یہاں ایمان کے راستہ پر شیطان نے نہ صرف یہ کہ اپنی ساری فوجیں جمع کر رکھی ہیں بلکہ اُس نے ایسے سپاہی مہیا کئے ہیں جو نظر نہیں آتے۔ مگر راہ گیروں سے ایمان کی پونجی لوٹتے چلے جا رہے ہیں اور سوائے روحانی طاقتوں کے کوئی انکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس حضرت مسیح موعود کی کامیابی ایک واقعی بے نظیر کامیابی ہے۔ مگر یہہ کامیابی بھی دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی کامیابی ہے۔ کیونکہ شاگرد کی فتح اُستاد کی فتح ہے اور خادم کی فتح آقا کی فتح لہذا ان حالات میں اگر حضرت مسیح موعود کی جماعت میں کوئی کمی بھی ہے۔ "وہ بحیثیت مجموعی جماعت کی شان کو کم نہیں کر سکتی۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ انسانی دماغ کا یہ بھی خاصہ ہے کہ جب تک کوئی شخص زندہ ہے۔ اسکا حسن مخفی رہتا ہے اور کمزوریاں زیادہ سامنے آتی ہیں یعنی عموماً تصویر کا کمزور پہلو ہی زیادہ مستحضر رہتا ہے۔ لیکن اسکے مرنے کے بعد معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ یعنی مرنیکے بعد مرنے والے کی خوبیاں زیادہ چمک اُٹھتی ہیں اور زیادہ یاد رہتی ہیں اور کمزوریاں مدھم پڑ جاتی ہیں اور یاد سے محو ہو جاتی ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود کی جماعت کا بھی یہی حال ہے جب وُہ وقت آئیگا۔ کہ حضرت مسیح موعود کے صحابہ گذر جائینگے۔ تو پھر انکا اخلاص اور انکی قربانیاں چمکینگی اور وہی یاد رہ جائیں گی اور کمزوریاں مٹ جائینگی اور ہم خود اس بات کو عملاً محسوس کر رہے ہیں کیونکہ جو احباب ہمارے فوت ہو چکے ہیں۔ انکی خوبیاں ہمارے اندر زیادہ گہرا نقش پیدا کر رہی ہیں بمقابلہ انکے جو بقیدِ حیات ہیں اسی طرح گذرے ہوئے دوستوں کی کمزوریاں ہمارے ذہنوں میں کم اثر پیدا کرتی ہیں۔ بمقابلہ انکے جو ہم میں زندہ موجود ہیں اور تاریخ کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ صحابہ میں بھی یہی احساس تھا۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ لوگ عموماً اس بات کو نہیں سمجھتے۔ کہ انفرادی اصلاح اور جماعت کی اجتماعی اصلاح میں فرق ہے اور دونو کا معیار جدا ہے۔ کسی جماعت کو اصلاح یافتہ قرار دینے کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اسکے سارے افراد اصلاح یافتہ ہوں۔ بلکہ جس قوم کے اکثر افراد نے اپنے اندر تبدیلی کی ہے اور اپنے اندر ایمان اور صلاحیت کا نور پیدا کیا ہے۔ وہ اصلاح یافتہ کہلائیگی۔ خواہ اسکے بعض افراد میں صلاح نہ نظر آئے اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہوتا۔ کہ کسی جماعت کے اصلاح یافتہ افراد سب کے سب ایک درجہ صلاحیت پر قایم ہوں۔ بلکہ مدارج کا ہونا بھی متحقق ہے۔ لہذا بحیثیت مجموعی جماعت کی حالت کو دیکھنا چاہئے۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ مختلف افراد کے فطری قویٰ اور فطری استعدادیں الگ الگ ہوتی ہیں پس سب سے ایک جیسی اصلاح متوقع نہیں ہو سکتی اور نہ کسی جماعت میں ہمکو اسکے سب افراد ایک جیسے نظر آتے ہیں لہذا ہمارا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ ایک انسانی جماعت سے جس میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ بحیثیت مجموعی کس درجہ کی اصلاح

کی توقع رکھی جاسکتی ہے اور اس لحاظ سے حضرت مسیح موعود کی جماعت کا قدم بہت بلند نظر آتا ہے۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ یہ بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ کمزور لوگ خواہ جماعت میں بہت ہی تھوڑے ہوں۔ مگر نظر زیادہ آتے ہیں کیونکہ بدی آنکھ میں کھٹکتی ہے اور نیکی بوجہ لطافت کے سوائے لطیف حس کے عموماً محسوس نہیں ہوتی۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہزاروں میں اگر پانچ دس بھی شریر ہوں۔ تو عموماً لوگوں کو ایسا نظر آتا ہے کہ گویا اکثر شریر ہی ہیں اور بھلے مانس کم ہیں۔ کیونکہ شریر اپنی شرارت کیوجہ سے نمایاں ہو جاتا ہے اور اسکی طرف لوگوں کی نظر فوراً اُٹھتی ہے۔ دیکھ لو آنکھ میں ہوا ہر وقت بھری رہتی ہے مگر آنکھ اسے محسوس نہیں کرتی۔ لیکن اگر اس میں ایک چھوٹا سا تنکا بھی پڑ جاوے تو قیامت برپا کر دیتا ہے لیکن جب وہ وقت گذر جاتا ہے۔ یعنی وہ جماعت فوت ہو جاتی ہے۔ تو پھر ایسا ہوتا ہے کہ گویا آنکھ کا تنکا نکل گیا اور صرف لطیف اور خنک ہوا آنکھ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے باقی رہ گئی۔ مجھے یاد ہے کہ میرے سامنے ایکدفعہ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ قادیان کے احمدیوں میں سے اکثر لوگ بُرے ہیں میں نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو۔ اُسنے کہا کہ نہیں میں خوب جانتا ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ اکثر کا بُرا ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ کم از کم ساٹھ ستر فی صدی تو بُرے ہونگے۔ اس نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ ہیں میں نے اسے کہا کہ مُنہ سے کہدینا آسان ہے۔ مگر ثابت کرنا مشکل۔ تم مجھے صرف دس فیصدی بتا دو چلو پانچ فیصدی بتا دو اور میں تمہیں یہ یہ انعام دونگا۔ مگر وہ ایک شرمندہ انسان کی طرح ہنسکر خاموش ہو گیا۔ اگر ایسے اس طرح منہ سے کہدینا ہی کافی ہو۔ تو مشرکین اور یہود بھی صحابہ کرام کے متعلق کیا کچھ کہتے ہیں۔

نویں وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں تو منافق ہوتے تھے۔ لیکن احمدیوں میں منافق کوئی نہیں۔ بلکہ جو بھی احمدی کہلاتا ہے وہ سچا مومن ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے بلکہ جس طرح صحابہ کے زمانہ میں منافق ہوتے تھے اسی طرح اب بھی ہیں اور یہ خیال کہ وہ تلوار کا زمانہ تھا۔ اسلئے اس میں نفاق ممکن تھا۔ لیکن اس آزادی کے زمانہ میں نفاق نہیں ہو سکتا۔ ایک نادانی کا خیال ہے کیونکہ اول تو اس سے نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ اُسوقت گویا اسلام کے لئے اکراہ ہوتا تھا۔ جو ایک بالکل

غلط اور بے بنیاد بات ہے دوسرے اگر بفرض محال تلوار کا ڈر ہو بھی تو پھر کیا دنیا میں بس صرف تلوار ہی ایسی چیز رہ گئی ہے جو طبائع پہ دباؤ ڈال سکے کیا کوئی اور ایسی چیز نہیں۔ جو کمزور انسان کو خلاف ضمیر کرنے پر آمادہ کردے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جتنا نفاق آجکل روزمرہ کی زندگی میں دیکھا جاتا ہے۔ ایسا شاید ہی کسی گذشتہ زمانہ میں ہوا ہو۔ غرض یہ غلط ہے کہ آجکل منافق نہیں ہوتے۔ اور ہم عملاً دیکھ رہے ہیں۔ کہ احمدی کہلانیوالوں میں بھی منافق پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے کسی نے کسی وجہ سے نفاق اختیار کیا ہے۔ تو کسی نے کسی وجہ سے۔ تو اب جبکہ احمدیوں میں بھی منافق موجود ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ کے مسلمان کہلانیوالوں میں اگر ہم کو کوئی بُرے نمونے نظر آویں تو ہم ان کو منافق کہکر صحابہ کو ان سے الگ کر لیں۔ لیکن احمدی کہلانیوالوں میں سے جو لوگ احمدیت کی تعلیم کے خلاف نمونہ رکھتے ہیں اور اپنی روش پر عملاً مصر ہیں ان کو ہم منافق نہ سمجھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں شمار کریں اور اس طرح ظلم کے ساتھ حضرت مسیح موعود کی جماعت کو بدنام کریں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ جس شخص سے بھی کمزوری سرزد ہوتی ہو وہ منافق ہے۔ حاشا وکلا۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ جب جماعت میں منافق بھی موجود ہیں تو ہر اس شخص کو جسکا طریق احمدیت کی تعلیم کے خلاف ہے صرف اسوجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے۔ خواہ نخواہ مومنین کی جماعت میں نہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم اس اصول کے ماتحت افراد کے متعلق کوئی حکم لگائیں کیونکہ یہ طریق فتنہ کا موجب ہے، مگر ہاں بحیثیت مجموعی جماعت کے متعلق رائے لگاتے ہوئے اس اصول کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیئے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ تو دوسرے مسلمانوں سے صاف ممتاز نظر آرہے ہیں کیونکہ تدوین تاریخ سے ہمکو ابتدائی مسلمانوں کے متعلق یہ علم حاصل ہو چکا ہے کہ یہ صحابی ہے یا نہیں لیکن یہاں حضرت مسیح موعود کے صحابی اور غیر صحابی سب ملے جلے ہیں اور سوائے خاص خاص لوگوں کے عام طور پر یہ پتہ نہیں ہوتا کہ فلاں احمدی حضرت مسیح موعود کا صحبت یافتہ ہے یا نہیں۔ اور اسمیں دو طرح کا اشکال ہے۔ یعنی اول تو عموماً لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا۔ کہ فلاں احمدی حضرت مسیح موعود کے زمانہ کا احمدی ہے۔ یا بعد کا پھر اگر

یہ پتہ بھی ہو کہ وہ آپ کے زمانہ کا احمدی ہے تو یہ پتہ نہیں ہوتا۔ کہ وہ آپکا صحبت یافتہ ہے یا نہیں اور ظاہر ہے کہ صحابی وہی کہلا سکتا ہے۔ جو صحبت یافتہ ہو ہر شخص جو نبی کے زمانہ میں ایمان لاتا ہے صحابی نہیں ہوتا۔ چنانچہ دیکھ لو۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں قریباً سارا عرب مسلمان ہوگیا تھا۔ تو کیا سارے عرب صحابی بنگئے تھے؟ ہرگز نہیں بلکہ صحابی صرف وہی لوگ سمجھے جاتے تھے۔ جنہوں نے آنحضرت صلعم کی صحبت اُٹھائی تھی۔ اور اگر سب کو صحابی سمجھا جاوے۔ تو وہ رائے جو اب ہم صحابہ کے متعلق رکھتے ہیں۔ یقیناً اس مقام پر نہیں رہسکتی جسپر کہ وہ اب ہے، پس صحابی صرف وہی ہے جس نے صحبت اُٹھائی ہو۔ مگر یہاں نہ صرف یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے سب احمدی ملے جلے ہیں اور لوگوں کو انکے درمیان کسی امتیاز کا علم نہیں بلکہ آپکی وفات کے بعد احمدی ہونیوالے بھی انکے ساتھ مخلوط ہیں۔ اندریں حالات حضرت مسیح موعود کے صحابہ کے متعلق جب تک انکا الگ علم نہ ہو کس طرح کوئی رائے لگائی جاسکتی ہے یا موجودہ جماعت کی عام حالت سے صحابہ مسیح موعود کے متعلق کس طرح استدلال ہوسکتا ہے ہاں جب تاریخی رنگ میں حالات جمع ہونگے اور صحابہ مسیح موعود کی جماعت ممتاز نظر آئیگی تو پھر حالت کا اندازہ ہوسکیگا۔

گیارھویں وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ اسواسطے جماعت احمدیہ کے متعلق بدظنی کے مرتکب ہوجاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپکے خلفاء نے بعض اوقات جماعت کی کمزوریوں کا اظہار کیا ہے اور جماعت کو اسکی حالت پر زجر و توبیخ کی ہے۔ مگر یہ بھی ایک دھوکا ہے کیونکہ جس طرح واعظ کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ گذشتہ لوگوں کے خاص خاص کارنامے جنکا مؤثر پیرایہ میں لوگوں کو سنائے تا انکو نیکی کی تحریک ہو اسی طرح اسکا یہ بھی کام ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخاطبوں کی کمزوریوں کو کھول کھولکر بیان کرے تا انکو اپنی کمزوری کا احساس ہو اور وہ ترقی کی کوشش کریں۔ واعظ عموماً اپنے مخاطبین کی خوبیوں کا ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ کمزوریوں کو لیتا ہے اور انکو بھی ایسے رنگ میں بیان کرتا ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ ابھی انکی حالت بالکل ناقابل اطمینان ہے تا وہ اپنی اصلاح کی بڑھ چڑھکر کوشش کریں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو خط عبدالحکیم خان مرتد کو لکھا اس میں آپنے اس نکتہ کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔ "میں ہمیشہ انکو اور ترقیات کیلئے ترغیب دیتا ہوں اور انکی نیکیاں انکو نہیں سناتا مگر دلمیں خوش ہوں"۔ حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ عام طور پر آنحضرت

صلعم کا بھی یہی طریق تھا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت خلیفہ اول حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہما یا بعض دیگر بزرگان سلسلہ کے بعض بیانوں سے جماعت کے متعلق کوئی اس رنگ میں استدلال نہیں ہو سکتا جو جماعت کی شان کے منافی ہو۔ ہاں بعض بزرگوں کا میلان طبع جو اس طرف ہے کہ وہ ہمیشہ صرف کمزور پہلو پر ہی زور دیتے ہیں اور وہ بھی ضرورت سے زیادہ اور نامناسب طریق پر یہ بھی خاکسار کی رائے میں درست طریق نہیں۔ کیونکہ اس طرح جماعت اپنی نظروں میں آپ ذلیل ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں پس ان معاملات میں حکیمانہ طریق پر اعتدال کا رستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود کا طریق تھا یا اب حضرت خلیفہ ثانی کا طریق ہے۔ ایمانی ترقی کے لیئے بیم و رجا کی درمیانی حالت ہی مناسب رہتی ہے

بارھویں وجہ یہ ہے کہ لوگ صحابہ کے متعلق تو یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے کلام پاک میں انکی تعریف فرمائی ہے مگر حضرت مسیح موعود کے صحابہ کے متعلق انکو بزعم خود کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی۔ مگر یہ بھی ایک دھوکا ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود کے الہامات کا مطالعہ کیا جاوے تو ان میں بھی آپ کے صحابہ کی بہت تعریف پائی جاتی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کسی الگ تعریف کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں صحابہ کی تعریف پائی جاتی ہے وہاں نص صریح و آخرین منھم لما یلحقوا بھم یہ بھی تو بتا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے صحابہ آنحضرت کے صحابہ میں شامل ہیں۔ اور انہی کا ایک حصہ ہیں اور اس آیت کی تفسیر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں متعدد جگہ فرمائی ہے۔ چنانچہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں۔ اور اسپر نص قطعی آیت کریمہ و آخرین منھم لما یلحقوا بھم ہے تمام اکابر مفسرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس اُمت کا آخری گروہ یعنی مسیح موعود کی جماعت صحابہ کے رنگ میں ہونگے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کیطرح بغیر کسی فرق کے آنحضرت صلعم سے فیض اور ہدایت پائینگے۔ پس جبکہ یہ امر نص صریح قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فیض صحابہ پر جاری ہوا ایسا ہی بغیر کسی امتیاز اور تفریق کے مسیح موعود کی جماعت پر فیض ہوگا۔ تو اس صورت میں آنحضرت صلعم کا ایک اور

بعث ماننا پڑا جو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے وقت میں ہزار ششم میں ہوگا"

پھر حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ۶۷ پر فرماتے ہیں:-

"واخرین منہم لما یلحقوا بہم یعنے آنحضرت کے اصحاب میں سے ایک اور فرقہ ہے۔ جو ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اصحاب وہی کہلاتے ہیں جو نبی کیوقت میں ہوں۔ اور ایمان کی حالت میں اسکی صحبت سے مشرف ہوں اور اس سے تعلیم و تربیت پاویں۔ پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنیوالی قوم میں ایک نبی ہوگا۔ کہ وہ آنحضرت صلعم کا بروز ہوگا۔ اسلیئے اسکے اصحاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کہلائینگے۔ اور جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے رنگ میں خدا تعالےٰ کی راہ میں دینی خدمتیں ادا کی تھیں۔ وہ اپنے رنگ میں ادا کرینگے"

پس جب خداوند عالمیان جو عالم الکل ہے اور جس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں حضرت مسیح موعود کی جماعت کو آنحضرت صلعم کے صحابہ میں داخل کرتا ہے اور انکی تعریف فرماتا ہے تو زید و بکر کو اس میں چہ میگوئی کرنیکا کیا حق ہے اللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

تیرھویں وجہ یہ ہے جسے لوگ عموماً نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جماعت کی ترقی کے لیئے ایک خاص طریق مقرر کر رکھا ہے اور قرآن شریف سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی جماعت کی ترقی آہستہ آہستہ مقدر ہے جیسا کہ فرمایا کزرع اخرج شطأہ الخ یعنے حضرت مسیح موعود کی جماعت کی ترقی اس پودے کی طرح مقدر ہے جو شروع شروع میں زمین سے اپنی کمزور کمزور پتیاں نکالتا ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود اپنی کتاب اعجاز المسیح صفحہ ۱۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"فاشار موسیٰ بقولہ اشداء علی الکفار الی صحابۃ ادرکوا صحبۃ نبینا المختار واشار عیسیٰ بقولہ کزرع اخرج شطأہ الی قوم اخرین منہم واما منہم المسیح بل ذکر اسمہ احمد بالتصریح۔ یعنی موسےٰ علیہ السلام نے اشداء علی الکفار کے الفاظ کہکر صحابہ کیطرف اشارہ کیا۔ جنہوں نے ہمارے آنحضرت صلعم کی صحبت پائی اور عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے قول کزرع اخرج شطأہ سے اس قوم کی

طرف اشارہ کیا جو اٰخرین منہم ہے اور نیز انکے امام مسیح موعود کی طرف اشارہ کیا بلکہ اس کا تو نام احمدؐ بھی صاف صاف بتلا دیا"

اس سے پتہ لگا۔ کہ حضرت مسیح موعود کی جماعت کی ترقی انقلابی رنگ میں مقدر نہیں بلکہ تدریجی رنگ میں مقدر ہے اسکی یہ وجہ ہے۔ کہ جس طرح جسمانی بیماریاں مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اسی طرح اخلاقی اور روحانی بیماریاں بھی مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں۔ جو سخت تکلیف دِہ ہوتی ہیں۔ اور بیمار کو نہایت بے تاب کر دیتی ہیں۔ مگر مناسب علاج سے وہ جلد ہی دُور بھی ہو جاتی ہیں۔ اور وہ بیمار جو اس بیماری کیوجہ سخت مضطربانہ کرب میں مبتلا تھا جلد بھلا چنگا ہو کر چلنے پھرنے لگ جاتا ہے۔ لیکن اسکے مقابل میں بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں۔ جو ایک روگ کے طور پر انسان کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہیں اور گو بیمار ان سے وُہ مضطربانہ دُکھ نہیں اُٹھاتا مگر اندر ہی اندر تحلیل ہوتا چلا جاتا ہے اور ان میں کوئی فوری علاج بھی فائدہ نہیں دیتا بلکہ ایک بڑا لمبا باقاعدہ علاج انکے لیئے ضروری ہوتا ہے مقدم الذکر کی مثال یُوں سمجھنی چاہیئے۔ جیسے ایک بڑا پھوڑا ہو۔ جس میں پیپ پڑی ہُوئی ہو۔ اور بیمار اُسکے درد سے بے تاب ہو مگر ڈاکٹر نے چیرا دیا پیپ نکل گئی درد دُور ہو گئی اور بیمار دو چار دن کی مرہم پٹی میں بھلا چنگا ہو کر چلنے پھرنے لگ گیا اور مؤخرالذکر کی مثال یُوں ہے کہ ایک شخص کو سل کی بیماری ہو یہ بیمار پھوڑے کے بیمار کی طرح کرب اور دُکھ میں مبتلا نہیں مگر اندر ہی اندر گھلتا چلا جاتا ہے اور اسے مقدم الذکر بیمار کی طرح کوئی فوری علاج بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ ایک لمبا باقاعدہ علاج کا کورس درکار ہوتا ہے۔ پس چونکہ اس زمانہ کی اخلاقی اور روحانی بیماریاں سل کی بیماری کے مشابہ ہیں۔ اسلیئے اس زمانہ میں علاج کے نتیجے بھی فوراً ظاہر نہیں ہو سکتے بلکہ وقت چاہتے ہیں اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے جو حضرت مسیح موعود کے صحابہ کے متعلق کزرع اخرج شطأہ فرمایا ہے۔ اس سے صرف انکی تعدادی ترقی کی حالت بتانا مقصود نہیں۔ بلکہ ہر قسم کی ترقی کی کیفیت بتانا مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔

پس اعتراض اور نکتہ چینی کیطرف جلد قدم نہیں اُٹھانا چاہیئے۔

یہ تیرہ باتیں ہیں۔ جو عموماً صحابہ حضرت مسیح موعود کی حقیقی قدر پہچانی جانیکے رستہ میں روک ہوتی ہیں۔ میں نے ان کو صرف مختصراً بیان کیا ہے اور بعض کو تو دیدہ دانستہ نہایت ہی مختصر رکھا ہے اور خدا گواہ ہے کہ میں اس نازک مضمون میں ہرگز نہ پڑتا۔ اور یہ تو غالباً اس کا ایسا موقعہ بھی نہ تھا۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ یہ باتیں لوگوں کو دھوکے میں ڈال رہی ہیں اور اس دھوکے کا اثر وسیع ہو رہا ہے اسلیئے میں خاموش نہیں رہ سکا ہاں یہ بات نوٹ کرنی ضروری ہے کہ جس طرح ہم بفضلہ تعالیٰ آنحضرت صلعم کو سب اولین و آخرین سے افضل جانتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی جماعت کو بھی تمام جماعتوں سے افضل مانتے ہیں اللّٰھم صل علٰی محمدٍ وعلٰی ال محمدٍ وبارک وسلم۔

(۱۵۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد بیمار ہوا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام دن رات اسکی تیمارداری میں مصروف رہتے تھے۔ اور بڑے فکر اور توجہ کے ساتھ اسکے علاج میں مشغول رہتے تھے اور چونکہ حضرت صاحب کو اس سے بہت محبت تھی اسلیئے لوگوں کا خیال تھا۔ کہ اگر خدانخواستہ وہ فوت ہوگیا تو حضرت صاحب کو بڑا صدمہ گذریگا۔ لیکن جب وہ صبح کے وقت فوت ہوا۔ تو فوراً حضرت صاحب بڑے اطمینان کے ساتھ بیرونی احباب کو خطوط لکھنے بیٹھ گئے کہ مبارک فوت ہو گیا ہے اور ہم کو اللہ کی قضاء پر راضی ہونا چاہیئے۔ اور مجھے بعض الہاموں میں بھی بتایا گیا تھا۔ کہ یا یہ لڑکا بہت خدا رسیدہ ہوگا۔ اور یا بچپن میں فوت ہو جائیگا۔ سو ہم اس لحاظ سے خوش ہونا چاہیئے۔ کہ خدا کا کلام پورا ہوا۔ اور حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے ہیں کہ جسوقت مبارک احمد فوت ہونے لگا تو وہ سویا ہوا تھا حضرت خلیفہ اول نے اسکی نبض دیکھی تو غیر معمولی کمزوری محسوس کی جسپر آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور نبض میں بہت کمزوری ہے کچھ کستوری دیں۔ حضرت صاحب جلدی سے صندوق میں سے کستوری نکالنے لگے۔ مگر مولوی صاحب نے پھر کہا کہ حضور نبض بہت ہی کمزور ہوگئی ہے۔ حضرت صاحب نے کستوری نکالنے میں اور جلدی کی مگر پھر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور نبض نہایت ہی کمزور ہے۔ حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے تھے کہ اسوقت دراصل مبارک احمد فوت ہو چکا تھا مگر حضرت مولوی صاحب حضرت مسیح موعود کی تکلیف کا خیال کرکے یکلخت زبان نہ کھولتے تھے۔ مگر حضرت صاحب سمجھ گئے اور خود ہی

نبض پر ہاتھ رکھا تو دیکھا کہ مبارک احمد فوت ہو چکا ہے اسپر حضرت صاحب نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور بڑے اطمینان کے ساتھ بستر کھولا اور مبارک احمد کی وفات کے متعلق دو تو تکو خط لکھنے بھیجے اور مجھ سے حافظ روشن علی صاحب نے بیان کیا کہ جب حضرت صاحب مبارک احمد کو دفن کرنیکے لیئے گئے۔ تو ابھی قبر کی تیاری میں کچھ دیر تھی۔ اسلیئے حضرت صاحب قبر سے کچھ فاصلہ پر باغ میں بیٹھ گئے۔ اصحاب بھی ارد گرد بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد حضرت صاحب نے مولوی صاحب خلیفہ اوّل کو مخاطب کر کے فرمایا۔ مولوی صاحب ایسے خوشی کے دن بھی انسان کو بہت کم میسر آتے ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت میں انسان کی ترقی کیلئے ایک قانون شریعت رکھا ہے اور ایک قانون قضاء و قدر قانون شریعت کے نفاذ کو خدا نے بندے کے ہاتھ میں دیدیا ہے۔ پس بندہ اس میں اپنے لیئے کئی قسم کے آرام اور سہولتیں پیدا کر لیتا ہے۔ وضو سے تکلیف نظر آتی ہے تو تیمم کر لیتا ہے۔ نماز کھڑے ہو کر پڑھنے میں تکلیف محسوس کرتا ہے۔ تو بیٹھ کر یا اگر بیٹھنے میں بھی تکلیف ہو تو لیٹ کر پڑھ لیتا ہے روزہ میں کوئی بیماری محسوس کرتا ہے تو کسی دوسرے وقت پر ٹال دیتا ہے اسیطرح چونکہ قانون شریعت کا نفاذ خود بندے کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے لیئے بہت سی سہولتیں پیدا کر لیتا ہے۔ اور اس طرح اسکی ظاہری تکلیف سے بچ جاتا ہے۔ لیکن قضاء و قدر کا قانون خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور بندے کا اس میں کچھ اختیار نہیں رکھا۔ پس جب قضاء و قدر کے قانون کی چوٹ بندے کو آکر لگتی ہے اور وہ اسکو خدا کے لیئے برداشت کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے۔ اور خدا کی قضاء پر راضی ہوتا ہے۔ تو پھر وہ اس ایک آن میں اتنی ترقی کر جاتا ہے۔ جتنی کہ چالیس سال کے نماز روزے سے بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پس مومن کے لیئے ایسے دن درحقیقت ایک لحاظ سے بڑی خوشی کے دن ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ عبدالرحمن صاحب مصری نے بھی یہ روایت بیان کی تھی۔

(۱۵۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب بعض اوقات کسی بزرگ کا واقعہ سنایا کرتے تھے۔ کہ ان کا کوئی لڑکا فوت ہو گیا اور لوگوں نے ان کو آکر اطلاع دی تو انہوں نے کہا "سگ بچہ مُرد دفن بکنید" خاکسار عرض

کرتا ہے کہ یہ خاص حالت کی باتیں ہیں انبیاء جنہوں نے لوگوں کیلئے اسوہ حسنہ بننا ہوتا ہے اور حقوق العباد کی بھی بہترین مثال قائم کرنی ہوتی ہے عموماً ایسا طریق اختیار نہیں کرتے۔

(۱۶۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب آٹھ کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہگیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھ سے اور میاں حامد علی مرحوم سے فرمایا کہ اتنے چنے (مجھے تعداد یاد نہیں رہی کہ کتنے چنے آپ نے بتائے تھے۔) لے لو اور ان پر فلاں سورۃ کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو (مجھے وظیفہ کی تعداد بھی یاد نہیں رہی) میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورۃ یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سی سورۃ تھی جیسے الم ترکیف فعل ربك باصحاب الفیل الخ ہے اور ہم نے یہ وظیفہ تریاً ساری رات صرف کر کے ختم کیا تھا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لیگئے۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ وظیفہ ختم ہو نیز یہ دانے میرے پاس لے آنا اسکے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے۔ اور فرمایا یہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائینگے۔ اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینکدوں۔ تو ہم سب کو سرعت کیساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہیئے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کنوئیں میں ان دانوں کو پھینکدیا۔ اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔ اور ہم بھی آپکے ساتھ جلدی جلدی واپس چلے آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کیطرف نہیں دیکھا۔

(اس روایت میں جس طرح دانوں کے اوپر وظیفہ پڑھنے۔ اور پھر ان دانوں کو کنوئیں میں ڈالنے کا ذکر ہے۔ اسکی تشریح حصہ دوم کی روایت نمبر ۳۱۲ میں کی جا چکی ہے۔ جہاں پیر سراج الحق صاحب مرحوم کی روایت سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ کام ایک شخص کی خواب کو ظاہر میں پورا کرنے کے لیئے کروایا گیا تھا۔ ورنہ ویسے اس قسم کا فعل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت اور سنت کے خلاف ہے اور دراصل اس خواب کے تصویری زبان میں ایک خاص معنی تھے۔ جو اپنے وقت پر پورے ہوئے)

(۱۶۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک

دفعہ میں مسجد مبارک میں ظہر کی نماز سے پہلی سنتیں پڑھ رہا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیت الفکر کے اندر سے مجھے آواز دی۔ میں نماز توڑ کر حضرت کے پاس چلا گیا۔ اور حضرت سے عرض کیا کہ حضور میں نماز توڑ کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ بیت الفکر اس حجرہ کا نام ہے جو حضرت کے مکان کا حصہ ہے۔ اور مسجد مبارک کے ساتھ شمالی جانب متصل ہے ابتدائی ایام میں حضرت عموماً اس کمرہ میں نشست رکھتے تھے۔ اور اسی کی کھڑکی میں سے نکل کر مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا۔ کہ یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ رسول کی آواز پر نماز توڑ کر حاضر ہونا شرعی مسئلہ ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ عمل صالح کسی خاص عمل کا نام نہیں بلکہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کا نام ہے +

(۱۶۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل میں جب ابھی حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول قادیان نہیں آئے تھے۔ انہوں نے جموں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خط لکھا کہ اگر حضور یہاں تشریف لاسکیں تو مہاراج حضور کی ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ جواب لکھدو کہ بئس الفقیر علیٰ باب الامیر۔

(۱۶۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے میرے خاتمہ اور خاتمہ تک کے سب حالات بتا دیئے ہوئے ہیں جو مجھ پر آنیوالے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ مجھ پر اسی کے مطابق حالات آرہے ہیں۔

(۱۶۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل میں میں نو گاؤں میں پٹواری ہوتا تھا اور میری ۵۵ سالانہ تنخواہ تھی۔ مگر میں نے ایک اور پٹواری کے ساتھ ملکر جو تحصیل بائل میں ہوتا تھا اپنا تبادلہ تحصیل بائل میں کروالیا لیکن وہاں جانے کے بعد میرا دل نہیں لگا۔ اور میں بہت گھبرایا۔ کیونکہ وہ ہندو جاٹوں کا گاؤں تھا۔ اور وہاں کوئی مسجد نہ تھی۔ اور نو گاؤں میں جسکو میں چھوڑ آیا تھا مسجد تھی۔ میں نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ یہاں میرا دل بالکل نہیں لگتا حضور دعا فرماویں

کہ میں پھر نو گاؤں میں چلا جاؤں اور بڑی بیقراری سے عرض کیا۔ حضور نے فرمایا۔ جلدی نہیں کرنی چاہیئے اپنے وقت پر یہ خود بخود ہو جائیگا۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ کچھ عرصہ بعد میرا تبادلہ غوث گڑھ میں ہو گیا۔ جہاں میرا اتنا دل لگا کہ نو گاؤں کی خواہش دل سے نکل گئی۔ اور میں نے حضرت کے فرمان کی یہ تاویل کر لی کہ چونکہ غوث گڑھ بھی مسلمانوں کا گاؤں ہے اور اسمیں مسجد ہے۔ اور یہاں میرا دل بھی خوب لگ گیا ہے اس لیئے حضرت کے فرمان کے یہی معنی ہونگے۔ جو پورے ہو گئے۔ مگر کچھ عرصہ بعد نو گاؤں کا حلقہ خالی ہوا۔ اور تحصیلدار نے میری ترقی کی سفارش کی اور لکھا کہ ترقی کی یہ صورت ہے کہ مجھے علاوہ غوث گڑھ کے نو گاؤں کا حلقہ بھی جو وہ بھی ۵۵ سالانہ کا تھا۔ دیدیا جاوے۔ اور دونوں حلقوں کی تنخواہ یعنے ماہانہ مجھے دی جاوے۔ یہ سفارش مہاراج سے منظور ہو گئی اور اس طرح میرے پاس غوث گڑھ اور نو گاؤں دونوں حلقے آگئے۔ اور ترقی بھی ہو گئی۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کا ایک خاص اقتداری فعل تھا۔ ورنہ نو گاؤں غوث گڑھ سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر ہے اور درمیان میں کئی غیر حلقے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ غوث گڑھ کا تمام گاؤں میاں عبداللہ صاحب کی تبلیغ سے احمدی ہو چکا ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ تمام دیہات ریاست پٹیالہ میں واقع ہیں۔

(۱۶۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت صاحب کو ایک جیبی گھڑی تحفہ دی۔ حضرت صاحب اسکو رومال میں باندھکر جیب میں رکھتے تھے۔ زنجیر نہیں لگاتے تھے۔ اور جب وقت دیکھنا ہوتا تھا۔ تو گھڑی نکال کر ایک کے ہندسے یعنی عدد سے گنکر وقت کا پتہ لگاتے تھے اور انگلی رکھ رکھ کر ہندسے گنتے تھے۔ اور منہ سے بھی گنتے جاتے تھے اور گھڑی دیکھتے ہی وقت نہ پہچان سکتے تھے۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ آپ کا جیب سے گھڑی نکال کر اسطرح وقت شمار کرنا مجھے بہت ہی پیارا معلوم ہوتا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے بیان فرمایا کہ قرآن شریف کی جو آیات بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان پر بہت اعتراض ہوتے ہیں۔ دراصل ان کے نیچے بڑے بڑے معارف اور حقائق کے خزانے ہوتے ہیں۔ اور پھر مثال دیکر فرمایا کہ ان کی ایسی ہی صورت ہے۔ جیسے خزانہ کی ہوتی ہے۔ جس پر سنگین پہرہ ہوتا ہے اور جو بڑے مضبوط کمرے میں رکھا جاتا ہے۔ جس کی دیواریں بہت موٹی ہوتی ہیں اور دروازے بھی بڑے موٹے اور لوہے سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بڑے بڑے موٹے اور مضبوط قفل لگے ہوتے ہیں اور اسکے اندر بھی مضبوط آہنی صندوق ہوتے ہیں۔ جن میں خزانہ رکھا جاتا ہے اور پھر صندوق بھی خزانہ کے اندر اندھیری کوٹھڑیوں اور تہ خانوں میں رکھے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر شخص وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ اس سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ بمقابلہ نشست گاہوں کے جو کھلے کمرے ہوتے ہیں اور دروازوں پر بھی جالی لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس کیوجہ سے باہر والا شخص بھی اندر نظر ڈال سکتا ہے اور جو اندر آنا چاہے بآسانی آسکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب جب بڑی مسجد میں جاتے تھے۔ تو گرمی کے موسم میں کنوئیں سے پانی نکلوا کر ڈول سے ہی منہ لگا کر پانی پیتے تھے۔ اور مٹی کی تازہ ٹینڈیا تازہ انجورہ میں پانی پینا آپ کو پسند تھا۔ اور میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب اچھے تلے ہوئے کرارے پکوڑے پسند کرتے تھے۔ کبھی کبھی مجھ سے منگوا کر مسجد میں ٹہلتے ٹہلتے کھایا کرتے تھے۔ اور سالم مرغ کا کباب بھی پسند تھا۔ چنانچہ ہوشیار پور جاتے ہوئے ہم مرغ پکوا کر ساتھ لے گئے تھے۔ مولی کی چٹنی اور گوشت میں مونگرے بھی آپ کو پسند تھے۔ گوشت کی خوب بھنی ہوئی بوٹیاں بھی مرغوب تھیں۔ چپاتی خوب سکی ہوئی جو سکنے سے سخت ہو جاتی ہے پسند تھی۔ گوشت کا پتلا شوربہ بھی پسند کرتے تھے۔ جو بہت دیر تک پکتا رہا ہو۔ حتی کہ اسکی بوٹیاں خوب گل کر شوربہ میں اس کا عرق پہنچ جاوے کچنبین بھی پسند تھی میاں

جان محمد مرحوم آپکے واسطے سکنجبین تیار کیا کرتا تھا۔ نیز میاں عبد اللہ صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب نے ایکدفعہ یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ گوشت زیادہ نہیں کھانا چاہیئے۔ جو شخص چالیس دن لگاتار کثرت کے ساتھ صرف گوشت ہی کھاتا رہتا ہے۔ اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ دال۔ سبزی۔ ترکاری کیساتھ بدل بدل کر گوشت کھانا چاہیئے بھیڑ کا گوشت ناپسند فرماتے تھے۔ میٹھے چاول۔ گڑ یعنی قند سیاہ میں پکے ہوئے پسند فرماتے تھے ابتداء میں چائے میں دیسی شکر (جو گڑ کی طرح ہوتی ہے) ڈال کر استعمال فرماتے تھے شوربہ کے متعلق فرماتے تھے۔ کہ گاڑھا کیچڑ جیسا ہم کو پسند نہیں ایسا پتلا کرنا چاہیئے کہ ایک آنہ کا گوشت آٹھ آدمی کھائیں۔ اسوقت ایک آنہ کا سیر خام گوشت آتا تھا۔

(۱۶۸) بسم الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت صاحب کے لیئے ایک تسبیح تحفہ لایا وہ تسبیح آپ نے مجھے دیدی اور فرمایا لو اس پر درود شریف پڑھا کرو۔ وہ تسبیح بہت خوبصورت تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ تسبیح کے استعمال کو حضرت مسیح موعود عام طور پر پسند نہیں فرماتے تھے۔

(۱۶۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب بیان فرماتے تھے کہ قیامت کو ایک شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور اللہ اس سے دریافت کریگا۔ کہ اگر تو نے کبھی کوئی نیکی کی ہے تو بتاؤ مگر وہ نہیں بتا سکیگا۔ اسپر اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ اچھا کیا تو کبھی کسی بزرگ شخص سے ملا تھا؟ وہ جواب دیگا کہ نہیں اسپر خدا فرمائیگا۔ اچھی طرح یاد کر کے جواب دے اسپر وہ بولیگا کہ ہاں ایکدفعہ میں ایک گلی میں سے گذر رہا تھا۔ تو میرے پاس سے ایک شخص گزرا تھا۔ جسکو لوگ بزرگ کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ جا میں نے تجھے اسی وجہ سے بخشدیا۔ میاں عبد اللہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب نے ایک وقت یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ جو شخص کسی کامل کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو بیشتر اسکے کہ وہ سجدہ سے اپنا سر اٹھائے اللہ اسکے گناہ بخشدیتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ کوئی منتر جنتر نہیں اخلاص اور صحت نیت شرط ہے (یہ روایت زیادہ تفصیل کے ساتھ حصہ دوم کی روایت ۴۲۵ میں بھی بیان ہوئی ہے)

(۱۷۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ ایک
+ شخص آیا اور اسنے حضرت صاحب سے دریافت کیا کہ کیا آپ واقعی مسیح اور مہدی ہیں؟
آپ نے فرمایا ہاں میں واقعی مسیح اور مہدی ہوں۔ اور آپ نے ایسے انداز سے یہ جواب
دیا کہ وہ شخص پھڑک گیا اور اسی وقت بیعت میں داخل ہو گیا اور میرے دل پر بھی حضرت
صاحب کے اس جواب کا بہت اثر ہوا +

(۱۷۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ
حضرت صاحب نے فرمایا کہ دو بیویاں کر کے انسان درویش ہو جاتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا
ہے کہ واقعی اگر ان شروط کو ملحوظ رکھا جاوے۔ جو اسلام ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے
والے کے لیئے واجب قرار دیتا ہے۔ تو دو یا اس سے زیادہ بیویاں عیش و عشرت کا ذریعہ
ہرگز نہیں بن سکتیں بلکہ یہ ایک قربانی ہے جو خاص حالات میں انسان کو کرنی پڑتی ہے۔

(۱۷۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے
× کہ ایک دفعہ یہ ذکر تھا۔ کہ یہ جو چہلم کی رسم ہے یعنی مُردے کے مرنے سے چالیسویں دن
کھانا کھلا کر تقسیم کرتے ہیں۔ غیر مقلد اسکے بہت مخالف ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر کھانا کھلانا
ہو تو کسی اور دن کھلا دیا جائے۔ اسپر حضرت نے فرمایا۔ کہ چالیسویں دن غربا میں کھانا
تقسیم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ یہ مُردے کی روح کے رخصت ہونے کا دن ہے پس جس طرح
لڑکی کو رخصت کرتے ہوئے کچھ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مُردے کی رُوح کی رخصت پر بھی
غربا میں کھانا دیا جاتا ہے تا اسے اسکا ثواب پہنچے۔ گویا رُوح کا تعلق اس دُنیا سے پُوری
طور پر چالیس دن میں قطع ہوتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ صرف حضرت صاحب نے
اس رسم کی حکمت بیان کی تھی۔ ورنہ آپ خود ایسی رسوم کے پابند نہ تھے +

(۱۷۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جس
سال پہلا سالانہ جلسہ ہوا تھا۔ اس میں حضرت صاحب نے جو تقریر فرمائی تھی اس سے
پہلے حضرت نے میرے متعلق بھی یہ فرمایا تھا۔ کہ میاں عبداللہ سنوری ہمارے اسوقت کے
دوست ہیں۔ جبکہ ہم گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور یہ ذکر میں نے اسلیئے کیا ہے کہ تا

آپ لوگ ان سے واقف ہو جاویں۔ پھر اسکے بعد تقریر شروع فرمائی (خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ پہلا جلسہ سالانہ ۱۸۹۱ء میں ہوا تھا)

(۱۷۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے۔ خدا داری چہ غم داری۔

(۱۷۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں فخرالدین صاحب ملتانی نے کہ جب میں ۱۹۱۰ء میں نور پور ضلع کانگڑہ میں تھا تو ضلع کانگڑہ کے کورٹ انسپکٹر آف پولیس نے بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ میری بھی دعوت کی۔ کورٹ انسپکٹر صاحب غیر احمدی تھے۔ مگر شریف اور متین آدمی تھے۔ اور نماز کے پابند تھے انہوں نے دوران گفتگو میں بیان کیا۔ کہ جب آتھم کی پندرہ ماہی میعاد کا آخری دن تھا تو اس وقت انکی کوٹھی کے پہرہ کا انتظام میرے سپرد تھا۔ کوٹھی کے اندر آتھم کے دوست پادری وغیرہ تھے۔ اور باہر پولیس کا چاروں طرف پہرہ تھا۔ اسوقت آتھم کی حالت سخت گھبراہٹ کی تھی اور بالکل مخبوط الحواسی کی سی صورت ہو رہی تھی۔ باہر دور سے اتفاقاً کسی بندوق کے چلنے کی آواز آئی۔ تو آتھم صاحب کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ آخر جب ان کا کرب اور گھبراہٹ انتہا کو پہنچ گئے۔ تو انکے دوستوں نے انکو بہت سی شراب پلا کر بیہوش کر دیا اور آخری رات آتھم نے اسی حالت میں گذاری صبح ہوئی تو انکے دوستوں نے ان کے گلے میں ہار پہنا کر اور انکو گاڑی میں بٹھا کر سارے شہر میں خوشی کا جلوس پھرایا۔ اور اس دن لوگوں میں شور تھا۔ کہ مرزے کی پیشگوئی جھوٹی گئی۔ مگر کورٹ انسپکٹر صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ ہم سمجھتے تھے کہ جو حالت ہمنے آتھم صاحب کی دیکھی ہے اس سے تو وہ مر جاتے تو اچھا تھا۔

اور خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مجھ سے ماسٹر قادر بخش صاحب لدھیانوی نے بیان کیا۔ کہ آتھم کی پندرہ ماہی میعاد کے دنوں میں لدھیانہ میں لوئیس صاحب ڈسٹرکٹ جج تھا۔ آتھم چونکہ لوئیس صاحب کا داماد تھا۔ اسلیئے لدھیانہ میں لوئیس صاحب کی کوٹھی پر آکر ٹھہرا کرتا تھا ایک دفعہ دوران میعاد میں آتھم لدھیانہ میں آیا ان دنوں میرا ایک غریب غیر احمدی رشتہ دار لوئیس صاحب کے پاس نوکر تھا اور آتھم کے کمرے کا پنکھا کھینچا کرتا تھا ایکدن

میں نے اس سے پوچھا۔ کہ تم آتھم کا پنکھا کھینچا کرتے ہو۔ کبھی اسکے ساتھ کوئی بات بھی کی ہے اُسنے کہا صاحب (یعنی آتھم) رات کو روتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس پر میں نے ایک دفعہ صاحب سے پوچھا تھا۔ کہ آپ روتے کیوں رہتے ہیں۔ تو صاحب نے کہا تھا۔ کہ مجھے تلواروں والے نظر آتے ہیں۔ میں نے کہا۔ تو پھر آپ ان کو پکڑوا کیوں نہیں دیتے۔ صاحب نے کہا وہ صرف مجھے ہی نظر آتے ہیں اور کسیکو نظر نہیں آتے۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ آتھم والی پیشگوئی کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف میں اکثر جگہ آچکا ہے۔ دراصل جسوقت حضرت مسیح موعود نے مباحثہ کے اختتام پر آتھم کے متعلق پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرائے جانے کی پیشگوئی کا اظہار کیا تھا اسوقت سے ہی آتھم کے اوسان خطا ہونے شروع ہوگئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو آتھم نے اسی مجلس میں جبکہ حضرت صاحب نے فرمایا کہ آتھم نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ دجال کہا ہے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر اور ایک خوف زدہ انسان کی طرح زبان باہر نکال کر کہا۔ کہ نہیں میں نے نہیں کہا۔ حالانکہ وہ اپنی کتاب اندرونہ بائبل میں دجال کہہ چکا تھا۔ اسوقت مجلس میں قریباً ستر آدمی مختلف مذاہب کے پیرو موجود تھے۔ اسکے بعد میعاد کے اندر آتھم نے جس طرح اپنے دلی خوف اور گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار کیا اسکی کیفیت حضرت مسیح موعود کی تصانیف میں مختصراً آچکی ہے۔ اس کا اپنا بیان ہے۔ کہ کبھی اسکو سانپ نظر آتے۔ جو اسکو ڈسنے کو بھاگتے کبھی اسپر کتے حملہ کرتے کبھی ننگی تلواروں والے اسکو آآکر ڈراتے اور وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف بھاگتا پھرتا تھا۔ اور عموماً پولیس کا خاص پہرہ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور اسلام کے خلاف اسنے اپنی تحریر و تقریر کو روک دیا تھا۔ حتی کہ جب میعاد ختم ہونے کے قریب آئی۔ تو اس کا خوف اس قدر ترقی کر گیا کہ پادریوں کو اسے سخت شراب پلا پلا کر بدمست کرنا پڑا۔ کیا یہ باتیں اس بات کی علامت نہیں کہ خدائی پیشگوئی کا خوف اسکے دل پر غالب ہوگیا تھا۔ اور وہ اپنے آپ کو اس عذاب سے بچانا چاہتا تھا۔ پس خدا نے پیشگوئی کی شرط کے مطابق اسے عذابِ موت سے بچالیا اور ہمارے مخالف مولویوں کا یہ کہنا کہ

آتھم کا ڈر پیشگوئی کے خوف کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اسلیئے تھا۔ کہ کہیں احمدی اسے قتل نہ کر دیں۔ اور اسی وجہ سے وہ اپنی جان کی حفاظت کرتا تھا۔ ایک نہایت ابلہانہ خیال ہے۔ کیونکہ دشمن کیطرف سے کسی سازش وغیرہ کا خوف کرنا اور اسکے مقابل میں احتیاطی تجاویز عمل میں لانا ایک اور بات ہے۔ مگر جس قسم کا خوف آتھم نے ظاہر کیا وہ ایک بالکل ہی اور چیز ہے۔ ہم کو دونوں قسم کے خوفوں کی نوعیت پر غور کرنا چاہیئے۔ اور پھر رائے لگانی چاہیئے۔ کہ جس قسم کا خوف اور بے چینی آتھم نے ظاہر کی آیا وہ دشمن کی شرارت سے خوف کر کے احتیاطی تجاویز عمل میں لانے والی قسم میں داخل ہے۔ یا پیشگوئی سے مرعوب ہو کر بدحواس ہو جانے والے خوف میں داخل ہے ہم یقین کرتے ہیں کہ جو شخص تعصب سے الگ ہو کر میعاد کے اندر آتھم کے حالات پر غور کریگا وہ اس بات کو تسلیم کرنیپر مجبور ہوگا۔ کہ جس قسم کے خوف کا آتھم نے اظہار کیا وہ دشمن سے بچنے والا خوف ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ اور قسم کا خوف تھا۔ پس جاہل لوگوں کیطرح صرف یہ پکارتے رہنا کہ ہر آدمی دشمن کی شرارت سے بچنے کے لیئے خوف کرتا ہے اسلیئے اگر آتھم نے خوف کا اظہار کیا تو کیا ہوا۔ یا تو پرلے درجہ کی جہالت اور بے وقوفی ہے اور یا دیدہ دانستہ مخلوقِ خدا کو دھوکا دینا ہے۔

اور اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ نظامِ عالم خدا کی دو صفات پر چل رہا ہے اور درحقیقت ہر ایک حکومت ان دو صفتوں پر ہی چلتی ہے۔ ایک صفت علم اور ایک صفت قدرت اور جتنی جتنی یہ صفات زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہیں انتظام حکومت بہتر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خداوند تعالےٰ کی یہ صفات اپنے انتہائی کمال میں ہیں۔ یعنے خدا کا علم بھی کامل ہے اور قدرت بھی کامل یعنی نہ تو کوئی علم کی بات ہے۔ جو اس سے پوشیدہ ہو اور نہ کوئی قدرت کا امر ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہے۔ یہ وہ دو ستون ہیں۔ جن کے اوپر اس کا عرش قائم ہے پس جب وہ اپنا کوئی رسول بھیجتا ہے۔ تو اپنی تجلّی کے لیئے اسکے ذریعہ اپنی ان صفات کی دو نہریں جاری کر دیتا ہے۔ تا دنیا پر ظاہر کرے کہ سب حکومت میرے ہاتھ میں ہے اور میں نے ہی اسے

رسول بنا کر بھیجا ہی۔ بعض آیات وہ اپنے رسول کے ذریعہ ایسی ظاہر کرتا ہے۔ جن سے اسے اپنے علم ازلی کا اظہار مقصود ہوتا ہی اور بعض آیات ایسی ظاہر کرتا ہی جن سے اسی اپنی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہوتا ہی۔ اور وہ ایسا نہیں کرتا کہ صرف ایک قسم کے نشان ظاہر کرے۔ کیونکہ حکومت کے لئے ہر دو صفات کا ہونا ضروری ہے۔ علم خواہ کتنا کامل ہو۔ مگر بغیر قدرت کے ناقص ہی اور قدرت خواہ کتنی کامل ہو مگر بغیر علم کے ناقص ہے۔ پس کمالِ تصرف کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ جبتک دونوں صفات کا اظہار نہ ہو۔ اسلیئے نبیوں کی پیشگوئیاں بھی جو آیات اللہ میں داخل ہیں دو قسم کی ہوتی ہیں اوّل وہ جو خدا کی صفتِ علیم کے ماتحت ہوتی ہیں۔ یعنی جن سے خدا کو اپنے علم ازلی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ دوسری۔ وہ جو خدا کی صفتِ قدیر کے ماتحت ہوتی ہیں۔ یعنی جن سے خدا کو اپنی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر قسم کی پیشگوئیوں کے الگ الگ حالات ہونگے جن سے وہ پہچانی جائینگی اور ان کی صداقت کے پرکھنے کے لیئے الگ الگ معیار ہونگے اور یہ ہماری سخت نادانی ہوگی۔ کہ ان دونوں قسموں کو مخلوط کر کے ان پر ایک ہی حکم لگا دیں اور ایک ہی قسم کے معیاروں سے دونوں کو پرکھیں۔ بلکہ علم والی پیشگوئیوں کو علم کے معیار سے پرکھنا ہوگا۔ کیونکہ وہ اظہارِ علم کے راستے پر چلینگی اور قدرت والی پیشگوئیوں کو قدرت کے معیار سے پرکھنا ہوگا کیونکہ وہ قدرت نمائی کے راستہ پر چلینگی اور ممکن نہیں کہ وہ اپنے حالات بدلیں جب تک ہمارے سامنے کوئی پیشگوئی آئے تو سب سے پہلے ہمیں اسکے حالات پر غور کر کے اسکی قسم کی تشخیص کرنی ہوگی۔ اور پھر اس تشخیص کے بعد جس قسم میں سے وہ ثابت ہو اسکے معیاروں سے اسکی صداقت کو پرکھنا ہوگا۔ ہمارے مخالفوں کو یہ سخت دھوکا لگا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی سب پیشگوئیوں کو خدا کے علم ازلی کے ماتحت سمجھتے ہیں اور اسی معیار سے انہیں ناپتے ہیں۔ کیونکہ ہمیشہ ان کی یہی دلیل ہوتی ہے کہ بس جو صورت اور جو الفاظ پیشگوئی میں بتائے گئے ہیں۔ بعینہ وہی وقوع میں آنے چاہئیں ورنہ سمجھا جائیگا۔ کہ پیشگوئی غلط گئی۔ حالانکہ یہ شرط اظہار علم والی پیشگوئیوں کی ہی بلکہ ان میں مجاز کا دخل مانا جاوے تو ان کے لیئے بھی ظاہری صورت کا فرق ہو سکتا ہے گو تخلف اور نسخ ممکن نہیں۔ کیونکہ

تخلف اور نسخ علم ازلی کے منافی ہیں۔ لیکن اظہارِ قدرت والی پیشگوئیوں میں حالات کے بدل جانیسے تخلف ہوسکتا ہے۔ کیونکہ حالات بدل جانے کی صورت میں تخلف قدرت نمائی کے منافی نہیں ہوتا۔ بلکہ مؤید ہوتا ہے۔ دونوں قسم کی پیشگوئیوں کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے۔ کہ مثلاً کسی ملہم کو کسی شخص کے متعلق الہام ہوتا ہے۔ کہ وہ فلاں کام کریگا۔ اور حالات ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ الہام خدا کی صفت علیم کے ماتحت ہی صفت قدیر کے ماتحت نہیں ہے یعنی اسکے اس فعل کے کر لینے کو خدا کی قدرت کے اظہار سے کوئی طبعی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ محض اظہار علم مراد ہی تو اب خواہ اس شخص میں کتنے تغیرات آویں وہ ضرور اس بتائے ہوئے کام کو کریگا۔ ورنہ خدا کا علم ازلی غلط جاتا ہی جو ناممکن ہے لیکن اگر کسی ملہم کو یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ ہم تیرے فلاں دشمن کو جو تیری دشمنی میں کمربستہ ہے۔ ذلت کے عذاب میں مبتلا کرینگے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئی صفت علیم کے ماتحت نہیں بلکہ صفت قدیر کے ماتحت سمجھی جاویگی۔ لہذا اگر وہ دشمن جسکے متعلق ذلت کی پیشگوئی ہی اپنے اندر تغیر پیدا کرتا ہی۔ تو خوب سوچ لو۔ کہ خدا کی وہی صفتِ قدیر جو پہلے اس دشمن کی ذلت کی پیشگوئی کی محرک ہوئی تھی اب اسے ذلت سے بچائے جانے کا موجب ہوگی۔ یعنی جس طرح ایسے شخص کے تغیر نہ کرنے کی صورت میں اسکی ذلت خدا کی قدرت کے اظہار کا موجب تھی اب اس کا ذلت سے بچایا جانا قدرت الٰہی کے اظہار کا موجب ہوگا۔ بلکہ اگر باوجود تغیر کے اسے ذلت کا عذاب آوبائے۔ تو صفت قدرت جس کا اظہار مقصود تھا مشتبہ ہوکر پیشگوئی کی اصل غرض ہی فوت ہوجائے گی۔ کیونکہ قدرتِ کاملہ اسکا نام نہیں کہ جب انجن چل گیا۔ تو بس پھر جو اپنا بیگانہ سامنے آیا اسے پیس ڈالا۔ بلکہ قدرت کاملہ کے یہ معنے ہیں۔ کہ جب کوئی عذاب کا مستحق ہو تو اُسے عذاب دیسکے اور کوئی چیز اسی عذاب سے بچا نہ سکے۔ اور جب کوئی رحمت کا مستحق بنے تو اسپر رحمت نازل کرسکے اور پھر کوئی چیز اُسے عذاب نہ دیسکے۔ یعنی قدیر وہ ہے۔ جسکی قدرت کا اظہار موقعہ کے مطابق ہو ورنہ اگر موقعہ کے مطابق قدرت کا اظہار نہ ہو۔ تو وہ قدیر نہیں بلکہ یا تو مشین کا ایک پرزہ ہی اور یا ظلم وستم کا مجسمہ۔

تاریخی طور پر علم ازلی اور قدرت کاملہ والی پیشگوئیوں کی مثال چاہو تو یوں سمجھو کہ حضرت فاطمہ کی وفات کی پیشگوئی جو آنحضرت صلعم نے اپنی مرض الموت میں فرمائی علم ازلی کے ماتحت تھی۔ اور یونس نبی نے اپنی قوم پر عذاب آنے کی جو پیشگوئی کی وہ قدرت کاملہ کے اظہار کے لئے تھی۔

یہ باتیں ہمارے نزدیک بدیہات میں داخل ہیں پس مخالفوں کے استہزار سے ہم ان بدیہات کو کس طرح چھوڑ سکتے ہیں۔ عوام کو دھوکا دے لینا اور بات ہے اور حق کی پیروی اور بات۔

اسجگہ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا کو اپنی صفت علیم کے ماتحت یہ علم ہوتا ہے کہ صفت قدیر کے ماتحت جو فلاں پیشگوئی کیگئی ہے۔ اس میں شخص موعود لہ کے فلاں تغیر کی وجہ سے اس اس رنگ کا تخلف ہو جائیگا تو پھر خدا وہی انتہائی بات ہی کیوں نہیں بتا دیتا جو بالآخر وقوع میں آنی ہوتی ہے۔ یعنے وہ جو بالآخر واقعی ہونا ہوتا ہے وہی لوگوں کو بتا دیا جاوے تا لوگ ٹھوکر سے بچ جاویں۔ اس شبہ کا یہ جواب ہے۔ کہ اگر ایسا کیا جاوے۔ تو پھر اسکے یہ معنی ہونگے۔ کہ تمام پیشگوئیاں صفت علیم کے ماتحت ہوا کریں۔ صفت قدیر کے ماتحت کوئی بھی پیشگوئی نہ ہو کیونکہ جب لازمی طور پر آخری بات بتائی جاویگی۔ تو لامحالہ وہ پیشگوئی صفت قدیر سے نکلکر صفت علیم کے ماتحت آجائے گی۔ حالانکہ ترقی عرفان و ایمان کے لئے ہر دو قسم کی پیشگوئیوں کا ہونا ضروری ہے بلکہ اظہار قدرت والی پیشگوئیاں جہاں ایک طرف اپنے اندر ابتلا کا پہلو رکھتی ہیں وہاں ایمان و عرفان کو ترقی دینے والا مادہ بھی ان میں بہت زیادہ ہوتا ہے اسلئے خدا کی مصلحت نے چاہا۔ کہ خدا کے نبیوں کے منہ سے ہر دو قسم کی پیشگوئیاں ظاہر ہوں۔

اسجگہ ایک بات کا یاد رکھنا نہایت ضروری ہے کہ خاکسار نے جو یہ لکھا ہے۔ کہ بعض پیشگوئیاں علم ازلی کے اظہار کے لئے ہوتی ہیں اور بعض قدرت نمائی کے لئے۔ تو اس سے یہ مراد نہیں۔ کہ قدرت نمائی والی پیشگوئیاں علم غیب کے عنصر سے خالی ہوتی ہیں۔ کیونکہ کوئی پیشگوئی خدا کی کسی غرض سے کیگئی ہو۔ علم غیب کے عنصر سے خالی نہیں

ہوتی اور در اصل پیشگوئی کا لفظ ہی علم غیب کو ظاہر کر رہا ہے پس قدرت نمائی والی پیشگوئی سے مراد یہ ہے کہ عاقبۃ الامور والے علم کا اظہار اس میں مقصود نہیں ہوتا۔ ورنہ درمیانی حالات اور انکے تغیرات اور انکے نتائج کے متعلق جو علم غیب خدا کو ہے اسکا اظہار تو قدرت نمائی والی پیشگوئی میں بھی مقصود ہوتا ہی۔ غرض جو علم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے عاقبۃ الامور والا علم مراد ہے نہ کہ مطلقاً علم غیب جو ہر پیشگوئی کا جزو غیر منفک ہے۔ اور یہ خیال کہ اگر کوئی ایسی پیشگوئی ہو جو قدرت نمائی کی غرض سے کیگئی ہو۔ مگر وہ ایسی ثابت ہو کہ جس شخص یا چیز کے متعلق پیشگوئی کی گئی تھی اسکے حالات تبدیل نہیں ہوئے یعنی جس حالت کی بنا پر یہ پیشگوئی تھی۔ وہ قایم رہی اور پیشگوئی بغیر کسی جگہ راستہ بدلنے کے سیدھی اپنے نشانہ پر جا لگی۔ تو اس صورت میں اظہار علم والی پیشگوئی اور اس قسم کی اقتداری پیشگوئی کا راستہ ایک ہو جائیگا۔ اور کوئی امتیاز نہ رہیگا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ بیشک ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ دونوں کا راستہ عملاً ایک ہو جاوے مگر دونو اپنے مقصود کے لحاظ سے ممتاز رہینگی یعنی حالات بتا رہے ہونگے۔ کہ ایک میں مقصود اظہار علم ازلی ہے اور دوسری میں اظہار قدرت کاملہ اور ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ ایسی صورت میں اظہار قدرت اور اظہار علم ہر دو مقصود ہو سکتے ہیں۔

اسجگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وعید کی پیشگوئی ٹل جاتی ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وعید کی پیشگوئی کے اندر کوئی خاص تخلف کا مادہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ وعید چونکہ اظہار قدرت کیلئے ہوتا ہے اسلئے اس میں تخلف ممکن ہوتا ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ پیشگوئی کے ٹل جانے یا تخلف پیدا ہو جانے سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ پیشگوئی نعوذ باللہ غلط گئی کیونکہ خدائی پیشگوئی خواہ کسی قسم کی ہو غلط ہرگز نہیں جا سکتی۔ بلکہ بہرحال پوری ہوتی ہے۔ پس جب ہم تخلف یا ٹلجانے وغیرہ کا لفظ بولتے ہیں۔ تو مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ جو صورت قدرت الٰہی کے اظہار کے لئے بتائی گئی تھی وہ چونکہ حالات کے بدلجانے سے قدرت الٰہی کے اظہار کا موجب نہیں رہی اسلئے قدرت الٰہی کا اظہار دوسری صورت میں کر دیا گیا۔ پس پیشگوئی غلط نہ گئی

کیونکہ اسکی اصل غرض اظہار قدرت تھی اور وہ غرض پوری ہو گئی۔ ہاں اگر حالات بدل جانے کے باوجود پیشگوئی پہلی صورت میں ہی ظاہر ہوتی تو پھر بیشک پیشگوئی غلط جاتی کیونکہ اظہار قدرت الٰہی جو اصل مقصود تھا وقوع میں نہ آتا۔

آتھم کی پیشگوئی بھی اظہار قدرت الٰہی کے لئے تھی نہ کہ اظہار علم کے لئے جیسا کہ پیشگوئی کے حالات اور پیشگوئی کے الفاظ سے ظاہر ہے خصوصاً یہ الفاظ کہ "بشرطیکہ حق کیطرف رجوع نہ کرے" کیونکہ اگر اظہار علم مقصود ہوتا۔ تو اس میں کوئی شرط وغیرہ نہیں ہو سکتی تھی۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ یہ پیشگوئی اظہار قدرت کے لئے تھی تو پھر ماننا پڑیگا کہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ کیونکہ اظہار قدرت ہو گیا۔ کما مرّ اور آتھم کی پیشگوئی تو عام اظہار قدرت والی پیشگوئیوں میں بھی ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ پیشگوئی ایک مرکب پیشگوئی ہے۔ جسکا مفہوم یہ ہے کہ اگر آتھم حق کیطرف رجوع کریگا تو پندرہ ماہ میں نہیں مریگا۔ اور اگر رجوع نہ کریگا۔ تو پندرہ ماہ کے اندر اندر ہاویہ میں گرایا جاویگا۔ پس بوجہ مرکب پیشگوئی ہونے کے یہ پیشگوئی عام پیشگوئیوں سے اپنی شان میں ارفع ہے کیونکہ جو اظہار قدرت کی شان مرکب یعنے ایک سے زیادہ پہلو والی پیشگوئیوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ مفرد پیشگوئیوں میں نہیں ہوتی۔ جسکی آنکھیں ہوں دیکھے۔

(۱۷۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا امرتسر میں آتھم کے ساتھ مباحثہ ہوا تو دوران مباحثہ میں ایک دن عیسائیوں نے خفیہ طور پر ایک اندھا اور ایک بہرا اور ایک لنگڑا مباحثہ کی جگہ میں لاکر ایک طرف بٹھا دیئے اور پھر اپنی تقریر میں حضرت صاحب کو مخاطب کرکے کہا کہ آپ مسیح ہونیکا دعوےٰ کرتے ہیں لیجئے۔ یہ اندھے اور بہرے اور لنگڑے آدمی موجود ہیں مسیح کی طرح انکو ہاتھ لگا کر اچھا کر دیجئے۔ میر صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہم سب حیران تھے۔ کہ دیکھئے اب حضرت صاحب اسکا کیا جواب دیتے ہیں۔ پھر جب حضرت صاحب نے اپنا جواب لکھوانا شروع کیا تو فرمایا۔ کہ میں تو اسبات کو نہیں مانتا کہ مسیح اس طرح ہاتھ لگا کر اندھوں اور بہروں اور لنگڑوں کو اچھا کر دیتا تھا۔ اسلئے مجھ پر یہ مطالبہ کوئی

حجت نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ آپ لوگ مسیح کے معجزے اس رنگ میں تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف آپکا یہ بھی ایمان ہے کہ جس شخص میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو وہ وہی کچھ دکھا سکتا ہے۔ جو مسیح دکھاتا تھا۔ پس میں آپکا بڑا شکر گذار ہوں کہ آپنے مجھے اندھوں اور بہروں اور لنگڑوں کی تلاش سے بچا لیا اب آپ ہی کا تحفہ آپکے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ یہ اندھے بہرے اور لنگڑے حاضر ہیں۔ اگر آپ میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہے تو مسیح کی سنت پر آپ انکو اچھا کر دیں۔ میر صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب نے جب یہ فرمایا۔ تو پادریوں کی ہوائیاں اڑ گئیں اور انہوں نے جھٹ اشارہ کر کے ان لوگوں ..... کو وہاں سے رخصت کرا دیا۔ میر صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ نظارہ بھی نہایت عجیب تھا۔ کہ پہلے تو عیسائیوں نے اتنے شوق سے ان لوگوں کو پیش کیا اور پھر ان کو خود ہی ادھر اُدھر چھپانے لگ گئے۔

(۱۷۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے خلیفہ نورالدین صاحب جمونی نے کہ آتھم کے مباحثہ میں میں بھی لکھنے والوں میں سے تھا آخری دن جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آتھم کے متعلق پیشگوئی کا اعلان فرمایا۔ تو آتھم نے خوف زدہ ہو کر کانوں کیطرف ہاتھ اُٹھائے اور دانتوں میں انگلی لی اور کہا کہ میں نے تو دجال نہیں کہا۔

(۱۷۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے کہ ایک دفعہ میاں (یعنے خلیفۃ المسیح ثانی) دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے۔ کہ حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز کیلئے باہر جاتے ہوئے انکو دیکھ لیا اور فرمایا۔ میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے۔ جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ بعض باتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ مگر ان سے کہنے والے کے اخلاق پر بڑی روشنی پڑتی ہے۔ رحم

(۱۷۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب جالندھر جا کر قریباً ایک ماہ ٹھہرے تھے۔ اور ان دنوں میں محمدی بیگم کے ایک حقیقی ماموں نے محمدی بیگم کا حضرت صاحب سے رشتہ کرا دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر کامیاب نہیں ہوا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب محمدی بیگم کا والد مرزا احمد بیگ

ہوشیارپوری زندہ تھا۔ اور ابھی محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمدؐ سے رشتہ نہیں ہوا تھا۔ محمدی بیگم کا یہ ماموں جالندھر اور ہوشیارپور کے درمیان یکے میں آیا جایا کرتا تھا۔ اور وہ حضرت صاحب سے کچھ انعام کا بھی خواہاں تھا۔ اور چونکہ محمدی بیگم کے نکاح کا عقدہ زیادہ تر اسی شخص کے ہاتھ میں تھا اس لئے حضرت صاحب نے اس سے کچھ انعام کا وعدہ بھی کرلیا تھا خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ شخص اس معاملہ میں بدنیت تھا۔ اور حضرت صاحب سے فقط کچھ روپیہ اڑانا چاہتا تھا۔ کیونکہ بعد میں یہی شخص اور اس کے دوسرے ساتھی اس لڑکی کے دوسری جگہ بیاہے جانے کا موجب ہوئے۔ مگر مجھے والدہ صاحبہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ حضرت صاحب نے بھی اس شخص کو روپیہ دینے کے متعلق بعض حکیمانہ احتیاطیں ملحوظ رکھی ہوئی تھیں۔ والدہ صاحبہ نے یہ بھی بیان کیا۔ کہ اسکے ساتھ محمدی بیگم کا بڑا بھائی بھی شریک تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ جب خدا کی طرف سے پیشگوئیاں تھیں۔ تو حضرت صاحب خود ان کے پورا کرنے کی کیوں کوشش کیا کرتے تھے۔ مگر یہ ایک محض جہالت کا اعتراض ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے باوجود خدائی وعدوں کے اپنی پیشگوئیوں کو پورا کرنے کیلئے ہر جائز طریق پر کوشش نہ کی ہو۔ دراصل خدا کے ارادوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنے سے یہ مراد نہیں ہوتا۔ کہ نعوذ باللہ خدا انسان کی امداد کا محتاج ہے بلکہ اس سے بعض اور باتیں مقصود ہوتی ہیں۔ مثلاً

اوّل۔ اگر انسان خود ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ جاوے اور یہ سمجھ لے کہ خدا کا وعدہ ہے وہ خود پورا کرے گا۔ اور باوجود طاقت رکھنے کے کوشش نہ کرے تو یہ بات خدا کے استغنائے ذاتی کو برانگیخت کرنے کا موجب ہوتی ہے اور یہ وہ مقام ہے۔ جس سے انبیاء تک کانپتے ہیں۔ **دوسرے** یہ کہ یہ ایک محبت کا طبعی تقاضا ہوتا ہے کہ انسان اپنے محبوب کے ارادوں کے پورا کرنے میں اپنی طرف سے کوشش کرے اور یہ محبت کا جذبہ اسقدر طاقت رکھتا ہے کہ باوجود اس علم کے کہ خدا کو انسانی نصرت کی ضرورت نہیں عاشق انسان نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ **تیسرے** چونکہ خدا کے تمام ارادوں میں دین کا غلبہ مقصود ہوتا ہے۔ اسلئے نبی اپنے فرض منصبی کے لحاظ سے بھی اس میں ہاتھ پاؤں ہلانے سے باز نہیں رہ سکتا۔ **چوتھے**۔ خدا کی یہ سنت ہے کہ سوائے بالکل استثنائی صورتوں کے اپنے کاموں میں اسباب کے سلسلہ کو ملحوظ رکھتا ہے۔ پس نبی کی کوشش بھی ان اسباب

یں سے ایک سبب ہوتی ہے۔ وغیرذالک۔ (مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسی کوشش صرف رحمت کی پیشگوئیوں میں ہوتی ہے۔ عذاب کی پیشگوئیوں کے متعلق انبیاء کی یہی سنت ہے۔ کہ ان میں سوائے خاص حالات کے معاملہ خدا پر چھوڑ دیتے ہیں)

نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی میں مخالفوں کیطرف سے بڑا طوفان بے تمیزی برپا ہوا ہے۔ حالانکہ اگر وہ سنت اللہ کے طریق پر غور کرتے۔ تو بات مشکل نہ تھی۔ دراصل سب سے پہلے ہم کو اس بات کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ کہ یہ پیشگوئی کس غرض اور کن حالات کے ماتحت تھی۔ جب تک اس سوال کا فیصلہ نہ ہو پیشگوئی کا سمجھنا محال ہے۔ سو جاننا چاہیئے۔ کہ یہ خیال کرنا کہ حضرت مسیح موعود اس شادی سے کسی قسم کی اپنی بڑائی چاہتے تھے۔ ایک مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ خدا کے فضل سے مرزا احمد بیگ کا خاندان کیا بلحاظ حسب نسب کیا بلحاظ دنیاوی عزت وجاہت کیا بلحاظ مال و دولت حضرت مسیح موعود کے خاندان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور یہ ایک ایسی بین بات ہے جسپر ہمکو کسی دلیل کے لانے کیضرورت نہیں پس شادی کی یہ وجہ تو ہو نہیں سکتی تھی۔ باقی رہا یہ خیال کہ محمدی بیگم میں خود کوئی خاص وجہ کشش موجود تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت کو یہ خیال ہوا۔ سو جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ بھی باطل ہے علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود کے حالات زندگی کو دیکھو۔ کیا انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کیطرف کوئی نفسانی خواہش منسوب کیجا سکتی ہے۔ عقل سے کورے دشمن اور اندھے معاند کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں مگر وہ شخص جو کچھ بھی عقل اور کچھ بھی انصاف کا مادہ رکھتا ہے اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا۔ کہ کم از کم جہاں تک نفسانی خواہشات کا تعلق ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان پرسنل کیرکٹر یعنی سیرت وخلق ذاتی ایسے خیال کو دور سے ہی دھکے دیتا ہے۔ تو پھر سوال ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کی اصل غرض کیا تھی؟ سو اسکا یہ جواب ہے۔ کہ اس کی غرض وہی تھی۔ جو حضرت مسیح موعود نے اپنی تصانیف میں لکھی ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود کے قریبی رشتہ دار یعنی محمدی بیگم کے حقیقی ماموں اور خالہ اور پھوپھی اور والد وغیرہ پرلے درجہ کے بے دین لوگ تھے۔ اور دینداری سے انکو

کچھ بھی حس نہ تھا۔ بلکہ دین کی باتوں پر تمسخر اُڑاتے تھے اور اس معاملہ میں لڑکی کے ماموں لیڈر تھے اور مرزا احمد بیگ انکا تابع تھا۔ اور بالکل ان کے زیر اثر ہو کر انکے اشارہ پر چلتا تھا۔ اور جیسا کہ منکرینِ حق کا دستور ہے یہ لوگ ہمیشہ حضرت مسیح موعود سے کسی نشان کے طالب رہتے تھے۔ اور حضرت مسیح موعود کے دعوے الہام پر ہنسی اڑایا کرتے تھے اس دوران میں اتفاق ایسا ہوا۔ کہ حضرت صاحب کا ایک چچا زاد بھائی غلام حسین مفقود الخبر ہو کر کالمیت سمجھا گیا۔ اور اُسکے ترکہ کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ مرزا غلام حسین کی بیوہ مسمات امام بی بی مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی بہن تھی۔ اسلئے مرزا احمد بیگ نے اپنی بہن امام بی بی اور مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین وغیرہ کے مشورہ سے یہ کوشش کی۔ کہ غلام حسین مذکور کا ترکہ اپنے لڑکے یعنے محمدی بیگم کے بڑے بھائی محمد بیگ کے نام کروالے۔ مگر یہ بغیر رضامندی حضرت مسیح موعود ہو نہیں سکتا تھا۔ اسلئے ناچار مرزا احمد بیگ حضرت صاحب کیطرف رجوع ہوا۔ اور بڑی عاجزی اور اصرار کیساتھ آپ سے درخواست کی کہ آپ اس معاملہ میں اپنی اجازت دیدیں۔ قریب تھا کہ حضرت صاحب تیار ہو جاتے۔ مگر پھر اس خیال سے کہ اس معاملہ میں استخارہ کر لینا ضروری ہے رُک گئے اور بعد استخارہ جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ اسکے بعد مرزا احمد بیگ کی بار بار کی درخواست پر حضرت صاحب نے دو یا بارہ استخارہ فرمایا۔ تو جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ الہامات ہوئے جو محمدی بیگم والی پیشگوئی کا بنیادی پتھر ہیں۔ گویا ان لوگوں کو نشان دکھانیکا وقت آگیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ جسکا مفہوم یہ ہے کہ احمد بیگ کی دختر کلاں محمدی بیگم کے لئے ان سے تحریک کر۔ اگر انہوں نے مان لیا۔ تو انکے لئے یہ ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور یہ خدا کیطرف سے بے شمار رحمت و برکت پائینگے۔ اور اگر انہوں نے انکار کیا۔ تو پھر خدا ان کو عذاب کا نشان دکھائیگا۔ اور انپر مختلف قسم کی آفات اور مصیبتیں آئینگی اور اس صورت میں والد اس لڑکی کا لڑکی کے کسی اور جگہ نکاح کئے جانے کی تاریخ سے تین سال کے اندر اندر ہلاک ہو جائیگا اور جس سے نکاح ہوگا وہ بھی ڈھائی سال میں مرجائیگا۔ (نیز دیکھو روایت نمبر ۱۲۷) یہ اصل پیشگوئی

تھی۔ جو اسوقت کی گئی اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی کی اصل غرض محمدی بیگم کے والد اور ماموؤں کی بار بار کی درخواست پر ایک نشان دکھانا تھی نہ کہ کچھ اور۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئی اظہارِ قدرت الٰہی کے ماتحت تھی۔ نہ کہ اظہار علم الٰہی کیلئے۔ کیونکہ پیشگوئی میں صاف موجود تھا۔ کہ اگر مان لوگے تو یوں ہوگا۔ اور اگر انکار کروگے۔ تو یوں ہوگا۔ گویا خدا کو اپنا اقتدار دکھانا منظور تھا۔ اور منشا الٰہی میں یہ تھا کہ یہ دکھائے کہ حضرت مسیح موعود اور جو بھی آپکے ساتھ عقیدتمندانہ تعلق رکھیگا وہ خدا سے رحمت اور برکت پائیگا اور جو آپ کی عداوت میں کھڑا ہوگا۔ وہ خدا کے عذاب کا مورد ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کا اعلان ہوگیا۔ اور دنیا دیکھ چکی ہے۔ کہ اس خاندان نے خدائی منشار کے خلاف چلکر کیا کیا خدائی قہر و غضب کے نشان دیکھے۔ مرزا احمد بیگ تاریخ نکاح سے چند ماہ کے اندر اندر تپ محرقہ سے ہوشیار پور کے شفاخانہ میں رخصت ہوا۔ اور محمدی بیگم کی والدہ اپنے پانچ چھ بچوں کے گراں بوجھ کے نیچے دبی ہوئی بیوہ رہگئیں۔ اور ساری خوشیاں خاک میں مل گئیں اور علاوہ مرزا احمد بیگ کے بعض اور موتیں بھی اس خاندان میں ہوئیں۔ اور بعض دوسرے مصائب بھی آئے۔ دوسری طرف محمدی بیگم کے ماموؤں پر جس طرح خدائی عذاب کی تجلی ظاہر ہوئی۔ وہ ایک نہایت عبرت انگیز کہانی ہے۔ یہ تین بھائی تھے اور انکا گھر اسوقت خانگی رونق اور چہل پہل کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ مگر پھر اسکے بعد ان پر خدائی چکی چلی اور وہ مختلف قسم کی تنگیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے اور انکا گھر خالی ہونا شروع ہوا حتّٰی کہ وہ وقت آیا کہ سارے گھر میں صرف ایک یتیم بچہ رہ گیا اور باقی سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کی دن دگنی رات چوگنی ترقی اور اپنی تباہی دیکھتے ہوئے رخصت ہوئے۔ کیا یہ نظارے خدائی قدرت نمائیوں کی چمکتی ہوئی تجلیاں نہیں؟ پھر اور سنو وہ یتیم بچہ جو اپنے بڑے وسیع گھرانے میں اکیلا چھوڑا گیا تھا۔ آج اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود کے حلقہ بگوشوں میں شمار کرتا ہے۔ اور یہی وہ خدائی تعویذ ہے جسنے اُسے تباہی سے بچا رکھا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ محمدی بیگم کا خاوند مرزا سلطان محمد کیوں میعاد کے اندر نہیں مرا۔

اور اب تک بقید حیات ہے۔ سو جاننا چاہیئے۔ کہ وہی قدرت الٰہی جسنے مرزا احمد بیگ کو ہلاک کیا مرزا سلطان محمد کے بچائے جانے کا موجب ہوئی محمدی بیگم کے نکاح سے پہلے اور نکاح کیوقت جو حالات تھے وہ اسبات کے مقتضی تھے۔ کہ قدرت الٰہی عذاب کے رنگ میں ظاہر ہو۔ لیکن جب پیشگوئی کے نتیجہ میں مرزا احمد بیگ کی بے وقت موت نے مرزا سلطان محمد کے خاندان میں ایک تہلکہ مچا دیا اور یہ لوگ سخت خوف زدہ ہو کر حضرت مسیح موعود کیطرف عجز و انکسار کے ساتھ جھکے اور آپ سے دعا کی درخواستیں کیں تو اب سنت اللہ وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون کے مطابق قدرت نمائی مرزا سلطان محمد کے ہلاک کئے جانیکے ساتھ نہیں بلکہ بچائے جانے کے ساتھ وابستہ ہو گئی۔ خود مرزا سلطان محمد کا رویہ مرزا احمد بیگ کی موت سے لیکر آجتک حضرت مسیح موعود کے ساتھ بہت مخلصانہ رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کئی موقعوں پر اپنی عقیدت اور اخلاص کا اظہار کیا ہے اور باوجود حضرت مسیح موعود کے دشمنوں کیطرف سے رنگا رنگ میں طمع اور غیرت اور جوش دلائے جانے کے کبھی کوئی لفظ مرزا سلطان محمد کی زبان سے حضرت صاحب کے خلاف نہیں نکلا۔ بلکہ جب کبھی کوئی لفظ منہ سے نکلا ہے۔ تو تائید اور تعریف میں ہی نکلا ہے تو کیا کوئی عقل تجویز کر سکتی ہے۔ کہ ایسے شخص کے متعلق خدا کی قدرت نمائی عذاب کی صورت میں ظاہر ہو گی؟ ایک ظالم سے ظالم انسان بھی اپنے گرے ہوئے دشمن پر وار نہیں کرتا۔ تو کیا خدا جو ارحم الراحمین ہے اس شخص پر وار کریگا۔ جو اسکے سامنے گر کر اسکی پناہ میں آتا ہے؟ اور اگر یہ کہو کہ جب خدا کو یہ معلوم تھا۔ کہ مرزا سلطان محمد کے رشتہ دار نہایت عقیدت اور عاجزی کے ساتھ حضرت صاحب کی طرف جھکینگے اور رحم اور دعا کے طالب ہونگے۔ اور خود مرزا سلطان محمد کا رویہ بھی حضرت مسیح موعود سے بڑا مخلصانہ ہوگا۔ تو پھر کیوں اسکے متعلق ڈھائی سال میں ہلاک ہو جانے کی پیشگوئی کیگئی؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ اسلئے واقعہ ہوا ہے کہ پیشگوئی کی غرض کو نہیں سمجھا گیا۔ پیشگوئی کی غرض جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے یہ نہ تھی۔ کہ خدا اپنے علم ازلی کا اظہار کرے۔ بلکہ پیشگوئی کی غرض یہ تھی کہ قدرت الٰہی کا اظہار کیا

جاوے۔ جیسا کہ پیشگوئی کے الفاظ اور حالات سے بھی واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر خدا کے علم ازلی کا اظہار مقصود ہوتا۔ تو صرف ایک بات جو بالآخر وقوع میں آنی تھی بلاشرائط بتا دیجاتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ الفاظ کا مفہوم یہ تھا۔ کہ اگر یہ لوگ مان لینگے تو ان کے لئے یہ ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور اگر انکار کرینگے۔ تو یہ ایک عذاب کا نشان ہوگا۔ جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ علم ازلی کا اظہار مقصود نہ تھا۔ بلکہ قدرت نمائی مقصود تھی۔ اسکے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے متعلق امکاناً چار راستے کھلے تھے یعنے **اوّل** آخری حالت کے لحاظ سے مرزا سلطان محمد کے متعلق جو بات فی الواقع ہونیوالی تھی صرف وہ بتائی جاتی اور درمیانی حالات نظرانداز کر دیئے جاتے۔ تا جب پیشگوئی کے مطابق وقوع میں آتا۔ تو لوگونکو پیشگوئی کے پورا ہونیکا یقین ہوتا۔ اور وہ فائدہ اُٹھاتے۔ **دوئم** جب کہ مرزا سلطان محمد کے ڈھائی سال میں ہلاک ہو جانے کے متعلق پیشگوئی کر دی گئی تھی۔ تو خواہ حالات کتنے بدلتے۔ بہرحال اسکو پورا کیا جاتا۔ یا خدائی تصرف حالات کو بدلنے ہی نہ دیتا۔ اور اس طرح لوگوں کو ٹھوکر سے بچایا جاتا۔ **سوئم** اگر حالات بدلنے سے پیشگوئی کا حکم بدل جاتا تھا۔ تو اسکے متعلق پہلے ہی اطلاع دیدیجاتی۔ یعنے پیشگوئی میں ہی ایسے الفاظ رکھدیئے جاتے۔ کہ مثلاً بشرطیکہ حق کیطرف رجوع نہ کرے یا اس قسم کے کوئی اور الفاظ ہوتے تا لوگ پیشگوئی کو قطعی نہ سمجھتے۔ **چہارم**۔ موجودہ حالات پر حکم لگا دیا جاتا۔ پھر اگر وہ حالات قائم رہتے۔ تو وہی حکم وقوع میں آتا۔ اور اگر حالات بدلجاتے۔ تو نئے حالات کے مناسب حال حکم وقوع میں آتا۔ یہ وہ چار رستے تھے۔ جو امکاناً اختیار کئے جاسکتے تھے۔ لیکن ہر اک عقلمند سوچ سکتا ہے۔ کہ مقدم الذکر دو طریق قدرت نمائی کے منشاء کے منافی ہیں۔ کیونکہ پہلی صورت میں تو پیشگوئی قدرت نمائی کے دائرہ سے نکلکر اظہار علم ازلی کے دائرہ میں آجاتی ہے۔ کیونکہ جب پیشگوئی فریق مخالف کی خاص متمردانہ حالت پر مبنی تھی۔ تو اس صورت میں حالات کو نظرانداز کرنا اسکو قدرت نمائی کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے۔ ہاں اگر اسکی بنیاد فریق متعلقہ کی کسی حالت پر نہ ہوتی۔ تو پھر بے شک حالات اور انکا تغیر

نظر انداز نہ کئے جا سکتے تھے۔ مگر اس صورت میں پیشگوئی اظہار قدرت کے لئے نہ رہتی بلکہ علم ازلی کے اظہار کے ماتحت آجاتی۔ اور پیشگوئی کی اصل غرض ہی فوت ہو جاتی۔ اور اگر دوسرے طریق کو اختیار کیا جاتا تو یہ بات علاوہ کمال قدرت نمائی کے منافی اور سنت اللہ کے مخالف ہونے کے خدا کی مقدس ذات پر سخت اعتراض کا موجب ہوتی اور اس صورت میں بھی اصل غرض پیشگوئی کی باطل ہو جاتی۔ پس لامحالہ پیشگوئی کی غرض اظہار قدرت نمائی ثابت ہونے کے بعد ہم کو مؤخرالذکر دو طریقوں میں محدود ہونا پڑیگا۔ اور یہ دونوں طریق ایسے ہیں کہ سنت اللہ سے ثابت ہیں۔ تیسرے طریق پر تو کسی جرح کی گنجائش نہیں۔ مگر ہاں چوتھے طریق پر بادی النظر میں یہ شبہ وارد ہوتا ہے۔ کہ پیشگوئی کی شرط کو تیسرے طریق کے طور پر واضح کیوں نہ کیا جاوے۔ مخفی کیوں رکھا جائے۔ سو اسکا جواب یہ ہے۔ کہ جب قرآن مجید کے نص صریح سے یہ شرط بطور اصول کے بیان کر دیگئی ہے کہ حالات بدلنے سے اقتداری پیشگوئیوں میں قدرت نمائی کیصورت بدل جاتی ہے اور عقل انسانی کا بھی یہی فتوٰے ہے کہ ایسا ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر یہ نہ مانا جاوے۔ تو اصل غرض فوت ہو کر خدا کی بعض صفات کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ تو پھر ہرگز ضروری نہیں کہ یہ شرط ہر پیشگوئی میں واضح طور پر بیان کیجاوے۔ خصوصاً جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایمان کے راستے میں خدا کی یہ سنت ہے کہ بعض اخفا کے پردے بھی رکھے جاتے ہیں اور ایمان کے ابتدائی مدارج میں شہود کا رنگ نہیں پیدا کیا جاتا۔ اور یہاں تو پیشگوئی کے الفاظ ہی اسکے شرطی ہونے کو ظاہر کر رہے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ سارا اعتراض پیشگوئی کی غرض نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے کیونکہ بدقسمتی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ پیشگوئی کی غرض یہ تھی۔ کہ علم الٰہی کے ماتحت محمدی بیگم حضرت صاحب کے نکاح میں آجاوے اور بس۔ حالانکہ یہ غرض ہرگز نہ تھی بلکہ غرض یہ تھی کہ حضرت صاحب کے قریبی رشتہ داروں کو اقتداری نشان دکھایا جاوے۔ اور مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد کا ہلاک ہونا۔ اور محمدی بیگم کا حضرت صاحب کے عقد میں آنا اُسوقت کے حالات کے ماتحت اس قدرت نمائی کیلئے بطور علامات کے تھے۔ نہ کہ

مقصود بالذات۔ اسی وجہ سے آپ اکثر محمدی بیگم کی حیض والی سلوار سونگھا کرتے تھے

اگر اسجگہ یہ شبہ پیدا ہو کر حضرت صاحب کے بعض الہامات میں ہے کہ محمدی بیگم بالآخر تیرلیطرف لوٹائی جاویگی اور تمام روکیں دور کیجاوینگی وغیرہ وغیرہ اور اسکو تقدیر مبرم کے طور پر ظاہر کیا گیا تھا۔ تو اسکا یہ جواب ہے کہ اول تو یہ قطعی طور پر ثابت کرنا چاہئے۔ کہ یہ سب الہامات حضرت مسیح موعود اور محمدی بیگم ہی کے متعلق ہیں۔ دوسرے اگر یہ سب الہامات محمدی بیگم اور حضرت صاحب ہی کے متعلق ہوں۔ تو پھر بھی ان کو الگ الگ مستقل الہامات سمجھنا سخت نادانی ہے بلکہ یہ سارے الہامات ابتدائی الہامات کے ساتھ ملحق اور اسکے ماتحت سمجھے جاوینگے۔ اور ان سبکو یکجائی طور پر سامنے رکھکر کوئی رائے قائم کرنی پڑیگی اور ابتدائی الہام کو اصل قرار دینا ہوگا اور باقی بعد کے سب الہامات کو اس اصل کی شاخیں سمجھنا ہوگا۔ اب اس اصول کو مدنظر رکھکر تمام پیشگوئی پر غور کریں تو صاف پتہ لگ رہا ہے کہ حضرت صاحب کو یہ حکم تھا کہ محمدی بیگم کے متعلق سلسلہ جنبانی کر۔ اگر انہوں نے مان لیا تو یہ انکے واسطے ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور اگر لڑکی کا کسی دوسری جگہ نکاح کر دیا۔ تو یہ انکے لئے ایک عذاب کا نشان ہوگا۔ اور اس صورت میں لڑکی کا والد تین سال میں اور لڑکی کا خاوند ڈھائی سال میں مرجائینگے۔ اور لڑکی بالآخر تیرلیطرف لوٹائی جاویگی اور تمام روکیں دُور کیجاوینگی وغیرہ وغیرہ۔ اب ظاہر ہے کہ لڑکی کے حضرت صاحب کیطرف لوٹائے جانے اور روکوں کے دُور ہونیکو مرزا سلطان محمد کے ہلاک ہونے سے تعلق ہے اور یہ باتیں اسکے ماتحت ہیں نہ کہ مستقل۔ یعنی جب اُس وقت کے حالات کے ماتحت مرزا سلطان محمد کی ہلاکت کی پیشگوئی ہوئی۔ اور قدرت نمائی کو اس کی ہلاکت کی صورت کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ تو اسکے نتیجہ میں جو باتیں ظہور میں آنی تھیں انکا بھی اظہار کیا گیا۔ یعنی یہ کہ مرزا سلطان محمد کی وفات ہوگی۔ اور ان کی زندگی کی وجہ سے جو روکیں ہیں اور نیز دوسری روکیں وہ دُور ہونگی اور پھر لڑکی تیرے گھر آئیگی۔ گویا یہ سب باتیں مرزا سلطان محمد کی ہلاکت کی شق کو مدنظر رکھکر بیان کی گئی تھیں۔ اور جس طرح ہلاکت کے مقابل کی شق یعنے بچائے جانے کو مخفی رکھا گیا۔ اسی طرح بچانے کے بعد جو کچھ وقوع میں آنا تھا۔ اسکو بھی مخفی

رکھا گیا یعنے ہلاکت والا پہلو اور اسکے نتائج بیان کر دیئے گئے اور بچائے جانیوالا پہلو اور اسکے نتائج مخفی رکھے گئے اور یہ سراسر نادانی اور ظلم ہوگا۔ اگر ہم یہ سمجھیں کہ لڑکی کے لوٹائے جانے کی جو پیشگوئی ہے وہ ہلاکت اور عدم ہلاکت دونوں پہلوؤں کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب عدم ہلاکت کا پہلو ہی مذکور نہیں۔ تو اسکا نتیجہ کیونکر مذکور ہو سکتا ہے مذکور نتیجہ لامحالہ مذکور شق کیساتھ وابستہ سمجھا جائیگا۔ کیونکہ وہ اُسی لڑی میں پرویا ہوا ہے اور دوسری لڑی ساری کی ساری مخفی رکھی گئی ہے۔ ہاں جب واقعات نے قدرت نمائی کے لئے مرزا سلطان محمد کے بچائے جانے والے پہلو کو ظاہر کیا (جو لفظاً مذکور نہیں تھا) تو پھر اس پہلو کے وہ نتائج بھی ظاہر کئے گئے جو لفظاً مذکور نہیں تھے۔ ہاں اگر عذاب والا پہلو ظاہر ہوتا۔ تو پھر اس پہلو کے نتائج بھی ظاہر ہوتے۔ لیکن جب وہ پہلو ہی ظاہر نہیں ہوا تو اسکے نتائج کس طرح ظاہر ہو جاتے۔ اذا فات الشرط فات المشروط اور تقدیر مبرم کے بھی یہی معنے ہیں کہ صرف ہلاکت والے پہلو کا حضرت صاحب کو علم دیا گیا تھا اور حقیقی واقعہ کا علم صرف خدا کو تھا۔ پس حضرت صاحب کے لئے وہ تقدیر مبرم تھی۔ اور ظاہر ہے کہ بعض اوقات مخاطب مخاطب کے علم کو مدِ نظر رکھکر ایک لفظ بولتا ہے حالانکہ اسکے اپنے علم کے لحاظ سے وہ لفظ نہیں بولا جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ تقدیر مبرم سے ان خاص حالات میں یہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ کہ جو شق مذکور ہے۔ اسکے نتیجہ کے طور پر یہ تقدیر مبرم ہے نہ کہ مطلقاً یعنے اگر ہلاکت والی شق ظہور میں آئے تو پھر یہ تقدیر مبرم ہے کہ وہ تیرے نکاح میں آئیگی اور چونکہ دوسری شق کو بالکل مخفی رکھا گیا تھا۔ اسلئے محض مذکور شق کو مدِ نظر رکھکر تقدیر مبرم کا لفظ استعمال کرنا کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ محمدی بیگم کے حضرت صاحب کے نکاح میں آنے کے متعلق جتنے بھی الہامات ہیں وہ سب ابتدائی الہام کی فرع ہیں مستقل پیشگوئیاں نہیں ہیں۔ اور ان سب کی بنیاد مرزا سلطان محمد کے عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہونے پر ہے۔ پس جب مرزا سلطان محمد کی ہلاکت حالات کے بدلجانے سے قدرت نمائی کا ذریعہ نہ رہی بلکہ عذاب کا ٹلجانا قدرت نمائی کا ذریعہ ہوگیا۔ تو پھر عذاب والی صورت پر جتنے نتائج مترتب

ہونے تھے۔ وہ بھی منسوخ ہو گئے اور عدم عذاب والا مخفی پہلو مع اپنے تمام مخفی نتائج کے ظاہر ہو گیا۔ گویا مرزا سلطان محمد کے متعلق تصویر کے دو پہلو تھے۔ **اوّل** عذاب کے ماتحت موت اور اسکے نتائج یعنے محمدی بیگم کا بیوہ ہو کر حضرت صاحب کے نکاح میں آنا وغیرہ۔ پیشگوئی میں صرف یہی پہلو ظاہر کیا گیا تھا۔ **دوسرے** حالات سے بدل جانے سے عذاب اور موت کے رُک جانے کی صورت میں اظہار قدرت ہونا اور اسکے نتائج۔ یعنی محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد ہی کے پاس رہنا وغیرہ۔ یہ دوسرا پہلو مخفی رکھا گیا تھا پس خدا نے سنت اللہ کے مطابق ظاہر پہلو کو منسوخ کر کے مخفی پہلو کو ظاہر کر دیا۔ جو پہلو بیان کیا گیا تھا۔ وہ سارے کا سارا بیان کیا گیا تھا۔ اور جو مخفی رکھا گیا تھا۔ وہ سارے کا سارا مخفی رکھا گیا تھا۔ دراصل سارا دھوکا اس بات سے لگا ہے کہ محمدی بیگم کے نکاح کو اصل غرض پیشگوئی کی سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ اصل غرض رشتہ دار وں کی درخواست پر قدرت نمائی تھی اور مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد کا مرنا۔ اور محمدی بیگم کا حضرت کے نکاح میں آنا وغیرہ۔ یہ سب اُسوقت کے حالات کے ماتحت اس قدرت نمائی کے لئے بطور علامات کے رکھے گئے تھے۔ لیکن جب مرزا احمد بیگ کی اچانک موت نے حالات کی صورت بدل دی تو قدرت نمائی کے علامات بھی بدل گئے۔ حق یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو۔ ہاں اگر حضرت مسیح موعود کی زندگی میں کسی وقت مرزا سلطان محمد کیطرف سے متمردانہ طریق اختیار کیا جاتا۔ تو تصویر کا جو ظاہر پہلو تھا وہ بتمامہ وقوع میں آجاتا چنانچہ حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب میں اپنے مخالفوں کو بار بار مخاطب کر کے لکھا ہے۔ کہ اگر تمہیں اس پیشگوئی کے متعلق کوئی اعتراض ہے تو مرزا سلطان محمد کیطرف سے کوئی مخالفت کا اشتہار دلواؤ۔ اور پھر دیکھو کہ خدا کیا دکھاتا ہے۔ مگر باوجود ہمارے مخالفوں کی طرف سے سر توڑ کوشش اور بیحد غیرت اور طمع دلائے جانے کے مرزا سلطان محمد نے حضرت مسیح موعود کے متعلق جب کبھی بھی کوئی اظہار کیا تو عقیدت اور اخلاص کا ہی اظہار کیا اندریں حالات مخالفت والے پہلو پر جو نتائج مترتب ہونے تھے۔ وہ کس طرح ظاہر ہو جاتے۔ خدا کی خدائی اندھیر نگری تو نہیں کہ کاشت

کریں آم۔ اور نکل آئے حنظل۔ بلکہ وہاں کا تو یہ قاعدہ ہے کہ "گندم از گندم بروید جو ز جو۔ از مکافاتِ عمل غافل مشو"۔ محمدی بیگم کے نکاح کا درخت مرزا سلطان محمد کی ہلاکت کی سرزمین سے نکلنا تھا۔ اور ہلاکت کی سرزمین خدائی عذاب کے زلزلہ نے تیار کرنی تھی۔ اور یہ عذاب کا زلزلہ مرزا سلطان محمد کے تمرد نے پیدا کرنا تھا۔ اب جب تمرد نہ ہوا۔ تو عذاب کا زلزلہ کیسا۔ اور جب زلزلہ نہ آیا۔ تو ہلاکت کیسی؟ اب محمدی بیگم کے نکاح کو بیٹھے روتے رہو۔ خدا نے تو اپنی قدرت نمائی کا جلوہ دکھا دیا۔ اور پیشگوئی پوری ہو گئی۔

اب ایک شبہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ بیشک حالات کے تغیر سے قدرت نمائی کی صورت بدل جاتی ہے اور بدل جانی چاہئے۔ مگر تغیر ایسا ہونا چاہئے۔ جو کسی کام کا ہو۔ مثلاً کسی غیر مسلم معاند کے عذاب کی خبر ہے۔ تو وہ عذاب اس صورت میں ٹلنا چاہئے کہ وہ شخص تائب ہو کر مسلمان ہو جاوے۔ یا غیر احمدی مسلمان ہو۔ تو وہ احمدی ہو جاوے۔ ورنہ اپنے مذہب پر رہکر ہی کچھ تغیر کر لینا موجب رہائی کا نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ معاملہ کو مشتبہ کر دیتا ہے۔ اس کا یہ جواب ہے۔ کہ یہ شبہ نادانی سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہی شخص ایسا شبہ کر سکتا ہے۔ جو موجبات عذاب سے بے خبر ہو۔ دراصل بات یہ ہے۔ کہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ کہ اس دنیا میں عذاب کسی نبی کے محض انکار کیوجہ سے نہیں آتا بلکہ اسکے مقابل میں فساد اور سرکشی اور تمرد سے آتا ہے۔ محض انکار کیلئے آخرت کی جزا سزا مقرر ہے۔ اس دنیا کا عذاب صرف سرکشی اور تمرد کے نتیجے میں ہوتا ہے چنانچہ ہمارا مشاہدہ اسپر شاہد ہے۔ اب جب یہ بات معلوم ہو گئی۔ تو کوئی اعتراض نہ رہا۔ ایک شخص جو اپنی سرکشی اور تمرد کیوجہ سے اس دنیا میں عذاب کا مستحق بنا تھا۔ وہ جب تمرد کیحالت کو بدل دیگا۔ تو عذاب ٹل جائیگا۔ خواہ وہ منکر ہی رہے اور انکار کی پرسش آخرت میں ہوگی۔ جو چیز اس دنیا میں عذاب کی موجب تھی۔ وہ جب جاتی رہی۔ تو اس دنیا کا عذاب بھی جاتا رہا۔ باقی رہا محض انکار اور علیحدگی سو اسکے لئے دنیا میں عذاب نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکی پرسش اگلے جہان میں ہوگی۔ پس یہ کہنا۔ کہ غیر مسلم کے مسلمان اور غیر احمدی کے احمدی

ہو جانے پر عذاب ٹلنا چاہیئے تھا۔ ایک جہالت کی بات ہے۔ جب غیر مسلم کا محض غیر مسلم ہونا اور غیر احمدی کا محض غیر احمدی ہونا اس دنیا میں موجبات عذاب کے نہیں اور نہ اسوجہ سے اُنکے لئے کوئی عذاب کی پیشگوئی تھی۔ تو یہ اعتراض بیہودہ ہے۔ ہاں اگر عذاب کیوجہ اُنکا غیر مسلم یا غیر احمدی ہونا بتائی جاتی۔ تو پھر بے شک جب تک وہ احمدی یا مسلمان نہ ہو جاتے عذاب نہیں ٹلنا چاہیئے تھا۔ لیکن جب عذاب کی یہ وجہ ہی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ عذاب کیوجہ فساد فی الارض اور تمرد ہے۔ تو عذاب کے ٹلنے کے لئے ایمان لانے کی شرط ضروری قرار دینا محض جہالت ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ مرزا سلطان محمد نے گو بیشک اخلاص و عقیدت کا اظہار کیا۔ اور تمرد نہیں دکھایا۔ لیکن محمدی بیگم کو اپنے نکاح میں تو رکھا اور اس طرح گویا عملاً تمرد سے کام لیا۔ تو یہ بات گذشتہ اعتراض سے بھی بڑھکر جہالت کی بات ہوگی۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ پیشگوئی کی غرض ہرگز محمدی بیگم کا نکاح نہ تھی بلکہ متمرد رشتہ داروں کو اقتداری نشان دکھانا تھا۔ تو پھر یہ کہنا۔ کہ گو اُس نے تمرد نہیں دکھایا۔ مگر چونکہ محمدی بیگم کو اپنے نکاح میں رکھا۔ اسلئے عذاب نہ ٹلنا چاہیئے تھا۔ ایک ابلہانہ بات ہے۔ اگر غرض پیشگوئی کی یہ ہوتی۔ کہ محمدی بیگم حضرت صاحب کے نکاح میں آجاوے۔ تو پھر بیشک مرزا سلطان محمد کا فقط تمرد نہ دکھانا کسی کام نہ آتا۔ جبتک وہ محمدی بیگم کو الگ نہ کرتا۔ لیکن جب پیشگوئی کی یہ غرض ہی ثابت نہیں ہوتی۔ تو پھر عذاب کے ٹلنے کو مرزا سلطان محمد کے محمدی بیگم سے علیحدہ ہو جانیکے ساتھ مشروط قرار دینا ایک عجیب منطق ہے۔ جو ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ دراصل یہ سارے اعتراضات پیشگوئی کی غرض پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوئے ہیں ورنہ بات کوئی مشکل نہ تھی۔

اور یہ شبہ کہ اگر محض انکار سے اس دنیا میں عذاب نہیں آتا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس زمانہ کے مختلف عذابوں کو اپنی وجہ سے کیوں قرار دیا ہے۔ ایک دھوکے پر مبنی ہے۔ آجکل جو دنیا کے مختلف حصوں میں عذاب آرہے ہیں ان کو حضرت صاحب نے اپنی طرف اسلئے منسوب کیا ہے۔ کہ یہ لوگوں کو جگانیکے لئے

ہیں یعنی ان کی یہ غرض ہے کہ لوگ اپنی غفلتوں سے بیدار ہو جائیں اور حق کی تلاش میں لگ جاویں اور حق کے قبول کرنے کے لئے انکے دل نرم ہو جاویں۔ لہذا یہ عذاب اور نوعیت کا عذاب ہے۔ جسکو اس دوسری قسم کے عذاب سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ عام قومی عذاب تو صرف بیدار کرنے کیلئے آتے ہیں۔ یعنی جب کبھی کوئی رسول آتا ہے تو خدا کی سنت ہے کہ اس کی قوم کو جن کیطرف وہ مبعوث ہو۔ عذاب کے دھکوں سے بیدار کرتا ہے۔ اسی لئے یہ قومی عذاب رسول کی بعثت کی علامت رکھے گئے ہیں ورنہ یہ عذاب تو بسا اوقات ایسے لوگوں کو بھی پہنچتے رہتے ہیں۔ جن تک رسول کی تبلیغ بھی نہیں پہنچی ہوتی۔ اور جن کی طرف سے رسول کے خلاف تمرد تو درکنار۔ محض انکار بھی نہیں ہوا ہوتا۔ پس ان عذابوں کو اس خاص عذاب کے ساتھ مخلوط کرنا نادانی ہے۔ زیر بحث تو وہ خاص انفرادی عذاب ہیں۔ جو ان لوگوں کو پہنچتے ہیں۔ جو رسول کے مقابل پر کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسے عذاب محض انکار پر مبنی نہیں ہوتے۔ بلکہ فساد فی الارض اور سرکشی اور تمرد سے آتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب نے جو اس رشتہ کی کوشش میں اپنے بعض رشتہ داروں کو خط لکھے اور اسکے لئے بڑی جدوجہد کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیشگوئی کی اصل غرض محمدی بیگم کا نکاح تھی۔ مگر یہ ایک سراسر باطل بات ہے جبکہ پیشگوئی کے الفاظ سے یہ غرض ثابت نہیں ہوتی۔ اور جبکہ حضرت صاحب کی تحریرات میں یہ بات صاف طور پر لکھی ہوئی موجود ہے کہ پیشگوئی کی غرض نکاح نہ تھی۔ بلکہ قدرت نمائی تھی۔ اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار حضرت صاحب نے اسے کھول کھول کر بیان کر دیا۔ اور محمدی بیگم کے مرزا سلطان محمد کے ساتھ بیاہے جانے سے پہلے بھی اور بیاہے جانے کے بعد بھی اس غرض کا اظہار کیا۔ یعنی برابر اسوقت سے جب کہ ابھی محمدی بیگم بیاہی بھی نہ گئی تھی۔ اور اس پیشگوئی کے متعلق اعتراض وغیرہ نہ تھا۔ حضرت صاحب ہمیشہ یہی بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ اس کی غرض محمدی بیگم کو نکاح میں لانا نہیں بلکہ قدرت الٰہی کا ایک نشان دکھانا ہے۔ تو نکاح کی کوشش کرنے اور

اپنے بعض رشتہ داروں کو اس کوشش کے متعلق خطوط لکھنے سے یہ استنباط کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ پیشگوئی کی غرض نکاح کرنا تھی کیا ایسے رکیک استنباطوں سے نصوص صریحہ کا رد کرنا جائز ہے۔ رشتہ کی کوشش اور اسکے لئے رشتہ داروں کو تحریک تو فقط اس غرض سے تھی کہ اسوقت تک چونکہ محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد سے نکاح نہ ہوا تھا۔ اسلئے حضرت صاحب کی خواہش اور کوشش تھی کہ محمدی بیگم کا نکاح آپکے ساتھ ہو جاوے۔ تا آپکے رشتہ دار خدا کی رحمت اور برکت سے حصہ پاویں۔ اور خدا کا نشان پورا ہو۔ اور آپکی صداقت ظاہر ہو۔ اس سے پیشگوئی کی غرض کے متعلق کس طرح استدلال ہو سکتا ہے۔ اسجگہ اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جب تک محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد کے ساتھ نکاح نہیں ہوا تھا۔ محمدی بیگم کا حضرت صاحب کے رشتہ میں آنا رشتہ داروں کے لئے ایک نشانِ رحمت تھا۔ لیکن جب محمدی بیگم مرزا سلطان محمد کے عقد میں چلی گئی اور آپکے رشتہ داروں نے تمرد سے کام لیا تو اب محمدی بیگم کا حضرت صاحب کیطرف لوٹنا مرزا سلطان محمد کے عذاب میں مبتلا ہونے کے ساتھ مشروط ہو گیا۔ یعنے مرزا سلطان محمد پر عذاب کی موت آئے۔ اور پھر محمدی بیگم حضرت صاحب کیطرف لوٹے اسی لئے جب تک محمدی بیگم کا حضرت صاحب کے عقد میں آنا رشتہ داروں کے لئے ایک رحمت کا نشان تھا۔ آپ نے اُسکے لئے کوشش کی۔ اور پوری کوشش کی اور یہ کوشش آپ کی صداقت اور اخلاق فاضلہ پر ایک زبردست دلیل ہے۔ لیکن جب محمدی بیگم کے دوسری جگہ نکاح ہو جانیکے بعد اُسکا آپکی طرف لوٹنا رشتہ داروں کے عذاب دیئے جانے کی علامت ہو گیا۔ تو آپ نے معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ پس آپکی کوششوں سے پیشگوئی کی غرض کے متعلق استدلال کرنا باطل ہے یہ کوشش تو محض اسلئے تھی کہ اُسوقت کے حالات کے ماتحت محمدی بیگم کا آپکے نکاح میں آنا اظہار قدرت کی ایک علامت تھا۔ پس آپ نے اس علامت کے پورا کرنے کی کوشش کی۔ تا پیشگوئی کی اصل غرض یعنے قدرت نمائی وقوع میں آوے۔ اور خصوصیت کے ساتھ کوشش اسلئے کی کہ اسوقت کے حالات کے ماتحت محمدی بیگم کا آپ کے عقد میں آنا آپکے رشتہ داروں کے لئے موجبِ رحمت

وبرکت تھا۔ لہذا یہ کوشش تو آپ کی صداقت اور اخلاق فاضلہ اور رشتہ داروں پر رحم و شفقت کی ایک دلیل ہے نہ کہ آپکے خلاف جائے اعتراض۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ پیشگوئی خدا کے علم ازلی کے اظہار کیلئے نہ تھی۔ کہ تا بہر حال اپنی ظاہری صورت میں پوری ہوتی۔ بلکہ اظہار قدرت کاملہ کیلئے تھی۔ پس پیشگوئی کے وقت حالات موجودہ جس قسم کی قدرت نمائی کے مقتضی تھے۔ اُسکا اظہار کیا گیا اور بعد میں حالات کے تغیر سے جو جو رستہ قدرت نمائی کا متعین ہوتا گیا۔ اسکے مطابق اظہار قدرت ہوتا گیا۔ تا یہ ثابت ہو کہ خدا کوئی مشین نہیں ہے کہ جب پیچ چل گیا۔ تو بس پھر جو اپنا بیگانہ سامنے آیا اسکو پیس ڈالا۔ کیونکہ یہ بات قدرت کاملہ کے منافی ہے۔ بلکہ خدا ایک قدیر ہستی ہے۔ جب کوئی شخص عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ تو وہ اسے عذاب میں گرفتار کرتا ہے۔ اور پھر اُسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اور جب وہ موجبات عذاب کو دور کر دیتا ہے۔ تو خدا بھی اُس سے اپنا عذاب کھینچ لیتا ہے اور پھر اُسے کوئی عذاب میں نہیں ڈال سکتا اور یہی قدرت کاملہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ محمدی بیگم کے نکاح کے متعلق حضرت صاحب کو بہت سے الہامات ہوئے کہ وہ تیرے نکاح میں آئے گی سو اسکا جواب گذر چکا ہے کہ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی کوئی مستقل پیشگوئی نہیں بلکہ رشتہ داروں کو جو نشان دکھلانا تھا۔ اسکا حصہ اور فرع ہے اور یہ بات حضرت صاحب کی تحریرات بلکہ خود الہامات سے اظہر من الشمس ہو جاتی ہے اور جو شخص اس کے خلاف دعوے کرتا ہے بار ثبوت اسکے ذمہ ہے۔ پس جب نکاح کی پیشگوئی مستقل پیشگوئی نہ ہوئی بلکہ تمام پیشگوئی کا حصہ اور فرع ہوئی تو اعتراض کوئی نہ رہا۔ کیونکہ پیشگوئی کا منشاء یہ قرار پایا کہ مرزا سلطان محمد عذاب موت میں گرفتار ہوگا۔ اور پھر محمدی بیگم حضرت مسیح موعود کے عقد میں آئے گی۔ اور مرزا سلطان محمد کے عذاب موت میں مبتلا ہونے کی صورت میں کوئی چیز محمدی بیگم کے حضرت صاحب کیطرف لوٹنے میں روک نہ ہو سکیگی۔ لیکن جب حالات کے بدل جانے پر مصلحت الٰہی نے قدرت نمائی کا منشاء پورا کرنے کے لئے عذاب کی صورت کو بدل دیا۔ تو نکاح بھی جو عذاب والی صورت کا نتیجہ تھا۔ منسوخ ہو گیا۔ اصل غرض

قدرت نمائی تھی۔ اور باقی سب اسوقت کے حالات کے ماتحت اُسکی علامات تھیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جب حالات کے بدلجانے سے اصل غرض اور علامات آپس میں ٹکرانے لگیں۔ تو اصل غرض کو لے لیا گیا اور علامات کو چھوڑ دیا گیا۔ اور یہی حکمت کی راہ ہے۔ اور اگر کہو کہ ایسا کیوں نہ کیا گیا۔ کہ وہی علامات مقرر کی جاتیں۔ جو آخر تک ساتھ رہتیں۔ تو اسکا جواب اوپر گذر چکا ہے۔ کہ چونکہ یہ پیشگوئی علم ازلی کے اظہار کے لئے نہ تھی بلکہ قدرت نمائی کیلئے تھی۔ اسلئے حالات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور اگر حالات کو نظر انداز کیا جاتا۔ تو پیشگوئی کی اصل غرض (یعنی قدرت نمائی) فوت ہو کر پیشگوئی اظہار علم ازلی کے ماتحت آجاتی اور یہ مقصود نہ تھا۔ خوب سوچ لو کہ قدرت کاملہ کا اظہار بغیر حالات کو مدنظر رکھنے کے ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ صورت دو نتیجوں سے خالی نہیں یا تو خدا کو بغیر ارادے کے ایک مشین کی طرح ماننا پڑیگا۔ اور یا پھر ظالم و سفاک قرار دینا ہوگا۔ اور یہ دونوں باتیں قدرت کاملہ کے مفہوم کے منافی ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

اسجگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خاکسار نے پیشگوئیوں کے جو اصول بیان کئے ہیں اُن پر پیشگوئیوں کے اصول کا حصر نہیں ہے۔ یعنے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ پیشگوئیوں کے بس صرف یہی اصول ہیں۔ جو بیان ہوگئے۔ بلکہ یہاں تو صرف اسجگہ کے مناسب حال اور وہ بھی صرف خاص خاص اصول بیان کئے گئے ہیں ورنہ اُنکے علاوہ اور بھی بہت سے اصول ہیں بلکہ ان بیان شدہ اصول کے بھی بہت سے اور پہلو ہیں۔ جو بیان نہیں کئے گئے۔ کیونکہ یہ موقعہ پیشگوئیوں کے اصول بیان کرنیکا نہیں ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود کی سیرت و سوانح کے بیان کرنیکا ہے۔

(۱۸۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حافظ جمال احمد صاحب جو سلسلہ کے ایک مبلغ ہیں۔ ایک دفعہ پٹی گئے تھے۔ اور مرزا سلطان محمد بیگ صاحب سے ملے تھے۔ اس ملاقات کے متعلق وہ ۹/۱۲ جون ۱۹۲۱ء کے اخبار الفضل قادیان میں لکھتے ہیں کہ "عند الملاقات میں نے مرزا سلطان محمد صاحب سے سوال کیا کہ اگر آپ بُرا نہ مانیں۔ تو

میں حضرت مرزا صاحب کی نکاح والی پیشگوئی کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ جسکے جواب میں اُنہوں نے کہا کہ آپ بخوشی بڑی آزادی سے دریافت کریں۔ اور کہا کہ میرے خسر مرزا احمد بیگ صاحب واقعہ میں عین پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں مگر خدا تعالےٰ غفور الرحیم بھی ہے اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے۔ اس سے اُن کا مطلب یہ تھا۔ کہ خدا تعالےٰ نے میری زاری و دُعا کی وجہ سے وہ عذاب مجھ سے ٹال دیا۔

پھر میں نے اُن سے سوال کیا۔ آپ کو حضرت مرزا صاحب کی اس پیشگوئی پر کوئی اعتراض ہے؟ یا یہ پیشگوئی آپ کے لئے کسی شک و شبہ کا باعث ہوئی ہے؟ جسکے جواب میں انہوں نے کہا۔ کہ میں ایمان سے کہتا ہوں کہ یہ پیشگوئی میرے لئے کسی شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔ پھر میں نے سوال کیا۔ کہ اگر پیشگوئی کی وجہ سے آپ کو حضرت مرزا صاحب پر کوئی اعتراض یا شک و شبہ نہیں تو کیا کوئی اَور انکے دعوے کے متعلق آپ کو اعتراض ہے۔ جس کیوجہ سے آپ ابھی تک بیعت کرنے سے رُکے ہوئے ہیں؟ اسپر بھی انہوں نے خدا تعالےٰ کو حاضر ناظر جان کر یہی جواب دیا کہ مجھے کسی قسم کا بھی اُنپر اعتراض نہیں۔ بلکہ جب میں نابالہ چھاؤنی میں تھا۔ تو ہمارے رشتہ داروں میں سے ایک احمدی نے مرزا صاحب کے متعلق میرے خیالات دریافت کئے تھے۔ جسکا میں نے اسکو تحریری جواب دیدیا تھا۔ (خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ تحریر رسالہ تشحیذ میں چھپ چکی ہے)

اسکے بعد میں نے ان سے پوچھا۔ کہ جب آپکو کوئی اعتراض نہیں تو پھر بیعت کیوں نہیں کرتے؟ جسکے جواب میں انہوں نے کہا کہ اسکے وجوہات اَور ہیں جنکا اسوقت بیان کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ میں بہت چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ قادیان جاؤں کیونکہ مجھے حضرت میاں صاحب کی ملاقات کا بہت شوق ہے اور میرا ارادہ ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر تمام کیفیت بیان کروں۔ پھر چاہے شائع بھی کر دیں۔ تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ باقی میرے دل کی حالت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے متعلق آریوں نے لیکھرام کیوجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کیوجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ تک

دینا چاہا۔ تا میں کسی طرح مرزا صاحب پر کوئی نالش کروں۔ اگر وہ روپیہ میں لے لیتا تو امیر کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وہی اعتقاد اور ایمان تھا۔ جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔

پھر مینے پوچھا۔ کہ میں نے سنا ہے۔ کہ آپکے گھر والوں (محمدی بیگم صاحبہ) نے کوئی رویاء دیکھی ہے۔ جسکے جواب میں انہوں نے کہا مجھ سے تو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ مگر آپ احمد بیگ (ہیڈ کلرک احمدی) کے ذریعہ میرے گھر سے خود دریافت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مرزا احمد بیگ صاحب نے ان کو اپنے گھر بلوایا۔ اور دریافت کرنے پر انہوں نے کہا۔ کہ جسوقت فرانس سے ان کو (یعنے مرزا سلطان محمد صاحب کو) گولی لگنے کی اطلاع مجھے ملی۔ تو میں سخت پریشان ہوئی اور میرا دل گھبرا گیا۔ اسی تشویش میں مجھے رات کیوقت مرزا صاحب رویاء میں نظر آئے انکے ہاتھ میں ایک دودھ کا پیالہ ہے۔ اور وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ لے محمدی بیگم یہ دودھ پی لے۔ اور تیرے سر کی چادر سلامت ہے۔ فکر نہ کر۔ اس سے مجھے ان کی خیریت کے متعلق اطمینان ہو گیا"۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مینے مرزا احمد بیگ صاحب احمدی سے اس واقعہ کے متعلق دریافت کیا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اسکی پوری پوری تصدیق کی۔

(۱۸۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت یا سوانح کے متعلق جو تصنیفات احمدیوں کی طرف سے اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) سیرۃ مسیح موعود مصنفہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب۔ مولوی صاحب مرحوم اکابر صحابہ میں سے تھے۔ اور حضرت مولوی صاحب یعنی خلیفہ اول کے بعد جماعت میں انہی کا مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ تصنیف نہایت مختصر ہے۔ لیکن چونکہ مولوی صاحب مرحوم کی طبیعت نہایت ذکی اور نکتہ سنج واقعہ ہوئی تھی اسلئے بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اچھے اچھے استدلال کئے ہیں۔ عموماً خانگی اخلاق پر روشنی ڈالی ہے۔ اور سہولت کی بنا اپنے ذاتی مشاہدہ پر رکھی ہے۔ اور چونکہ مولوی صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود کے مکان کے ایک حصہ میں ہی رہتے تھے۔ اسلئے انکو حضرت صاحب کے اخلاق و عادات کے مطالعہ کا بہت اچھا موقعہ میسر تھا۔

اسپر خدا نے تحریر و تقریر کی طاقت بھی خاص عطا کی تھی۔ یہ رسالہ نہایت دلچسپ اور قابل دید ہے۔ روایات چونکہ سب حضرت مولویصاحب مرحوم کی ذاتی ہیں اسلئے شک وشبہ کی گنجائش سے بالا ہیں۔ ہاں مولویصاحب کے قلم کے زور نے انکو بعض جگہ الفاظ کی پابندی سے آزاد کر دیا ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کہیں مفہوم لیکر واقعات کو اپنے طرزِ کلام میں بیان کر دیا ہے۔ تاریخ تصنیف جنوری سنہ ۱۹۰۰ء ہے۔ حضرت مولویصاحب موصوف کی وفات سنہ ۱۹۰۵ء میں ہوئی تھی۔ کیا خوب ہوتا۔ اگر مولویصاحب اس رسالہ کو زیادہ مکمل و مبسوط کر جاتے۔ یہ رسالہ سوانح کے حصہ سے بالکل خالی ہے۔ یعنے سیرت و خلقِ ذاتی پر روشنی ڈالنے کے لئے صرف جستہ جستہ واقعات لے لئے ہیں۔ مگر ہر لفظ عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ناظرین اس مختصر رسالہ کا ضرور مطالعہ کریں۔

(۲) احمد علیہ السلام بزبان انگریزی مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ مولویصاحب موصوف پرانے احمدی ہیں۔ غالباً سنہ ۱۸۹۷ء میں احمدی ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعود کی زندگی کے آخری چند سال قادیان ہجرت کر آئے تھے۔ اور حضرت صاحب نے ان کو اپنے مکان کے ایک حصہ میں جگہ دی تھی اور ریویو کی ایڈیٹری انکے سپرد کی تھی۔ مولوی صاحب حضرت صاحب کے زمانہ میں مقربین میں سمجھے جاتے تھے۔ مگر افسوس کہ حضرت خلیفہ اول کی وفات پر اپنے بعض دوستوں اور نیز زمانہ کے اثر کے نیچے آکر فتنہ کی رو میں بہہ گئے انکی انگریزی تصنیف احمد علیہ السلام مختصر طور پر حضرت مسیح موعود کے سوانح اور سیرت پر مشتمل ہے۔ اور دلچسپ پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔ سوانح کے معاملے میں کوئی خاص تحقیق نہیں کیگئی۔ بلکہ عام معروف باتوں کو لکھدیا ہے۔ سیرت کا حصہ عموماً اپنے ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے اور عمدہ طور پر لکھا گیا ہے۔ تاریخ تصنیف سنہ ۱۹۰۶ء ہے۔

(۳) حضرت مسیح موعود کی زندگی کے مختصر حالات مصنفہ میاں معراجدین صاحب عمر لاہوری۔ میاں صاحب موصوف پرانے احمدی ہیں ہجرت نہیں کی لیکن حضرت مسیح موعود کی صحبت کافی اٹھائی ہے اور ذہین اور منشی آدمی ہیں۔ یہ مضمون براہین احمدیہ کے ایک ایڈیشن کے ساتھ شامل ہو کر شائع ہوا ہے اور آپکے خاندانی حالات سوانح اور سیرت پر مشتمل ہے جو

عمدگی کے ساتھ مرتب کئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ واقعات میں کوئی مستقل تحقیق نہیں کیگئی۔ بلکہ عموماً معروف واقعات کو لے لیا ہے۔ تاریخ تصنیف ۱۹۰۶ء ہے +

(۴) حیات النبی۔ مصنفہ شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی۔ شیخ صاحب موصوف پرانے احمدی ہیں اور سلسلہ کے خاص آدمیوں میں سے ہیں۔ مہاجر ہیں۔ اور کئی سال حضرت مسیح موعود کی صحبت اُٹھائی ہے۔ انکے اخبار الحکم میں سلسلہ کی تاریخ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح اور سیرت کا کافی ذخیرہ موجود ہے شیخ صاحب کو شروع سے ہی تاریخ سلسلہ کے محفوظ رکھنے اور جمع کرنے کا شوق رہا ہے اور دراصل صرف حیات النبی ہی وہ تصنیف ہے۔ جو اسوقت تک حضرت مسیح موعود کے سوانح و سیرت میں ایک مستقل اور مفصل تصنیف کے طور پر شروع کی گئی ہے۔ اسکی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور قابل دید ہیں۔ تاریخ تصنیف ۱۹۱۵ء ہے۔

(۵) تذکرۃ المہدی۔ مصنفہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی۔ جو بہت پرانے احمدی ہیں۔ غالباً ۱۸۸۲ء یا ۱۸۸۱ء سے ان کی قادیان میں آمد و رفت شروع ہوئی تھی۔ حضرت صاحب کی صحبت بھی بہت اُٹھائی ہے۔ بلکہ کئی سال قادیان آکر خدمت میں رہے ہیں لکھنے اور بات کرنے کا پیرایہ پرانے انداز کا ہے مگر اپنے اندر کشش رکھتا ہے۔ اُنکی تصنیف تذکرۃ المہدی بہت دلچسپ ہے۔ مسلسل سوانح نہیں بلکہ جستہ جستہ واقعات ہیں۔ مگر خوب تفصیل اور ربط کیساتھ لکھے ہوئے ہیں اور سب چشم دید باتیں لکھی ہیں۔ گویا اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ عموماً سفروں میں حضرت کے ہمرکاب رہے ہیں۔ انکی کتاب اپنی رنگ میں بہت دلچسپ اور قابل دید ہے کتاب کے دو حصہ شائع ہو چکے ہیں۔ تاریخ تصنیف ۱۹۱۴ء ہے۔*

(۶) سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مرزا البشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔ جس میں وفات تک کے معروف و مشہور واقعات درج ہیں اس میں کوئی مستقل یا مفصل تاریخی تحقیق نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف عام معروف سوانح کو بیان کر دیا گیا ہے اور دراصل اسکی اشاعت سے غرض بھی یہی تھی اسلوب بیان اور عام طرز تحریر کے متعلق مصنف کے نام نامی سے قیاس ہو سکتا ہے۔ تاریخ تصنیف ۱۹۱۶ء ہے۔

* بوقت ایڈیشن ثانی پیر صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ منہ

ان کے علاوہ دو عیسائی امریکن پادریوں نے بھی انگریزی میں حضرت مسیح موعودؑ کے حالات لکھے ہیں۔ یعنی (۱) ڈاکٹر گرس فولڈ پروفیسر مشن کالج لاہور اور (۲) مسٹر والٹر سیکرٹری ینگ مین کرسچن ایسوسی ایشن لاہور۔ ان میں سے ڈاکٹر گرس فولڈ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملا تھا۔ لیکن مسٹر والٹر نہیں ملا۔ مؤخر الذکر کی تصنیف کچھ مفصل ہے اور مقدم الذکر کی مختصر ہے۔ گو معلومات عموماً احمدیہ لٹریچر سے حاصل کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ کتابیں واقعات کی غلطی سے خالی نہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ غلطی بالعموم غلط فہمی سے واقع ہوئی ہے باقی استدلال و استنباط کا وہی حال ہے۔ جو ایک عیسائی پادری سے متوقع ہو سکتا ہے یعنے کچھ تو سمجھے نہیں اور کچھ سمجھے تو اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا۔ تعصب بھی آگ کی ایک چنگاری کیطرح ہے۔ کہ معلومات کے خرمن کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ مگر خاکسار کی رائے میں تعصب کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جو واقعات کو سمجھنے اور صحیح نتائج پر پہنچنے کے رستے میں ایک بہت بڑی روک ہو جاتی ہے اور وہ اجنبیت اور غیر مذہب اور غیر قوم سے متعلق ہونا ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی بسا اوقات بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر بہرحال یہ دو تصنیفات بھی قابل دید ہیں۔

ان کے علاوہ سلسلہ کے اخبارات و رسالہ جات ہیں۔ یعنی الحکم۔ البدر۔ ریویو۔ (انگریزی و اردو) اور تشحیذ الاذہان۔ جن میں وقتاً فوقتاً حضرت مسیح موعود کے حالات اور ڈائریاں چھپتی رہی ہیں۔ ان میں بھی معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

پھر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی تصنیفات ہیں۔ یعنی اسّی کے قریب کتب و رسالجات ہیں اور دو سو کے قریب اشتہارات ہیں۔ اُن میں بھی حضرت صاحب کی سیرت و سوانح کے متعلق ایک بہت بڑا حصہ آگیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حصہ سب سے زیادہ معتبر اور یقینی ہے اور درحقیقت حضرت مسیح موعود کے سوانح کے متعلق جتنی کتب شائع ہوئی ہیں۔ وہ سب سوائے حیات النبی کے زیادہ تر صرف حضرت صاحب کے خود اپنے بیان کردہ حالات پر ہی مشتمل ہیں۔ مگر اس ضمن میں ایک بات یاد رکھنی چاہیئے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بعض اوقات واقعات کی تاریخ معین صورت

میں یاد نہیں رہتی تھی ۔ درحقیقت حافظہ کی مختلف اقسام ہیں۔ بعض لوگوں کا حافظہ عموماً پختہ ہوتا ہے۔ مگر ایک خاص محدود میدان میں اچھا کام نہیں کرتا اور دراصل تاریخوں کو یاد رکھنا خصوصاً جب وہ ایسے واقعات کے متعلق ہوں جو منفرد ہیں۔ اور سلسلہ واقعات کی کسی لڑی میں منسلک نہیں ایک ایسے شخص کے لیئے خصوصاً مشکل ہوتا ہے جس کا دماغ کسی نہایت اعلیٰ کام کیلیئے بنایا گیا ہو درحقیقت واقعات کی تاریخوں کو یاد رکھنے کے متعلق جو حافظہ کی طاقت ہے وہ انسانی دماغ کی دوسری طاقتوں کے مقابلہ میں ایک ادنیٰ طاقت ہے بلکہ عموماً دیکھا گیا ہے۔ کہ جن لوگوں کی یہ طاقت تیز ہوتی ہے وہ بالعموم دماغ کی اعلیٰ طاقتوں میں فروتر ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

(۱۸۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب نے تم بچوں کی شادیاں تو چھوٹی عمر میں ہی کر دی تھیں۔ مگر اُن کا منشاء یہ تھا۔ کہ زیادہ اختلاط نہ ہو۔ تا کہ نشوونما میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ ہو۔

(۱۸۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے کہ جب میں پہلے پہل قادیان آیا تو اُسی دن شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری بھی ایک عیسائی نوجوان کو مسلمان کرنے کے لیئے ساتھ لائے تھے۔ ہم دونوں اکٹھے ہی حضرت مسیح موعود کے سامنے پیش ہوئے۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے میری بیعت لے لی۔ اور اسکو درخواست بیعت کے خط کے جواب میں لکھا کہ پھر بیعت لینگے۔ ابھی ٹھیرو حالانکہ اُسکو حضرت صاحب کے سامنے شیخ رحمت اللہ صاحب نے پیش کیا تھا جو ایک بڑے آدمی تھے۔ اور حضرت صاحب کو ان کا بہت خیال تھا۔ اس عیسائی نوجوان نے دوبارہ حضرت صاحب کو لکھا۔ مگر اس دفعہ بھی حضرت صاحب نے یہی جواب دیا کہ بیعت پھر لینگے۔ پھر اسنے تیسری دفعہ لکھا کہ کوئی دن مقرر کر دیا جائے۔ اسدن غالباً منگل یا بدھ تھا۔ حضرت صاحب نے کہا۔ جمعرات کے دن بیعت لینگے یہ جواب لے کر وہ شخص ناراض ہو کر چلا گیا۔ اور پھر عیسائی ہو گیا۔ اسکے بعد کسی نے حضرت صاحب سے ذکر کیا۔ کہ وہ لڑکا تو واپس جا کر عیسائی ہو گیا۔ حضرت صاحب نے

فرمایا کہ میں بھی اسی لیئے توقف کرتا تھا اور فرمایا کہ جو لوگ ہندوؤں سے مسلمان ہوتے ہیں۔ وہ عموماً سچے دل سے ہوتے ہیں۔ اور ان میں ایمان کی محبت ہوتی ہے مگر عیسائیوں میں سے اسلام کی طرف آنیوالے بالعموم قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ مجھے اس لڑکے پر اعتماد نہیں تھا۔ اور میں چاہتا تھا۔ کہ وہ کچھ عرصہ اور ٹھیرے ۔

(۱۸۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے عزیزم مرزا رشید احمد (جو مرزا سلطان احمد صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے) کے ذریعہ مرزا سلطان احمد صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپکو حضرت مسیح موعود کے سنہ ولادت کے متعلق کیا علم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے ۱۸۳۶ء میں آپکی ولادت ہوئی تھی ۔

(۱۸۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے افسر ڈاک (یعنی پرائیویٹ سیکرٹری) کی معرفت مرزا سلطان احمد صاحب سے دریافت کیا تھا۔ کہ آپکی پیدائش کس سال کی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے اچھی طرح معلوم نہیں۔ بعض کاغذوں میں تو ۱۸۶۴ء لکھا ہے مگر ہندو پنڈت مجھے کہتا تھا کہ میری پیدائش سمت ۱۹۱۳ بکرمی کی ہے ۔ ۔ ۔

مبارک سمجھا کرتی تھیں۔ اب یہ قطعی طور پر یقینی ہے۔ کہ راجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ہی خاندان کے مصائب کے دن دُور ہو کر فراخی شروع ہوگئی تھی۔ اور قادیان اور اسکے اردگرد کے بعض مواضعات دادا صاحب کو راجہ رنجیت سنگھ نے بحال کر دیئے تھے۔ اور دادا صاحب کو اپنے ماتحت ایک معزز عہدہ فوجی بھی دیا تھا۔ اور راجہ کے ماتحت دادا صاحب نے بعض فوجی خدمات بھی سرانجام دی تھیں پس بہرحال حضرت صاحب کی پیدائش راجہ رنجیت سنگھ کی موت یعنے ۱۸۳۹ء سے کچھ عرصہ پہلے ماننی پڑیگی۔ لہذا اس طرح بھی ۱۸۳۶ء والی روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ وھوالمراد۔ اور حضرت صاحب نے جو ۱۸۳۹ء لکھا ہے سو اس کو خود آپ کی دوسری تحریریں رد کر رہی ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ آپ نے ۱۹۰۵ء میں اپنی عمر ۷۰ سال بیان کی ہے اور وہاں یہ بھی لکھا ہے یہ تمام اندازے ہیں۔ صحیح علم صرف خدا کو ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میری تحقیق میں اوائل ۱۲۵۲ھ میں آپکی ولادت ہوئی تھی اور وفات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی۔ واللہ اعلم +

(۱۸۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ میں بچپن میں والد صاحب یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تاریخ فرشتہ۔ نحو میر۔ اور شاید گلستان۔ بوستان پڑھا کرتا تھا۔ اور والد صاحب کبھی کبھی پچھلا پڑھا ہوا سبق بھی سنا کرتے تھے۔ مگر پڑھنے کے متعلق مجھ پر کبھی ناراض نہیں ہوتے۔ حالانکہ میں پڑھنے میں بے پروا تھا لیکن آخر دادا صاحب نے مجھے والد صاحب سے پڑھنے سے روکدیا اور کہا کہ میں نے سب کو ملاں نہیں بنا دینا۔ تم مجھ سے پڑھا کرو مگر والد صاحب دادا صاحب کی بڑی قدر کرتے تھے +

(۱۸۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ ایک دفعہ والد صاحب اپنے چوبارے کی کھڑکی سے گر گئے۔ اور دائیں بازو پر چوٹ آئی۔ چنانچہ آخر عمر تک وہ ہاتھ کمزور رہا خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں۔ کہ آپ کھڑکی سے اُترنے لگے تھے سامنے

سٹول رکھا تھا وہ اُلٹ گیا۔ اور آپ گر گئے اور دائیں ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور یہ ہاتھ آخر عمر تک کمزور رہا۔ اس ہاتھ سے آپ لقمہ تو منہ تک لیجا سکتے تھے مگر پانی کا برتن وغیرہ منہ تک نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ نماز میں بھی آپ کو دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے سہارے سے سنبھالنا پڑتا تھا ۔

(۱۸۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب تیرنا اور سواری خوب جانتے تھے اور سُنایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ بچپن میں میں ڈوب چلا تھا تو ایک اجنبی بڈھی سے شخص نے مجھے نکالا تھا۔ اس شخص کو میں نے اس سے قبل یا بعد کبھی نہیں دیکھا۔ نیز فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ ایک گھوڑے پر سوار ہوا اس نے شوخی کی اور بے قابو ہو گیا۔ میں نے بہت روکنا چاہا۔ مگر وہ شرارت پر آمادہ تھا نہ رُکا۔ چنانچہ وہ اپنے پورے زور میں ایک درخت یا دیوار کی طرف بھاگا (الشک منی) اور پھر اس زور کے ساتھ اس سے ٹکرایا۔ کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اور وہ وہیں مر گیا۔ مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب بہت نصیحت کیا کرتے تھے کہ سرکش اور شریر گھوڑے پر ہرگز نہیں چڑھنا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اس گھوڑی کا مجھے مارنے کا ارادہ تھا۔ مگر میں ایک طرف گر کر بچ گیا اور وہ مر گیا ۔

(۱۸۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ والد صاحب باہر چوبارے میں رہتے تھے۔ وہیں اُن کے لئے کھانا جاتا تھا۔ اور جس قسم کا کھانا بھی ہوتا تھا کھا لیتے تھے۔ کبھی کچھ نہیں کہتے تھے ۔

(۱۹۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ والد صاحب تین کتابیں بہت کثرت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ یعنی قرآن مجید۔ مثنوی رومی اور دلائل الخیرات اور کچھ نوٹ بھی لیا کرتے تھے۔ اور قرآن شریف بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے ۔

(۱۹۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ

مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ والد صاحب میاں عبداللہ غزنوی اور سمّاں والے فقیر سے ملنے کے لیے کبھی کبھی جایا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کی ملاقات کا ذکر حضرت صاحب نے اپنی تحریرات میں کیا ہے۔ اور سمّاں والے فقیر کے متعلق شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے۔ کہ اُن کا نام میاں شرف دین صاحب تھا اور وہ موضع سُم نزد طالب پور ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ سم میں ایک پانی کا چشمہ ہے اور غالباً اسی وجہ سے وُہ سم کہلاتا ہے۔

(۱۹۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ دادا صاحب ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب کو کرسی دیتے تھے یعنی جب وُہ دادا صاحب کے پاس جاتے۔ تو وُہ اُن کو کُرسی پر بٹھاتے تھے۔ لیکن والد صاحب جا کر خود ہی نیچے صف کے اُوپر بیٹھ جاتے تھے۔ کبھی دادا صاحب ان کو اُوپر بیٹھنے کو کہتے تو والد صاحب کہتے کہ مَیں اچھا بیٹھا ہُوں۔

(۱۹۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے۔ کہ والد صاحب کا دستور تھا کہ سارا دن الگ بیٹھے پڑھتے رہتے اور ارد گرد کتابوں کا ایک ڈھیر لگا رہتا تھا۔ شام کو پہاڑی دروازے یعنی شمال کیطرف یا مشرق کی طرف سیر کرنے جایا کرتے تھے۔

(۱۹۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ والد صاحب اردو اور فارسی کے شعر کہا کرتے تھے۔ اور فرخ تخلص کرتے تھے۔

(۱۹۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سُلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش ایم۔ اے کہ والد صاحب دادا صاحب کی کمال تابعداری کرتے تھے افسروں وغیرہ کے ملنے کو خود طبیعت ناپسند کرتی تھی۔ لیکن دادا صاحب کے حکم سے کبھی کبھی چلے جاتے تھے۔

(۱۹۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ مَیں

مرزا سلطان احمد صاحب سے پوچھا کہ حضرت صاحب کے ابتدائی حالات اور عادات کے متعلق آپ کو جو علم ہو وہ بتائیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ والد صاحب ہر وقت دین کے کام میں لگے رہتے تھے۔ گھر والے اُن پر پورا اعتماد کرتے تھے۔ گاؤں والوں کو بھی اُن پر پورا اعتبار تھا۔ شریک جو دیسے مخالف تھے اُنکی نیکی کے اتنے قائل تھے کہ جھگڑوں میں کہدیتے تھے کہ جو کچھ یہ کہدینگے ہم کو منظور ہے۔ ہر شخص ان کو امین جانتا تھا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں مَیں نے پوچھا کہ کچھ اور بتائیے۔ مرزا صاحب نے کہا اور بس یہی ہے کہ والد صاحب نے اپنی عمر ایک مُغل کے طور پر نہیں گذاری بلکہ فقیر کے طور پر گذاری اور مرزا صاحب نے اسے بار بار دُہرایا۔ مولویصاحب نے کہا کہ مَیں نے دریافت کیا کیا حضرت صاحب کبھی کسی پر ناراض بھی ہوتے تھے؟ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ اُن کی ناراضگی بھی صرف دینی معاملات میں ہوتی تھی۔ بعض اوقات مجھے نماز کے لیئے کہا کرتے تھے۔ مگر مَیں نماز کے پاس تک نہ جاتا تھا۔ ہاں ایک بات مَینے خاص طور پر دیکھی ہے۔ کہ حضرت صاحب (یعنی آنحضرت صلعم) کے متعلق والد صاحب ذراسی بات بھی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کی شان میں ذراسی بات بھی کہتا تھا تو والد صاحب کا چہرہ سُرخ ہوجاتا تھا اور آنکھیں متغیر ہوجاتی تھیں اور فوراً ایسی مجلس سے اُٹھکر چلے جاتے تھے مولوی صاحب نے بیان کیا کہ مرزا صاحب نے اس مضمون کو بار بار دُہرایا۔ اور کہا کہ حضرت صاحب سے تو بس والد صاحب کو عشق تھا۔ ایسا عشق مَینے کبھی کسی شخص میں نہیں دیکھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے تھے کہ جب دسمبر ۱۹۰۷ء میں آریوں نے دیوالی لاہور میں جلسہ کیا اور دُوسروں کو بھی دعوت دی تو حضرت صاحب نے بھی ان کی درخواست پر ایک مضمون لکھ کر حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول کی امارت میں اپنی جماعت کے چند آدمیوں کو لاہور شرکت کے لیئے بھیجا۔ مگر آریوں نے خلاف وعدہ اپنے مضمون میں آنحضرت صلعم کے متعلق سخت بدزبانی سے کام لیا۔ اسکی رپورٹ جب حضرت صاحب کو پہنچی۔ تو حضرت صاحب اپنی جماعت پر سخت ناراض ہوئے کہ ہماری جماعت کے لوگ اس مجلس سے کیوں نہ اُٹھ آئے۔ اور فرمایا کہ یہ پرلے درجہ کی بے غیرتی ہے کہ آنحضرت

صلعم کو ایک مجلس میں بُرا کہا جاوے۔ اور ایک مُسلمان وہاں بیٹھا رہے۔ اور غصہ سے آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور آپ سخت ناراض ہُوئے۔ کہ کیوں ہمارے آدمیوں نے غیرت دینی سے کام نہ لیا۔ جب انہوں نے بدزبانی شروع کی تھی۔ تو فوراً اس مجلس سے اُٹھ آنا چاہئے تھا۔ اور حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے تھے۔ کہ مَیں اُسوقت اُٹھنے بھی لگا تھا۔ مگر پھر مولوی صاحب کی وجہ سے ٹھیر گیا۔ اور حافظ روشنعلی صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صاحب ناراض ہو رہے تھے۔ تو آپ نے مجھ سے کہا کہ حافظ صاحب وہ کیا آیت ہے کہ جب خدا کی آیات سے ٹھٹھا ہو تو اس مجلس میں نہ بیٹھو اسپر مَیں حَتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہٖ والی آیت پڑھکر سُنائی۔ اور حافظ صاحب کہتے ہیں کہ اسوقت حضرت مولوی صاحب سر نیچے ڈالے بیٹھے تھے +

(۱۹۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ میاں جان محمد والد صاحب کے ساتھ بہت رہتا تھا اور میاں جان محمد کا بھائی غفارہ والد صاحب کے ساتھ سفروں میں بعض دفعہ بطور خدمتگار کے جایا کرتا تھا۔ اور بعض دفعہ کوئی اور آدمی چلا جاتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں جان محمد قادیان کا ایک نیک مزاج مُلّا تھا۔ اور حضرت صاحب کے ساتھ بہت تعلق رکھتا تھا۔ اوائل میں بڑی مسجد میں نماز وغیرہ بھی وہی پڑھایا کرتا تھا غالباً حضرت خلیفہ ثانی کو بھی بچپن میں اُسنے پڑھایا تھا۔ غفارا اُس کا بھائی تھا یہ شخص بالکل جاہل اور اَن پڑھ تھا۔ اور بعض اوقات حضرت صاحب کی خدمت میں رہتا تھا۔ بعد میں جب قادیان میں آمدورفت کی ترقی ہوئی تو اُسنے یکے بنا کر یکہ بانی شروع کر دی تھی۔ اسکے لڑکے اب بھی یہی کام کرتے ہیں۔ بوجہ جاہل مطلق ہونے کے غفارے کو دین سے کوئی مس نہ تھا۔ مگر اپنے آخری دِنوں میں یعنی بعہد خلافت ثانیہ احمدی ہوگیا تھا۔ شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے۔ کہ حضرت صاحب کی نصیحت سے غفارے نے اوائل میں جب وُہ حضرت صاحب کی خدمت میں تھا۔ نماز شروع کر دی تھی۔ مگر پھر چھوڑ دی تھی۔ اصل میں ایسے لوگ اعراب کے حکم میں ہوتے ہیں۔ مگر جان محمد مرحوم نیک

آدمی تھا۔ اور کچھ پڑھا ہوا بھی تھا۔ اسکے لڑکے میاں دین محمد مرحوم عرف میاں بگا کو ہمارے اکثر دوست جانتے ہونگے۔ قوم کا کشمیری تھا ۔

(۱۹۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ ہمارے ساتھ والد صاحب کے بہت کم تعلقات تھے یعنی میل جول کم تھا۔ وہ ہم سے ڈرتے تھے۔ اور ہم اُن سے ڈرتے تھے (یعنے وہ ہم سے الگ الگ رہتے تھے۔ اور ہم اُن سے الگ الگ رہتے تھے کیونکہ ہر دو کا طریق اور مسلک جدا تھا) اور چونکہ تایا صاحب مجھے بیٹوں کی طرح رکھتے تھے اور جائداد وغیرہ بھی سب انہی کے انتظام میں تھی۔ والد صاحب کا کچھ دخل نہ تھا۔ اسلیئے بھی ہمیں اپنی ضروریات کے لیئے تایا صاحب کے ساتھ تعلق رکھنا پڑتا تھا ۔

(۱۹۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ والد صاحب کی ایک بہن ہوتی تھیں اُن کو بہت خواب اور کشف ہوتے تھے۔ مگر دادا صاحب کی اونکے متعلق یہ رائے تھی۔ کہ اُنکے دماغ میں کچھ نہ کچھ نقص ہی۔ لیکن آخر انہوں نے بعض ایسی خوابیں دیکھیں۔ کہ دادا صاحب کو یہ خیال بدلنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ کوئی سفید ریش بڈھا شخص اُنکو ایک کاغذ جسپر کچھ لکھا ہوا ہے۔ بطور تعویذ کے دے گیا ہے۔ جب آنکھ کھلی تو ایک بھوج پتر کا ٹکڑہ ہاتھ میں تھا۔ جسپر قرآن شریف کی بعض آیات لکھی ہوئی تھیں۔ پھر انہوں نے ایک اور خواب دیکھا کہ وہ کسی دریا میں چل رہی ہیں جسپر انہوں نے ڈور کر پانی پانی کی آواز نکالی اور پھر آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو اُن کی پنڈلیاں تر تھیں اور تازہ ریت کے نشان لگے ہوئے تھے۔ دادا صاحب کہتے تھے۔ کہ ان باتوں سے خلل دماغ کو کوئی تعلق نہیں ۔

(۲۰۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ ایکدفعہ والد صاحب سخت بیمار ہوگئے۔ اور حالت نازک ہوگئی اور حکیموں نے ناامیدی کا اظہار کر دیا اور نبض بھی بند ہوگئی۔ مگر زبان جاری رہی والد

صاحب نے کہا کہ کپڑا لاکر میرے اوپر اور نیچے رکھو۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اور اس سے حالت رو باصلاح ہو گئی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے۔ کہ یہ مرض قولنج زحیری کا تھا۔ اور یہ کہ اللہ تعالےٰ نے آپکو دکھایا تھا کہ پانی اور ریت منگوا کر بدن پر ملی جاوے۔ سو ایسا کیا گیا تو حالت اچھی ہو گئی۔ مرزا سلطان احمد صاحب کو ریت کے متعلق ذہول ہو گیا ہے۔

(۲۰۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت صاحب ایک دفعہ غیر معمولی طور پر مغرب کی طرف سیر کو گئے۔ تو راستہ سے ہٹ کر عیدگاہ والے قبرستان میں تشریف لے گئے اور پھر آپ نے قبرستان کے جنوب کیطرف کھڑے ہو کر دیر تک دعا فرمائی۔ خاکسار نے دریافت کیا۔ کہ کیا آپنے کوئی خاص قبر سامنے رکھی تھی؟ مولوی صاحب نے کہا مینے ایسا نہیں خیال کیا۔ اور مینے اسوقت دلمیں سمجھا تھا کہ چونکہ اس قبرستان میں حضرت صاحب کے رشتہ داروں کی قبریں ہیں اسلیئے حضرت صاحب نے دعا کی ہی خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے کہ وہاں ایک دفعہ حضرت صاحب نے اپنی والدہ صاحبہ کی قبر پر دعا کی تھی۔ مولوی صاحب نے یہ بھی بیان کیا کہ جب حضرت صاحب کی لڑکی امۃ النصیر فوت ہوئی تو حضرت صاحب اُسے اسی قبرستان میں دفنانے کے لیئے لے گئے تھے اور آپ خود اُسے اُٹھا کر قبر کے پاس لے گئے۔ کسی نے آگے بڑھ کر حضور سے لڑکی کو لینا چاہا۔ مگر آپنے فرمایا کہ میں خود لیجاؤنگا۔ اور حافظ روشنعلی صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ اُس وقت حضرت صاحب نے وہاں اپنے کسی بزرگ کی قبر بھی دکھائی تھی۔

(۲۰۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ میرے چچا مولوی شیر محمد صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ اوائل میں بعض اوقات حضرت مسیح موعود بھی حضرت مولوی نورالدین صاحب کے درس میں چلے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب نے درس میں بدر کی جنگ کے موقع پر فرشتے نظر آنے کا واقعہ بیان کیا اور پھر اسکی کچھ تاویل کرنے لگے تو حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ نہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے دیکھنے میں نبی

کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک ہو گئے ہوں۔

(۲۰۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کا زلزلہ آیا تھا۔ اُسدن میں نے حضرت صاحب کو باغ میں آٹھ نو بجے صبح کیوقت نماز پڑھتے دیکھا تھا اور میں نے دیکھا کہ آپ نے بڑی لمبی نماز پڑھی تھی۔

(۲۰۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دن حضرت صاحب شمال کیطرف سیر کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں کسی نے حضرت صاحب کے سامنے پیش کیا کہ ذلك ليعلم انى لم اخنه بالغيب والی آیت کے متعلق مولوی نورالدین صاحب نے بیان کیا ہے کہ یہ زلیخا کا قول ہے حضرت صاحب نے کہا کہ مجھے کوئی قرآن شریف دکھاؤ۔ چنانچہ ماسٹر عبدالرؤف صاحب نے حمائل پیش کی۔ آپنے آیات کا مطالعہ کرکے فرمایا۔ کہ یہ تو زلیخا کا کلام نہیں ہوسکتا۔ یہ یوسف کا کلام ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے دوسرے طریق پر سُنا ہے کہ اسوقت وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء کے الفاظ کا ذکر تھا۔ اور یہ کہ حضرت صاحب نے اسوقت فرمایا تھا کہ یہ الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ یہ زلیخا کا کلام نہیں بلکہ نبی کا کلام ہے کیونکہ ایسا پاکیزہ پُر معنی کلام یوسف ہی کے شایانِ شان ہے۔ زلیخا کے مُنہ سے نہیں نکل سکتا تھا

(۲۰۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ والد صاحب عموماً غرارا پہنا کرتے تھے۔ مگر سفروں میں بعض اوقات تنگ پاجامہ بھی پہنتے تھے خاکسار عرض کرتا ہے کہ جیسا کہ ناظرین بھی سمجھتے ہونگے۔ مرزا سلطان احمد صاحب کی سب روایات حضرت مسیح موعود کے زمانہ شباب یا کہولت کے متعلق سمجھنی چاہئیں۔ طفولیت یا بڑھاپے کی عمر کے متعلق اگر ان کی کوئی روایت ہو تو یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ عموماً انہوں نے وہ کسی اور سے سُنکر بیان کی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں ان کا تعلق حضرت مسیح موعود سے نہیں رہا تھا۔ الا ماشاء اللہ۔

(۲۰۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے نے کہ میں نے مرزا سلطان احمد صاحب سے سوال کیا تھا۔ کہ حضرت صاحب سے زیادہ تر قادیان میں

کن لوگوں کی ملاقات تھی؟ مرزا صاحب نے کہا کہ ملاوامل اور شرمپت ہی زیادہ آتے جاتے تھے۔ کسی اور سے ایسا راہ و رسم نہ تھا۔

(۲۰۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بیان کیا کہ ایکدفعہ مسٹر میکانکی ڈپٹی کمشنر گورداسپور قادیان دورہ پر آئے راستے میں انہوں نے دادا صاحب سے کہا کہ آپکے خیال میں سکھ حکومت اچھی تھی یا انگریزی حکومت اچھی ہے؟ دادا صاحب نے کہا کہ گاؤں چلکر جواب دونگا۔ جب قادیان پہنچے۔ تو دادا صاحب نے اپنے اور اپنے بھائیوں کے مکانات دکھا کر کہا کہ یہ سکھوں کے وقت کے بنے ہوئے ہیں۔ مجھے اُمید نہیں کہ آپکے وقت میں میرے بیٹے ان کی مرمت بھی کرسکیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ سکھوں کی حکومت قدیم شاہی رنگ کے طرز پر تھی اب اور رنگ ہے اور ہر رنگ اپنی خوبیاں رکھتا ہے۔

(۲۰۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے نے کہ ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بیان کیا کہ میں نے تحصیلداری کا امتحان ۱۸۸۴ء میں دیا تھا۔ اسوقت میں نے والد صاحب کو دُعا کے لئے ایک رقعہ لکھا تو انہوں نے رقعہ پھینک دیا۔ اور فرمایا "ہمیشہ دُنیا داری ہی کے طالب ہوتے ہیں" جو آدمی رقعہ لیکر گیا تھا اسنے آکر مجھے یہ واقعہ بتایا۔ اسکے بعد والد صاحب نے ایک شخص سے ذکر کیا کہ ہم نے تو سلطان احمد کا رقعہ پھینکدیا تھا۔ مگر خدا نے ہمیں القا کیا۔ کہ اسکو پاس کردیا جاویگا۔ اس شخص نے مجھے آکر بتادیا چنانچہ میں امتحان میں پاس ہوگیا۔

(۲۰۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب نے کہ ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بیان کیا کہ دادا صاحب نے قریباً ساٹھ سال طبابت کی۔ مگر کبھی کسی سے ایک پائی تک نہیں لی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب بھی یہی فرمایا کرتے تھے۔ کہ بڑے مرزا صاحب نے کبھی علاج کے معاوضہ میں کسی سے کچھ نہیں لیا۔ یعنی اپنی طبابت کو ہمیشہ ایک خیراتی کام رکھا اور اسکو اپنی معاش کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ بعض

دفعہ بعض لوگوں نے آپ کو بہت بہت کچھ دینا چاہا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ مجھے تعجب آتا ہے۔ کہ میاں معراج دین صاحب عمر نے اپنے مضمون میں ہماری دادا صاحب کے متعلق یہ کس طرح لکھدیا کہ "خوش قسمتی سے طبابت کا جوہر ہاتھ میں تھا اسکی بدولت گذارا چلتا گیا" اور پھر یہ بات اس نے مانہ کیمتعلق لکھی ہے کہ جب پڑدادا صاحب کی وفات ہوئی تھی۔ چہ خوش یک نشد دو شد ۔

(۲۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بیان کیا۔ کہ والد صاحب رجب علی کا اخبار سفیر امرتسر اور اگنی ہوتری کا رسالہ ہندو بندھو اور اخبار منشور محمدی منگایا اور پڑھا کرتے تھے اور موخر الذکر میں کبھی کبھی کوئی مضمون بھی بھیجا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آخری عمر میں حضرت صاحب اخبار عام لاہور منگایا کرتے تھے ۔

(۲۱۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جس دن میں قادیان بیاہی ہوئی پہنچی تھی۔ اسی دن مجھ سے چند گھنٹے قبل مرزا سلطان احمد اپنی پہلی بیوی یعنے عزیز احمد کی والدہ کو لیکر قادیان پہنچے تھے۔ اور عزیز احمد کی والدہ مجھ سے کچھ بڑی معلوم ہوتی تھی۔ اور والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ فضل احمد کی شادی مرزا سلطان احمد سے بھی کئی سال پہلے ہو چکی تھی ۔

(۲۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب کے ایک حقیقی ماموں تھے۔ (جنکا نام مرزا جمعیت بیگ تھا) انکے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئے اور ان کے دماغ میں کچھ خلل آگیا تھا۔ لڑکے کا نام مرزا علی شیر تھا۔ اور لڑکی کا حرمت بی بی۔ لڑکی حضرت صاحب کے نکاح میں آئی اور اسکے بطن سے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد پیدا ہوئے۔ مرزا علی شیر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی بہن حرمت بی بی سے بیاہا گیا۔ جس سے ایک لڑکی عزت بی بی پیدا ہوئی۔ یہ عزت بی بی مرزا فضل احمد کے نکاح میں آئی۔ مرزا احمد بیگ کی دوسری بہن امام بی بی مرزا غلام حسین کے عقد میں آئی تھی۔ مرزا سلطان احمد کی پہلی بیوی ایمہ ضلع ہوشیار پور کی رہنے والی تھی اور حضرت صاحب

اسکو اچھا جانتے تھے۔ مرزا سلطان احمد نے اس بیوی کی زندگی میں ہی مرزا امام الدین کی لڑکی خورشید بیگم سے نکاح ثانی کر لیا تھا۔ اسکے بعد عزیز احمد کی والدہ جلد ہی فوت ہو گئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دادی یعنے تمہارے دادا صاحب کی والدہ بہت عرصہ تک زندہ رہیں۔ حضرت مسیح موعود نے انکو دیکھا تھا مگر بوجہ درازی عمر اُن کے ہوش و حواس میں کچھ فرق آگیا تھا۔ تمہارے دادا صاحب کے بھائی مرزا غلام محی الدین کی اولاد کی تفصیل یہ ہے اول حرمت بی بی جو تمہارے تایا صاحب مرزا غلام قادر صاحب کے عقد میں آئیں اور اب تائی کے نام سے معروف ہیں۔ انکے ہاں ایک لڑکی عصمت اور ایک لڑکا عبد القادر پیدا ہوئے تھے۔ مگر بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ دوسرے مرزا امام الدین۔ تیسرے مرزا نظام الدین چوتھے مرزا کمال الدین۔ پانچویں عمر النساء و صغتاں جو توام پیدا ہوئیں۔ ان میں سے مقدم الذکر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے نکاح میں آئیں۔ اور مؤخر الذکر ہوشیار پور کے ضلع میں کسی جگہ بیاہی گئی تھیں۔ مگر بے اولاد فوت ہو گئیں۔ چھٹے فضل النساء جو مرزا اعظم بیگ لاہوری کے لڑکے مرزا اکبر بیگ کے عقد میں آئیں۔ مرزا احسن بیگ صاحب جو احمدی ہیں انہیں کے بطن سے ہیں۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا۔ کہ مرزا امام الدین حضرت صاحب سے بڑی تھی باقی سب باستثناء تمہاری تائی کے جو مرزا امام الدین سے بھی بڑی ہیں۔ حضرت صاحب سے چھوٹے تھے۔ والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ تائی تمہارے تایا مرزا غلام قادر صاحب سے بھی کچھ بڑی ہیں۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا۔ کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مَیں نے سُنا ہوا ہے کہ تمہارے تایا کے بعد تمہارے دادا کے ہاں دو لڑکے پیدا ہو کر فوت ہو گئے تھے اسی لیئے مَیں نے سُنا ہے۔ کہ حضرت صاحب کی ولادت پر آپکے زندہ رہنے کے متعلق بڑی مَنتیں مانی گئیں تھیں اور گویا ترس ترس کر حضرت صاحب کی پرورش ہوئی تھی۔ اگر تمہارے تایا اور حضرت صاحب کے درمیان کوئی غیر معمولی وقفہ نہ ہوتا۔ یعنے بچے پیدا ہو کر فوت نہ ہوتے۔ تو اس طرح مَنتیں ماننے اور ترسنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پس ضرور چند سال کا وقفہ ہوا ہوگا اور مرزا سلطان احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ شاید پانچ یا سات سال کا وقفہ تھا۔ اور والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے جہاں تک یاد ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تمہارے دادا کے ہاں ایک لڑکا

ہُوا جو فوت ہوگیا پھر تمہاری پھوپھی مراد بی بی ہُوئیں۔ پھر تمہارے تایا پیدا ہوئے پھر ایک دو بچے ہُوئے جو فوت ہوگئے۔ پھر حضرت صاحب اور جنت توام پیدا ہُوئے اور جنت فوت ہوگئی۔ اور والدہ صاحبہ کہتی ہیں۔ کہ تمہاری تائی کہتی تھیں کہ تمہارے تایا اور حضرت صاحب اوپر تلے کے تھے۔ مگر جب مَیں نے مُنتیں ماننے اور تَرسنے کا واقعہ سُنایا تو انہوں نے اُسے تسلیم کیا۔ مگر اصل امر کے متعلق خاموش رہیں ۔

(۲۱۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ ایک دفعہ بٹالہ کے راجہ تیجا سنگھ کو ایک خطرناک قسم کا پھوڑا نکلا۔ بہت علاج کئے گئے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہُوا۔ آخر اُسنے دادا صاحب کی خدمت میں آدمی بھیجا۔ دادا صاحب گئے اور (خدا کے فضل سے) وُہ اچھا ہوگیا۔ اسپر راجہ مذکور نے دادا صاحب کو ایک بڑی رقم اور خلعت اور دو گاؤں بشتاب کوٹ اور حسن پور یا حسن آباد جو آپکی قدیم ریاست کا ایک جزو تھے۔ پیش کیئے اور ان کے قبول کرنے پر اصرار کیا مگر دادا صاحب نے یہ کہکر صاف انکار کردیا کہ میں ان دیہات کو علاج کے بدلے میں لینا اپنے لیئے اور اپنی اولاد کے لیئے موجب ہتک سمجھتا ہُوں۔

(۲۱۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ دادا صاحب نہائت وسیع الاخلاق تھے اور دشمن تک سے نیک سلوک کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جوتی ولد دُولہ برہمن جنہوں نے ایک دفعہ ہمارے خلاف کوئی شہادت دی تھی۔ بیمار ہوگیا۔ تو دادا صاحب نے اس کا بڑی ہمدردی سے علاج کیا۔ اور بعض لوگوں نے جتلایا بھی کہ یہ وہی شخص ہے جس نے خلاف شہادت دی تھی۔ مگر انہوں نے اسکی کوئی پروا نہیں کی۔ ایسی ایسی اَور بھی کئی مثالیں ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ دادا صاحب کی بلند ہمتی اور وسعتِ حوصلہ مشہور ہے۔

(۲۱۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے کہ دادا صاحب شعر بھی کہا کرتے تھے۔ اور تحسین تخلص کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کے دو شعر مجھے یاد ہیں ؎

اَے دائے کہ ما بہ ماچہ کردیم ✦ کردیم نا کردنی ہمہ عمر

دردِ سرِ من شد طبیبا ✦ ایں دردِ دل است دردِ سر نیست

خاکسار عرض کرتا ہے کہ دادا صاحب کے بعض شعر حضرت صاحب نے بھی نقل کیے ہیں۔ اور مرزا سلطان احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اُن کا کلام جمع کر کے حافظ محمود راز صاحب ایڈیٹر پنجابی اخبار کو دیا تھا۔ مگر وہ فوت ہو گئے اور پھر نہ معلوم وہ کہاں گیا۔ نیز مرزا سلطان احمد صاحب نے بیان کیا کہ تایا صاحب بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا تخلص مفتون تھا۔ نیز بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک ایرانی قادیان میں آیا تھا۔ وہ دادا صاحب سے کہتا تھا کہ آپ کا فارسی کلام ایسا ہی فصیح ہے۔ جیسا کہ ایرانی شاعروں کا ہوتا ہے ✦

(۲۱۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ ایک دفعہ بٹالہ کے ایک ہندو حجام نے دادا صاحب سے کہا کہ میری معافی ضبط ہو گئی ہے آپ ایجرٹن صاحب فنانشل کمشنر سے میری سفارش کریں۔ دادا صاحب اُسے اپنے ساتھ لاہور لے گئے۔ اسوقت لاہور کے شالامار باغ میں ایک جلسہ ہو رہا تھا۔ دادا صاحب نے وہاں جا کر جلسہ کی کارروائی ختم ہونے کے بعد ایجرٹن صاحب سے کہا کہ آپ اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیں۔ صاحب گھبرایا کہ کیا معاملہ ہے مگر دادا صاحب نے اصرار سے کہا تو اُس نے انکی خاطر اس حجام کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسکے بعد دادا صاحب نے صاحب سے کہا کہ ہمارے مُلک میں دستور ہے کہ جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں تو پھر خواہ سر جاتا جائے چھوڑتے نہیں۔ اب آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا ہے اسکی لاج رکھنا۔ پھر کہا کہ اسکی معافی ضبط ہو گئی ہے۔ کیا معافیاں دیکر بھی ضبط کیا کرتے ہیں؟ اس کی معافی بحال کر دیں۔ ایجرٹن صاحب نے اسکی مسل طلب کر کے معافی بحال کر دی۔ یہی ایجرٹن صاحب بعد میں پنجاب کا لفٹنٹ گورنر ہو گیا تھا۔

(۲۱۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ دادا صاحب میں خودداری بہت تھی۔ ایک دفعہ رابرٹ کسٹ صاحب کمشنر سے ملاقات کیلئے گئے باتوں باتوں میں اُسنے پُوچھا کہ قادیان سے سری گوبند پور کتنی دُور ہے؟ دادا صاحب کو یہ سوال ناگوار ہوا فوراً بولے۔ میں ہرکارہ

نہیں اور سلام کہکر رخصت ہونا چاہا۔ صاحب نے کہا۔ مرزا صاحب آپ ناراض ہوگئے؟ دادا صاحب نے کہا کہ ہم آپ سے اپنی باتیں کرنے آتے ہیں۔ اور آپ ادھر ادھر کی باتیں پوچھتے ہیں۔ جو آپ نے مجھ سے پوچھا ہے۔ وہ میرا کام نہیں ہے۔ صاحب دادا صاحب کے اس جواب پر خوش ہوا +

(۲۱۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ ایک دفعہ جب ڈیوس صاحب اس ضلع میں مہتمم بندوبست تھا۔ اور اُن کا عملہ بٹالہ میں کام کرتا تھا۔ قادیان کا ایک پٹواری جو قوم کا برہمن تھا اور محکمہ بندوبست مذکور میں کام کرتا تھا۔ تایا صاحب مرزا غلام قادر صاحب کے ساتھ گستاخانہ رنگ میں پیش آیا۔ تایا صاحب نے وہیں اسکی مرمت کردی۔ ڈیوس صاحب کے پاس شکایت گئی تو اسنے تایا صاحب پر ایک سو روپیہ جرمانہ کیا۔ دادا صاحب اُس وقت امرتسر میں تھے اُن کو اطلاع ہوئی تو فوراً ایجرٹن صاحب کے پاس چلے گئے اور حالات سے اطلاع دی اُسنے دادا صاحب کے بیان پر بلا طلب مسل جرمانہ معاف کردیا +

(۲۱۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ ایک دفعہ تایا صاحب پولیس میں ملازم تھے۔ نسبٹ صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع نے کسی بات پر اُن کو معطل کردیا۔ اسکے بعد جب نسبٹ صاحب قادیان آیا تو خود دادا صاحب سے ذکر کیا کہ میں نے آپکے لڑکے کو معطل کردیا ہے دادا صاحب نے کہا۔ اگر قصور ثابت ہے تو ایسی سخت سزا دینی چاہیئے۔ کہ آیندہ شریف زادے ایسا قصور نہ کریں۔ صاحب نے کہا جس کا باپ ایسا ادب سکھانیوالا ہو اسکو سزا دینے کی ضرورت نہیں۔ اور تایا صاحب کو بحال کردیا۔ فاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے کہ تایا صاحب نے بھی بہت سے محکموں میں کام کیا ہے پولیس میں بھی کام کیا ہے ضلع کے سپرنٹنڈنٹ بھی رہے ہیں۔ اور سنا ہے نہر میں بھی کام کیا تھا۔ اور بعض کاغذات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سرکاری کاموں کی ٹھیکہ داری بھی کی ہے۔ چنانچہ میں نے ۱۸۶۰ء کے بعض کاغذات دیکھے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تایا صاحب نے چھینہ کے پاس کسی پل کا بھی

ٹھیکہ لیا تھا +

(۲۲۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم - اے کہ ایک دفعہ مہاراجہ شیر سنگھ کا ہنووان کے چمنب میں شکار کھیلنے کے لیئے آیا - دادا صاحب بھی ساتھ تھے - مہاراجہ کے ایک ملازم کو جو قوم کا جلاہا تھا - سخت زکام ہوگیا دادا صاحب نے اسکو ایک نسخہ لکھدیا - اور وہ اچھا ہوگیا - لیکن پھر یہی بیماری خود شیر سنگھ کو ہوگئی اور اسنے علاج کے لیئے دادا صاحب سے کہا - دادا صاحب نے ایک بڑا قیمتی نسخہ لکھا - شیر سنگھ نے کہا کہ جولاہے کو دو ڈھائی پیسہ کا نسخہ اور مجھے اتنا قیمتی ؟ دادا صاحب نے جواب دیا - شیر سنگھ اور جولاہا ایک نہیں ہو سکتے - شیر سنگھ اس جواب سے بہت خوش ہوا - اور اس زمانہ کے دستور کیمطابق عزت افزائی کے لیئے سونے کے کڑوں کی ایک جوڑی پیش کی - خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ اس علاج کے بدلے میں نہ تھی بلکہ مشرقی رؤسا اور بادشاہوں کا یہ دستور رہا ہے - کہ جب کسی بات پر خوش ہوتے ہیں - تو ضرور کچھ چیز تقریب و انعام کے طور پر پیش کرتے ہیں شیر سنگھ نے بھی جب ایسا برجستہ کلام سنا تو محظوظ ہو کر اس صورت میں اظہار خوشنودی کیا +

(۲۲۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم - اے - کہ ایک دفعہ مرزا امام الدین صاحب نے دادا صاحب کے قتل کی سازش کی اور بھینی کے ایک سکھ سوجیت سنگھ کو اس کام کیلیئے مقرر کیا - مگر سوجیت سنگھ کا بیان ہے کہ میں کئی دفعہ دیوان خانہ کی دیوار پر اس نیت سے چڑھا - مگر ہر دفعہ مجھے مرزا صاحب یعنی دادا صاحب کے ساتھ دو آدمی محافظ نظر آئے اسلیئے میں جرأت نہ کر سکا - خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ کوئی تصرف الٰہی ہوگا +

(۲۲۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم - اے - کہ دادا صاحب حقہ بہت پیتے تھے - مگر اس میں بھی اپنی شان دکھاتے تھے - یعنی جو لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوں ان کو اپنا حقہ نہیں دیتے تھے - لیکن غریبوں اور چھوٹے آدمیوں سے کوئی روک نہ تھی +

(۲۲۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ دادا صاحب کا تکیہ کلام یہ ہے بات کہ نہیں" تھا جو جلدی میں "ہے باکہ نہیں" سمجھا جاتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اسکے متعلق اور بھی کئی لوگوں سے سُنا گیا ہے۔

(۲۲۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ ایک دفعہ قادیان میں ایک بغدادی مولوی آیا دادا صاحب نے اُس کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ اس مولوی نے دادا صاحب سے کہا۔ مرزا صاحب آپ نماز نہیں پڑھتے؟ دادا صاحب نے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔ اور کہا کہ ہاں بیشک میری غلطی ہے مولوی صاحب نے پھر بار بار اصرار کے ساتھ کہا اور ہر دفعہ دادا صاحب یہی کہتے گئے کہ میرا قصور ہے۔ آخر مولوی نے کہا آپ نماز نہیں پڑھتے۔ اللہ آپ کو دوزخ میں ڈال دیگا۔ اسپر دادا صاحب کو جوش آگیا اور کہا "تمہیں کیا معلوم ہے کہ وہ مجھے کہاں ڈالیگا۔ میں اللہ تعالےٰ پر ایسا بدظن نہیں ہوں میری امید وسیع ہے۔ خدا فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ تم مایوس ہو گئے میں مایوس نہیں ہوں۔ اتنی بے اعتقادی میں تو نہیں کرتا" پھر کہا "اسوقت میری عمر ۷۵ سال کی ہے۔ آجتک خدا نے میری پیٹھ نہیں لگنے دی۔ تو کیا اب وہ مجھے دوزخ میں ڈال دیگا" خاکسار عرض کرتا ہے کہ پیٹھ لگنا پنجابی کا محاورہ ہے۔ جسکے معنی دشمن کے مقابلہ میں ذلیل و رسوا ہونے کے ہیں۔ عموماً ایسے مصائب تو دادا صاحب پر بہت آئے ہیں۔

(۲۲۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ جب سے تمہاری دادی فوت ہوئیں۔ تمہارے دادا نے اندر زنانہ میں آنا چھوڑ دیا تھا۔ دن میں صرف ایک دفعہ تمہاری پھوپھی کو ملنے آتے تھے۔ اور پھوپھی کے فوت ہونیکے بعد تو بالکل نہیں آتے تھے۔ باہر مردانے میں رہتے تھے۔ (خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ روایت حضرت والدہ صاحبہ نے کسی اور سے سُنی ہوگی۔ کیونکہ یہ واقعہ حضرت امان جان کے قادیان تشریف لانیسے پہلے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے)

(۲۲۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مرزا سلطان احمد صاحب نے کہ دادا صاحب نے طب کا علم حافظ روح اللہ صاحب باغبانپورہ لاہور سے سیکھا تھا اسکے بعد دہلی جاکر تکمیل کی تھی ۔

(۲۲۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے نے کہ ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بیان کیا کہ دادا صاحب کی ایک لائبریری تھی جو بڑے بڑے پٹاروں میں رہتی تھی۔ اور اس میں بعض کتابیں ہمارے خاندان کی تاریخ کے متعلق بھی تھیں۔ میری عادت تھی کہ میں دادا صاحب اور والد صاحب کی کتابیں وغیرہ چوری نکال کر لے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ والد صاحب اور دادا صاحب بعض وقت کہا کرتے تھے۔ کہ ہماری کتابوں کو یہ ایک چوہا لگ گیا ہے ۔

(۲۲۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مرزا سلطان احمد صاحب سے مجھے حضرت مسیح موعود کی ایک شعروں کی کاپی ملی ہے جو بہت پرانی معلوم ہوتی ہے۔ غالباً نوجوانی کا کلام ہے۔ حضرت صاحب کے اپنے خط میں ہے جسے میں پہچانتا ہوں بعض بعض شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں ؎

عشق کا روگ ہے کیا پوچھتے ہو اسکی دوا — ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے
کچھ مزا پاؤ گے اے دل! ابھی کچھ پاؤ گے — تم بھی کہتے تھے کہ الفت میں مزا ہوتا ہے

ہائے کیوں ہجر کے الم میں پڑے — مفت بیٹھے بٹھائے غم میں پڑے
اسکے جانے سے صبر دل سے گیا — ہوش بھی ورطۂ عدم میں پڑے

سبب کوئی خداوندا بنا دے — کسی صورت سے وہ صورت دکھا دے
کرم فرما کے آ او میرے جانی — بہت روئے ہیں اب ہم کو ہنسا دے
کبھی نکلے گا آخر تنگ ہو کر — دلا اک بار شور و غل مچا دے

نہ سر کی ہوش ہی تمکو نہ پا کی　　سمجھ ایسی ہوئی قدرت خدا کی
مرے بُت اب سے پردہ میں رہو تم　　کہ کافر ہو گئی خلقت خدا کی

نہیں منظور تھی گر تُم کو اُلفت　　تو یہ مُجھ کو بھی جتلایا تو ہوتا
مری دِلسوزیوں سے بے خبر ہو　　مرا کچھ بھید بھی پایا تو ہوتا
دِل اپنا اسکو دوں یا ہوش یا جاں　　کوئی اِک حکم فرمایا تو ہوتا

کوئی راضی ہو یا ناراض ہووے　　رضامندی خدا کی مدعا کر

اس کاپی میں کئی شعر ناقص ہیں۔ یعنے بعض جگہ مصرع اول موجود ہے۔ مگر دوسرا نہیں ہے۔ اور بعض جگہ دوسرا ہے۔ مگر پہلا ندارد۔ بعض اشعار نظر ثانی کے لیئے بھی چھوڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور کئی جگہ فرخ تخلص استعمال کیا ہے۔

(۲۲۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ تایا صاحب کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی اور کئی دن تک جشن رہا تھا۔ اور ۲۲ طائفے ارباب نشاط کے جمع تھے۔ مگر والد صاحب کی شادی نہایت سادہ ہوئی تھی۔ اور کسی قسم کی خلاف شریعت رسوم نہیں ہوئیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ بھی تصرف الٰہی تھا۔ ورنہ دادا صاحب کو دونوں بیٹے ایک سے تھے۔ (نیز یہ طائفے ان لوگوں کی وجہ سے آئے ہوں گے۔ جو ایسے تماشوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ورنہ خود دادا صاحب کو ایسی باتوں میں شغف نہیں تھا)

(۲۳۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ ہماری دادی صاحبہ بڑی مہمان نواز سخی اور غرباء پرور تھیں۔

(۲۳۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ میں نے سنا ہوا ہے کہ ایک دفعہ والد صاحب سشن عدالت میں اسیسر مقرر ہوئے تھے۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ (اسجگہ دیکھو روایت ۳۱۳)

(۲۳۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ آخری عمر میں دادا صاحب نے ایک مسجد تعمیر کروانے کا ارادہ کیا۔ اور اسکے لیئے موجودہ بڑی مسجد (یعنی مسجد اقصےٰ) کی جگہ کو پسند کیا اسجگہ سکھ کارداروں کی حویلی تھی۔ جب یہ جگہ نیلام ہونے لگی تو دادا صاحب نے اسکی بولی دی۔ مگر دوسری طرف دوسرے باشندگان قصبہ نے بھی بولی دینی شروع کی اور اس طرح قیمت بہت چڑھ گئی۔ مگر دادا صاحب نے بھی پختہ قصد کرلیا تھا۔ کہ میں اسجگہ میں ضرور مسجد بناؤنگا۔ خواہ مجھے اپنی کچھ جائداد فروخت کرنی پڑے چنانچہ سات سو روپیہ میں یہہ جگہ خریدی اور اسپر مسجد بنوائی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس وقت کے لحاظ سے اس جگہ کی قیمت چند گنتی کے روپے سے زیادہ نہ تھی۔ مگر مقابلہ سے بڑھگئی ۔

(۲۳۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ تمہاری تائی کے سارے گھر میں صرف مرزا علی شیر کی ماں یعنی مرزا سلطان احمد کی نانی جو حضرت صاحب کی ممانی تھی۔ حضرت صاحب سے محبت رکھتی تھی۔ اور اُن کی وجہ سے مجھے بھی اچھا سمجھتی تھی باقی سب مخالف ہو گئے تھے۔ میں جب اس طرف جاتی تھی۔ تو وہ مجھے بڑی محبت سے ملتی تھی۔ اور کہا کرتی تھی ہائے افسوس یہ لوگ اسے (یعنی حضرت صاحب کو) کیوں بددعائیں دیتے اور بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اسے میری چراغ بی بی نے کتنی منتوں سے ترس ترس کر پالا تھا۔ اور کتنی محبت اور محنت سے پرورش کی تھی۔ والدہ صاحبہ کہتی ہیں۔ کہ وہ بہت بوڑھی ہو گئی تھی۔ اور وقت گزارنے کے لیئے چرخہ کاتتی رہتی تھی حضرت صاحب کو بھی اس سے محبت تھی۔ اور والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ تمہاری تائی کہتی ہیں۔ کہ حضرت صاحب کی ممانی کا نام بھی تمہاری دادی کی طرح چراغ بی بی تھا ۔

(۲۳۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب نے کہ ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بیان کیا کہ جو عورت والد صاحب کو کھانا دینے جاتی تھی وہ بعض اوقات واپس آکر کہتی تھی۔ "میاں اُن کو (یعنی حضرت صاحب کو) کیا ہوش ہے۔ یا کتابیں ہیں اور یا وہ ہیں" خاکسار عرض کرتا ہے کہ ناظرین کو یاد ہوگا کہ میں نے تمہید

میں یہ لکھا تھا۔ کہ میں بغرض سہولت تمام روایات صرف اُردو زبان میں بیان کرونگا خواہ وُہ کسی زبان میں کہی گئی ہوں۔ سو جاننا چاہیئے۔ کہ فقرہ مندرجہ بالا بھی دراصل پنجابی میں کہا گیا تھا۔ یہ صرف بطور مثال کے عرض کیا گیا۔ نیز ایک اور عرض بھی ضروری ہے کہ جہاں خاکسار نے یہ لکھا ہے کہ "بیان کیا مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے" اس سے مطلب یہ ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو مَیں نے معین سوال دے کر مرزا صاحب موصوف کے پاس بھیجا اور اُس کا جو جواب مرزا صاحب کی طرف سے دیا گیا وہ نقل کیا گیا اور جہاں مولوی صاحب کی طرف روایت کو منسوب کیا ہے وہاں میرے کسی معین سوال کا جواب نہیں۔ بلکہ جو مرزا صاحب نے دورانِ گفتگو میں مولوی صاحب کو کوئی بات بتائی۔ وہ نقل کی گئی ہے +

(۲۳۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ ایک دفعہ قادیان میں ہیضہ پھوٹا اور چوہڑوں کے محلہ میں کیس ہونے شروع ہوئے۔ دادا صاحب اُس وقت بٹالہ میں تھے۔ یہ خبر سُنکر قادیان آگئے۔ اور چوہڑوں کے محلہ کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ اور چوہڑوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور اُن کو تسلی دی۔ اور پھر حکم دیا۔ کہ قادیان کے عطار آملہ۔ کشنیٹ۔ گڑ (یعنی قند سیاہ) لیتے آویں۔ اور پھر اُن کو مٹی کے بڑے بڑے برتنوں میں ڈلوا دیا اور کہا کہ جو چاہے گڑ والا پیئے اور جو چاہے نمک والا پیئے۔ کہتے ہیں کہ دُوسرے دن مرض کا نشان مٹ گیا +

(۲۳۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ :۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا۔ ایک دن بارش ہو رہی تھی۔ جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہُوا تھا۔ اس میں بجلی آئی۔ سارا کمرہ دھوئیں کی طرح ہو گیا اور گندھک کی سی بو آتی تھی۔ لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہونچا۔ اسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری۔ جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے موافق طواف کے واسطے پیچ در پیچ ارد گرد دیوار بنی ہوئی تھی۔ اور اندر ایک شخص بیٹھا تھا۔ بجلی تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اس پر گری اور وُہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا۔ دیکھو وہی بجلی آگ تھی جس نے اس کو جلا دیا مگر ہم کو کچھ ضرر نہ دے سکی کیونکہ خدا تعالےٰ

نے ہماری حفاظت کی ۔

ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات میں ایک مکان کی دوسری منزل پر سویا ہوا تھا ۔ اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ یا سولہ آدمی اور بھی تھے ۔ رات کیوقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی ۔ میں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہیئے انہوں نے کہا کہ کوئی چوہا ہوگا ۔ خوف کی بات نہیں اور یہ کہکر سو گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی آواز آئی تب میں نے انکو دوبارہ جگایا ۔ مگر پھر بھی اونہوں نے کچھ پرواہ نہ کی پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی تب میں نے انکو سختی سے اٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا ابھی دوسری زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اور وہ دوسری چھت کو ساتھ لیکر نیچے جا پڑی اور سب بچگئے ۔

ایسا ہی ایک دفعہ ایک بچھو میرے بستر کے اندر لحاف کیساتھ مرا ہوا پایا گیا اور دوسری دفعہ ایک بچھو لحاف کے اندر چلتا ہوا پکڑا گیا ۔ مگر ہر دو بار خدا نے مجھے ان کے ضرر سے محفوظ رکھا ۔ ایک دفعہ میری دامن کو آگ لگ گئی تھی مجھے خبر بھی نہ ہوئی ایک اور شخص نے دیکھا اور بتلایا اور آگ کو بجھا دیا ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ باتیں حضرت صاحب کی ڈائری سے لیگئی ہیں ۔ اور بچھو اور آگ لگنے کا واقعہ ضروری نہیں کہ سیالکوٹ سے متعلق ہو ۔

(۲۳۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۸ پر حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں :-

"اس احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں اسی زمانہ کے قریب کہ جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصہ میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا ۔ جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اسوقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی کہ جو خود اس عاجز کی تصنیف معلوم ہوتی تھی آنحضرت صلعم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے ؟ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کا نام میں نے قطبی رکھا ہے ۔ جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب کی تالیف ہونیپر یہ کھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے جسکے کمال استحکام کو پیش کرکے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا گیا ہے ۔ غرض آنحضرت نے وہ کتاب مجھ سے لے لی ۔ اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبوی کے ہاتھ میں آئی تو آنجناب کا ہاتھ

مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوشرنگ اور خوبصورت میوہ بنگئی۔ کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرت نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لیئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجناب کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مردہ کہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا۔ آنحضرت کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آکھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرت کے سامنے کھڑا تھا۔ جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرت بڑے جاہ و جلال اور بڑے حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوہ فرما رہے تھے۔ پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھکو اس غرض سے دی کہ تا میں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں اور وہ ایک قاش میں نے اس نئے زندہ کو دیدی اور اُسنے وہیں کھالی۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا۔ تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کی کرسی مبارک اپنی پہلے مکان سے بہت ہی اونچی ہوگئی اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی۔ کہ جو دین اور اسلام کی تازگی اور ترقی کی اشارت تھی۔ تب اسی نور کا مشاہدہ کرتے کرتے آنکھ کھل گئی۔"

(خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس رویا میں یہ اشارہ تھا کہ آگے چلکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خدمتِ دین کا کوئی ایسا عظیم الشان کام لیا جائیگا۔ کہ جس سے اسلام میں جو مُردہ کی طرح ہو رہا ہے۔ پھر زندگی کی رُوح عود کر آئیگی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ رویا غالباً ۱۸۶۴ء سے بھی پہلے کا ہوگا۔ کیونکہ ۱۸۶۴ء میں تو آپ سیالکوٹ میں ملازم ہو چکے تھے)

(۲۳۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۲۰ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"اس برکت کے بارے میں ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں بھی ایک عجیب الہام اردو میں ہوا تھا۔ جس کو اسجگہ لکھنا مناسب ہے اور تقریب اس الہام کی یہ پیش آئی تھی۔ کہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کہ جو کسی زمانہ میں اس عاجز کے ہم مکتب بھی تھے۔ جب نئے نئے مولوی ہو کر بٹالہ میں آئے اور بٹالیوں کو انکے خیالات گراں گزرے تو تب ایک شخص نے مولوی صاحب

ممدوح سے کسی اختلافی مسئلہ میں بحث کرنے کے لیئے اس ناچیز کو بہت مجبور کیا چنانچہ اسکے کہنے کہانے پر یہ عاجز شام کیوقت اس شخص کے ہمراہ مولویصاحب ممدوح کے مکان پر گیا۔ اور مولویصاحب کو معہ انکے والد صاحب کے مسجد میں پایا۔ پھر خلاصہ یہ کہ اس احقر نے مولویصاحب موصوف کی اسوقت کی تقریر کو سُنکر معلوم کرلیا۔ کہ انکی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں کہ قابل اعتراض ہو اسلیئے خاص اللہ کے لیئے بحث کو ترک کیا گیا۔ رات کو خداوند کریم نے اپنے الہام اور مخاطبت میں اس ترکِ بحث کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ "تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دیگا۔ یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے پھر بعد اسکے کشف میں وہ بادشاہ دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے"۔

(۲۳۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میری نانی اماں صاحبہ نے کہ ایک دفعہ جب تمہارے نانا کی بدلی کاہنووان میں ہوئی تھی میں بیمار ہوگئی۔ تو تمہارے نانا مجھے ڈولی میں بٹھلا کر قادیان تمہارے دادا کے پاس علاج کیلیئے لائے تھے۔ اور اُسی دن میں واپس چلی گئی تھی۔ تمہارے دادا نے میری نبض دیکھ کر نسخہ لکھدیا تھا۔ اور تمہارے نانا کو یہاں اور ٹھہرنے کے لیئے کہا تھا۔ مگر ہم نہیں ٹھہر سکے۔ کیونکہ پیچھے تمہاری اماں کو اکیلا چھوڑ آئے تھے نیز نانی اماں نے بیان کیا کہ جس وقت میں گھر میں آئی تھی۔ میں نے حضرت صاحب کو پیٹھ کیطرف سے دیکھا تھا۔ کہ ایک کمرہ میں الگ بیٹھے ہوئے رحل پر قرآن شریف رکھ کر پڑھ رہے تھے۔ میں نے گھر والیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ مرزا صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے۔ اور بالکل ولی آدمی ہے قرآن ہی پڑھتا رہتا ہے نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ مجھے اپنی اماں اور ابا کا مجھے اکیلے چھوڑ کر قادیان آنے کے متعلق صرف اتنا یاد ہے۔ کہ میں شام کے قریب بہت روئی چلائی تھی۔ کہ اتنے میں ابا گھوڑا بھگاتے ہوئے گھر میں پہنچ گئے۔ مجھے کہا کہ ہم آگئے ہیں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یوں تو حضرت مسیح موعودؑ کی ساری عمر ہی صنفِ اول میں ہی گذری ہے۔ لیکن باقاعدہ مناظرے آپ نے صرف پانچ کیے ہیں۔

اوّل۔ ماسٹر مُرلی دھر آریہ کے ساتھ بمقام ہوشیار پور ماہ مارچ ۱۸۸۶ء میں۔ اس کا ذکر

آپ نے سرمہ چشم آریہ میں کیا ہے۔

دوسرے مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ بمقام لدھیانہ۔ جولائی ۱۸۹۱ء میں اسکی کیفیت رسالہ الحق لدھیانہ میں چھپ چکی ہے۔

تیسرے۔ مولوی محمد بشیر بھوپالوی کیساتھ بمقام دہلی اکتوبر ۱۸۹۱ء میں۔ اسکی کیفیت رسالہ الحق دہلی میں چھپ چکی ہے۔

چوتھے مولوی عبدالحکیم کلانوری کے ساتھ بمقام لاہور جنوری و فروری ۱۸۹۲ء میں اسکی روئداد شایع نہیں ہوئی صرف حضرت صاحب کے اشتہار مورخہ ۴ فروری ۱۸۹۲ء میں اس کا مختصر ذکر پایا جاتا ہے۔

پانچویں ڈپٹی عبداللہ آتھم مسیحی کے ساتھ بمقام امرتسر مئی و جون ۱۸۹۳ء میں اسکی کیفیت جنگ مقدس میں شایع ہو چکی ہے۔

ان کے علاوہ دو اور جگہ مباحثہ کی صورت پیدا ہو کر رہ گئی۔ اوّل مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ بمقام بٹالہ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں۔ اس کا ذکر حضرت صاحب نے براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۲۰ پر کیا ہے۔ **دوسرے** مولوی سید نذیر حسین صاحب شیخ الکل دہلوی کے ساتھ بمقام جامع مسجد دہلی بتاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء اس کا ذکر حضرت صاحب کے اشتہارات میں ہے۔

(۲۴۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے منشی عطا محمد صاحب پٹواری نے کہ جب میں میر احمدی تھا۔ اور دنجواں ضلع گورداسپور میں پٹواری ہوتا تھا تو قاضی نعمت اللہ صاحب خطیب بٹالوی جن کے ساتھ میرا ملنا جلنا تھا مجھے حضرت صاحب کے متعلق بہت تبلیغ کیا کرتے تھے۔ مگر میں پروا نہیں کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے مجھے بہت تنگ کیا میں نے کہا۔ اچھا میں تمہارے مرزا کو خط لکھ کر ایک بات کے متعلق دعا کراتا ہوں۔ اگر وہ کام ہو گیا۔ تو میں سمجھ لونگا۔ کہ وہ سچے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت صاحب کو خط لکھا کہ آپ مسیح موعود اور ولی اللہ ہونے کا دعوے رکھتے ہیں اور ولیوں کی دعائیں سنی جاتی ہیں۔ آپ میرے لیئے دعا کریں کہ خدا مجھے خوبصورت صاحب اقبال لڑکا جس بیوی سے میں چاہوں عطا کرے اور نیچے میں نے لکھدیا کہ میری تین بیویاں ہیں۔ مگر کئی سال ہو گئے آجتک کسی کے

اولاد نہیں ہوئی۔ میں چاہتا ہوں کہ بڑی بیوی کے بطن سے لڑکا ہو۔ حضرت صاحب کی طرف سے مجھے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط گیا۔ کہ مولا کے حضور دعا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فرزند ارجمند صاحبِ اقبال خوبصورت لڑکا جس بیوی سے آپ چاہتے ہیں۔ عطا کریگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ زکریا والی توبہ کریں منشی عطا محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ان دنوں سخت بیدین اور شرابی کبابی راشی مرتشی ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے جب مسجد میں جاکر مُلاں سے پُوچھا کہ زکریا والی توبہ کیسی تھی؟ تو لوگوں نے تعجب کیا۔ کہ یہ شیطان مسجد میں کس طرح آگیا ہے۔ مگر وہ مُلاں مجھے جواب نہ دیسکا۔ پھر میں نے دھرم کوٹ کے مولوی فتحدین صاحب مرحوم احمدی سے پُوچھا انہوں نے کہا۔ کہ زکریا والی توبہ بس یہی ہے۔ کہ بیدینی چھوڑ دو۔ حلال کھاؤ نماز روزہ کے پابند ہو جاؤ اور مسجد میں زیادہ آیا جایا کرو۔ یہ سُنکر میں نے ایسا کرنا شروع کر دیا۔ شراب وغیرہ چھوڑ دی۔ اور رشوت بھی بالکل ترک کر دی اور صلوٰۃ وصوم کا پابند ہو گیا۔ چار پانچ ماہ کا عرصہ گذرا ہوگا۔ کہ میں ایک دن گھر گیا۔ تو اپنی بڑی بیوی کو روتے ہوئے پایا۔ سبب پُوچھا تو اُسنے کہا کہ پہلے مجھ پر یہ مصیبت تھی۔ کہ میرے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے میرے اوپر دو بیویاں کیں اب یہ مصیبت آئی ہے۔ کہ میرے حیض آنا بند ہو گیا ہے (گویا اولاد کی کوئی امید ہی نہیں رہی) ان دنوں میں اس کا بھائی امرتسر میں تھانہ دار تھا۔ چنانچہ اسنے مجھے کہا کہ مجھے میرے بھائی کے پاس بھیجدو کہ میں کچھ علاج کرواؤں میں نے کہا وہاں کیا جاؤ گی یہیں دائی کو بُلوا کر دکھلاؤ اور اس کا علاج کرواؤ۔ چنانچہ اُسنے دائی کو بلوایا اور کہا کہ مجھے کچھ دوا وغیرہ دو۔ دائی نے سرسری دیکھ کر کہا میں تو دوا نہیں دیتی نہ ہاتھ لگاتی ہوں۔ کیونکہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تیرے اندر بھول گیا ہے (یعنی تُو تو بانجھ تھی۔ مگر اب تیرے پیٹ میں بچہ معلوم ہوتا ہے پس خدا نے تجھے (نعوذ باللہ) بھُول کر حمل کروایا ہے۔ مؤلف) اور اسنے گھر سے باہر آکر بھی یہی کہنا شروع کیا۔ کہ خدا بھُول گیا ہے۔ مگر میں نے اسی کہا۔ کہ ایسا نہ کہو بلکہ میں نے مرزا صاحب سے دُعا کروائی تھی۔ پھر منشی صاحب بیان کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ میں حمل کے پُورے آثار ظاہر ہو گئے اور میں نے ارد گرد سب کو کہنا شروع کیا کہ اب دیکھ

لینا کہ میرے لڑکا پیدا ہوگا۔ اور ہوگا بھی خوبصورت۔ مگر لوگ بڑا تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ اگر ایسا ہوگیا۔ تو واقعی بڑی کرامت ہے آخر ایک دن رات کے وقت لڑکا پیدا ہوا اور خوبصورت ہوا۔ میں اسی وقت دھرم کوٹ بھاگا گیا جہاں میرے کئی رشتہ دار تھے اور لوگوں کو اس کی پیدائش سے اطلاع دی۔ چنانچہ کئی لوگ اسی وقت بیعت کے لیئے قادیان روانہ ہوگئے۔ مگر بعض نہیں گئے اور پھر اس واقعہ پر دنجواں کے بھی بہت سے لوگوں نے بیعت کی اور میں نے بھی بیعت کر لی۔ اور لڑکے کا نام عبدالحق رکھا۔ منشی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میری شادی کو بارہ سال سے زائد ہوگئے تھے اور کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ نیز منشی صاحب نے بیان کیا کہ میں پھر جب قادیان آیا۔ تو ان دنوں میں مسجد کا رستہ دیوار کھینچنے سے بند ہوا تھا۔ میں نے باغ میں حضرت صاحب کو اپنی ایک خواب سنائی کہ میں نے دیکھا ہے۔ کہ میرے ہاتھ میں ایک خربوزہ ہے۔ جسے میں نے کاٹ کر کھایا ہے اور وہ بڑا شیریں ہے۔ لیکن جب میں نے اسکی ایک پھاڑی عبدالحق کو دی۔ تو وہ خشک ہوگئی۔ حضرت صاحب نے تعبیر بیان فرمائی کہ عبدالحق کی ماں سے آپ کے ہاں ایک اور لڑکا ہوگا۔ مگر وہ فوت ہو جائیگا چنانچہ منشی صاحب کہتے ہیں۔ کہ ایک اور لڑکا ہوا مگر وہ فوت ہوگیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے عبدالحق کو دیکھا ہے۔ خوش شکل اور شریف مزاج لڑکا ہے اسوقت ۱۹۲۲ء میں اسکی عمر کوئی بائیس سال کی ہوگی

(۲۴۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دشمنوں کی طرف سے چھ مقدمات پیش آئے ہیں۔ چار فوجداری ایک دیوانی اور ایک مالی اور ان سب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بشارتوں کے مطابق حضرت مسیح موعود کو دشمنوں پر فتح دی ہے اور یہ مقدمات اُن مقدمات کے علاوہ ہیں جو جائداد وغیرہ کے متعلق دادا صاحب کی زندگی میں اور اُن کے بعد پیش آتے رہے۔

اوّل سب سے پہلا وہ مقدمہ ہے جو بابو لیارام مسیحی وکیل امرتسر کی مخبری پر محکمۂ ڈاک کیطرف سے آپ پر دائر کیا گیا تھا۔ یہ مقدمہ بہت پرانا ہے یعنی براہین احمدیہ کی اشاعت سے بھی قبل کا ہے۔ (غالباً ۱۸۷۷ء کا) حضرت مسیح موعود نے اس کا کئی جگہ ذکر کیا ہے مگر سب سے مفصل ذکر اس کا اُس خط میں ہے جو حضرت صاحب نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو اسکے

فتویٰ تکفیر کے بعد لکھا تھا۔ اور جو آئینہ کمالاتِ اسلام میں شایع ہو چکا ہے۔

دوسرے وہ خطرناک فوجداری مقدمہ جو مارٹن کلارک مسیحی پادری نے اقدام قتل کے الزام کے ماتحت حضرت کے خلاف دائر کیا تھا۔ اسکی ابتدائی کارروائی یکم اگست ۱۸۹۷ء کو امرت سر میں بعدالت ای مارٹینو ڈپٹی کمشنر امرتسر شروع ہوئی اور بالآخر ۲۲۔ اگست ۱۸۹۷ء کو آپ ایم ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت سے بری کئے گئے۔ اس مقدمہ کی مفصل کیفیت کتاب البریہ میں چھپ چکی ہے۔

تیسرے۔ مقدمہ حفظ امن زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری جو بعدالت جے۔ ایم ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء کو فیصل ہوا اور حضرت صاحب ضمانت کی ضرورت سے بری قرار دیئے گئے۔ یہ مقدمہ محمد بخش تھانہ دار بٹالہ کی رپورٹ مورخہ یکم دسمبر ۱۸۹۸ء و درخواست مولوی محمد حسین بٹالوی برائے اسلحہ خود حفاظتی مورخہ ۵ دسمبر ۱۸۹۸ء پر مبنی تھا اسکے متعلق حضرت صاحب نے اپنے اشتہار مورخہ ۲۶۔ فروری ۱۸۹۹ء میں ذکر کیا ہے۔ اور الحکم کے نمبرات ماہ مارچ ۱۸۹۹ء میں اسکی مفصل کیفیت درج ہے۔

چوتھے وہ لمبا اور تکلیف دہ فوجداری مقدمہ جو کرم دین ساکن بھیں ضلع جہلم کیطرف سے اول تول جہلم میں اور پھر اسکے بعد گورداسپور میں چلایا گیا تھا اور بالآخر بعدالت اے۔ ای ہری سشن جج امرت سر ۷ جنوری ۱۹۰۵ء کو فیصل ہوا۔ اور آپ بری کئے گئے۔ ماتحت عدالت کا فیصلہ بعدالت آتمارام مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور ۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو ہوا تھا۔ اس مقدمہ کی کیفیت اخبار الحکم میں چھپتی رہی ہے یہ مقدمہ دراصل دو حصوں پر مشتمل تھا۔

پانچویں۔ وہ دیوانی مقدمہ جو حضرت صاحب کی طرف سے مرزا امام الدین ساکن قادیان کے خلاف دائر کیا گیا تھا اسکی بنا یہ تھی۔ کہ مرزا امام الدین نے مسجد مبارک کے آگے کو ایک دیوار کھینچکر ۷۔ جنوری ۱۹۰۰ء کو بند کر دیا تھا۔ یہ مقدمہ ۱۲۔ اگست ۱۹۰۱ء کو بعدالت شیخ خدا بخش صاحب ڈسٹرکٹ جج گورداسپور حضرت صاحب کے حق میں فیصل ہوا۔ اور ۲۰ اگست ۱۹۰۱ء کو دیوار گرائی گئی۔ اسکی کیفیت اخبار الحکم اور کچھ حقیقۃ الوحی میں شایع ہو چکی ہے۔

چھٹے مقدمہ انکم ٹیکس جو ۱۷ دسمبر ۱۸۹۷ء کو بعدالت بی۔ ڈکسن ڈپٹی کمشنر ضلع

گورداسپور فیصل ہوا اور حضرت صاحب پر انکم ٹیکس لگانے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اس کی کیفیت ضرورت امام میں شایع ہو چکی ہے۔

(۲۴۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ مبارکہ (خاکسار کی ہمشیرہ) کا چلہ نہانے کے دو تین دن بعد میں اُوپر کے مکان میں چارپائی پر بیٹھی تھی۔ اور تم میرے پاس کھڑے تھے اور پھجو (گھر کی ایک عورت کا نام ہے) بھی پاس تھی کہ تم نے نیچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "اماں اوپائی" میں نہ سمجھی تم نے دو تین دفعہ دُہرایا اور نیچے کی طرف اشارہ کیا جس پر پھجو نے نیچے دیکھا تو ڈیوڑھی کے دروازے میں ایک سپاہی کھڑا تھا پھجو نے اسے ڈانٹا کہ یہ زنانہ مکان ہے تو کیوں دروازے میں آگیا ہے۔ اتنے میں مسجد کیطرف کا دروازہ بڑے زور سے کھٹکا۔ پتہ لگا کہ اس طرف سے بھی ایک سپاہی آیا ہے۔ حضرت صاحب اندر دالان میں بیٹھے ہوئے کچھ کام کر رہے تھے۔ میں نے محمود (حضرت خلیفۃ المسیح ثانی) کو ان کی طرف بھیجا۔ کہ سپاہی آئے ہیں اور بلاتے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہو کہ میں آتا ہوں۔ پھر آپ نے بڑے اطمینان سے اپنا بستہ بند کیا اور اٹھکر مسجد کیطرف گئے۔ وہاں مسجد میں انگریز کپتان پولیس کھڑا تھا اور اسکے ساتھ دوسرے پولیس کے آدمی تھے۔ کپتان نے حضرت صاحب سے کہا۔ کہ مجھے حکم ملا ہے۔ کہ میں لیکھرام کے قتل کیمتعلق آپکے گھر کی تلاشی لوں۔ حضرت صاحب نے کہا آیئے اور کپتان کو معہ دوسرے آدمیوں کے جن میں بعض دشمن بھی تھے۔ مکان کے اندر لے گئے اور تلاشی شروع ہوگئی۔ پولیس نے مکان کا چاروں طرف سے محاصرہ کیا ہوا تھا ہم عورتیں اور بچے ایک طرف ہو گئے۔ سب کمروں کی باری باری تلاشی ہوئی۔ اور حضرت صاحب کے کاغذات وغیرہ دیکھے گئے۔ تلاش کرتے کرتے ایک خط نکلا۔ جس میں کسی احمدی نے لیکھرام کے قتل پر حضرت صاحب کو مبارکباد لکھی تھی۔ دشمنوں نے اسے جھٹ کپتان کے سامنے پیش کیا کہ دیکھیے اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ حضرت صاحب نے کہا کہ ایسے خطوں کا تو میرے پاس ایک تھیلا رکھا ہے اور پھر بہت سے خط کپتان کے سامنے رکھدیئے۔ کپتان نے کہا نہیں کچھ نہیں۔ والدہ صاحبہ کہتی ہیں۔ کہ جب کپتان نیچے سرد خانے میں جانے لگا۔ تو چونکہ اس کا دروازہ چھوٹا تھا اور کپتان لمبے قد کا آدمی تھا۔ اس زور کے ساتھ دروازے کی چوکھٹ سے اس کا سر ٹکرایا کہ بیچارہ سر

پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ حضرت صاحب نے اس سے اظہار ہمدردی کیا اور پوچھا کہ گرم دودھ یا اور کوئی چیز منگوائیں؟ اُسنے کہا نہیں کوئی بات نہیں۔ مگر بچارے کو چوٹ سخت آئی تھی۔ والدہ صاحبہ کہتی ہیں کہ حضرت صاحب اسے خود ایک کمرے سے دوسرے کیطرف لیجاتے تھے اور ایک ایک چیز دکھاتے تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب نے اس خانہ تلاشی کا ذکر اپنے اشتہار مورخہ ۱۱ اپریل ۱۸۹۷ء میں کیا ہے۔ جہاں لکھا ہے۔ کہ خانہ تلاشی ۸ اپریل ۱۸۹۷ء کو ہوئی تھی اور نیز یہ کہ مہمان خانہ مطبع وغیرہ کی بھی تلاشی ہوئی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ لیکھرام ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو قتل ہوا تھا۔ اور اسکے قتل پر آریوں کیطرف سے ملک میں ایک طوفانِ عظیم برپا ہوگیا تھا۔ سنا گیا ہے۔ کہ کئی جگہ مسلمان بچے دشمنوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے اور حضرت صاحب کے قتل کے لیئے بھی بہت سازشیں ہوئیں۔ اور یہ خانہ تلاشی بھی غالباً آریوں ہی کی تحریک پر ہوئی تھی۔

(۲۴۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب سناتے تھے کہ جب میں بچہ ہوتا تھا۔ تو ایک دفعہ بعض بچوں نے مجھے کہا کہ جاؤ گھر سے میٹھا لاؤ۔ میں گھر میں آیا اور بغیر کسی سے پوچھنے کے ایک برتن میں سے سفید بورا اپنی جیبوں میں بھر کر باہر لے گیا۔ اور راستہ میں ایک مٹھی بھر کر منہ میں ڈال لی۔ بس پھر کیا تھا۔ میرا دم رُک گیا اور بڑی تکلیف ہوئی۔ کیونکہ معلوم ہوا کہ جسے میں نے سفید بورا سمجھ کر جیبوں میں بھرا تھا وہ بورا نہ تھا بلکہ پسا ہوا نمک تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مجھے یاد آیا کہ ایک دفعہ گھر میں میٹھی روٹیاں پکیں۔ کیونکہ حضرت صاحب کو میٹھی روٹی پسند تھی۔ جب حضرت صاحب کھانے لگے تو آپ نے اس کا ذائقہ بدلا ہوا پایا۔ مگر آپ نے اس کا خیال نہ کیا کچھ اور کھانے پر حضرت صاحب نے کڑواہٹ محسوس کی۔ اور والدہ صاحبہ سے پوچھا۔ کہ یہ کیا بات ہے کہ روٹی کڑوی معلوم ہوتی ہے؟ والدہ صاحبہ نے پکانیوالی سے پوچھا اُسنے کہا میں تو میٹھا ڈالا تھا۔ والدہ صاحبہ نے پوچھا کہ کہاں سے لیکر ڈالا تھا؟ وہ برتن لاؤ۔ وہ عورت ایک ٹین کا ڈبہ اُٹھا لائی دیکھا تو معلوم ہوا کہ کونین کا ڈبہ تھا۔ اور اس عورت نے جہالت سے بجائے میٹھے کے روٹیوں میں کونین ڈالدی

تھی اُسدن گھر میں یہ بھی ایک لطیفہ ہو گیا ۔

(۲۴۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ بعض بوڑھی عورتوں نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ بچپن میں حضرت صاحب نے اپنی والدہ سے روٹی کیساتھ کچھ کھانے کو مانگا انہوں نے کوئی چیز شاید گڑ بتایا کہ یہ لے لو۔ حضرت نے کہا نہیں یہ میں نہیں لیتا۔ انہوں نے کوئی اور چیز بتائی۔ حضرت صاحب نے اُسپر بھی وہی جواب دیا وہ اسوقت کسی بات پر چڑی ہوئی بیٹھی تھیں سختی سے کہنے لگیں۔ کہ جاؤ پھر رکھ کر روٹی کھا لو۔ حضرت صاحب روٹی پر رکھ ڈالکر بیٹھ گئے اور گھر میں ایک لطیفہ ہو گیا۔ یہ حضرت صاحب کا بالکل بچپن کا واقعہ ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ والدہ صاحب نے یہ واقعہ سُنا کر کہا کہ جسوقت اُس عورت نے مجھے یہ بات سُنائی تھی۔ اسوقت حضرت صاحب بھی پاس تھے۔ مگر آپ خاموش رہے ۔

(۲۴۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی ذوالفقار علیخان صاحب نے کہ جن دنوں میں گورداسپور میں کرم دین کا مقدمہ تھا ایک دن حضرت صاحب کچہری کی طرف تشریف لے جانے لگے اور حسب معمول پہلے دُعا کے لیئے اُس کمرہ میں گئے جو اس غرض کے لیے پہلے مخصوص کر لیا تھا۔ میں اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ باہر انتظار میں کھڑے تھے اور مولوی صاحب کے ہاتھ میں اُسوقت حضرت صاحب کی چھڑی تھی۔ حضرت صاحب دُعا کر کے باہر نکلے تو مولوی صاحب نے آپ کو چھڑی دی حضرت صاحب نے چھڑی ہاتھ میں لے کر اُسے دیکھا اور فرمایا۔ یہ کس کی چھڑی ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضور ہی کی ہے جو حضور اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا۔ میں تو سمجھا تھا کہ یہ میری نہیں ہے خان صاحب کہتے ہیں۔ کہ وہ چھڑی مُدت سے آپکے ہاتھ میں رہتی تھی۔ مگر محویت کا یہ عالم تھا۔ کہ کبھی اُسکی شکل کو غور سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ کہ پہچان سکیں۔ خان صاحب کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک دفعہ میں قادیان آیا۔ اسوقت حضرت صاحب مسجد کی سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر کسی افغان کو رخصت کر رہے تھے اور میں دیکھتا تھا کہ آپ اُس وقت خوش نہ تھے۔ کیونکہ وہ شخص افغانستان میں جا کر تبلیغ کرنے سے ڈرتا تھا۔ خیر میں جا کر حضور سے ملا۔ اور

حضور نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور پھر گھر تشریف لے گئے۔ میں اپنے کمرے میں آکر بہت رویا کہ معلوم نہیں حضرت صاحب نے مجھ میں کیا دیکھا ہے کہ معمول کے خلاف بشاشت کے ساتھ نہیں ملے۔ پھر میں نماز کے وقت مسجد میں گیا۔ تو کسی نے حضرت صاحب سے عرض کی کہ ذوالفقار علی خان آیا ہے۔ حضرت صاحب نے شوق سے پوچھا کہ تحصیلدار صاحب کب آئے ہیں؟ میں جھٹ حضور کے سامنے آگیا۔ اور عرض کیا کہ میں تو حضور سے سیڑھیوں پر ملا تھا جب حضور اُن افغان صاحب کو رخصت فرما رہے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا اچھا میں نے خیال نہیں کیا۔ اور پھر حسب معمول بڑی خوشی اور بشاشت کے ساتھ مجھ سے کلام فرمایا خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت صاحب کو مہمانوں کے آنے پر بڑی خوشی ہوتی تھی۔ اور رخصت کے وقت دل کو صدمہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت خلیفہ ثانی کی آمین پر بعض مہمان قادیان آئے۔ تو اسپر آپنے آمین میں فرمایا ؎

احباب سارے آئے تو نے یہ دن دکھائے — تیری کرم نے پیارے یہ مہرباں بلائے
یہ دن چڑھا مبارک مقصود جسمیں پائے — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
مہماں جو کر کے اُلفت آئے بصد محبت — دل کو ہوئی ہے فرحت اور جاں کو میری راحت
پر دل کو پہنچی غم جب یاد آئی وقت رخصت — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
دنیا بھی اک سرا ہے بچھڑیگا جو ملا ہے — گر سو برس رہا ہے آخر کو پھر جدا ہے

شکوہ کی کچھ نہیں جا یہ گھر ہی بے بقا ہے
یہ روز کر مبارک سبحان من ترانی

(۲۴۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود جب کسی سے ملتے تھے تو مسکراتے ہوئے ملتے تھے اور ساتھ ہی ملنے والے کی ساری کلفتیں دور ہو جاتی تھیں ہر احمدی یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ آپکی مجلس میں جا کر دل کے سارے غم دھل جاتے ہیں۔ بس آپ کے مسکراتے ہوئے چہرے پر نظر پڑی اور سارے جسم میں مسرت کی ایک لہر جاری ہو گئی آپکی عادت تھی کہ چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی بات بھی توجہ سے سنتے تھے۔ اور بڑی محبت سے جواب دیتے تھے۔ ہر آدمی اپنی جگہ سمجھتا تھا۔ کہ حضرت صاحب کو بس مجھی سے زیادہ محبت

ہے بعض وقت آدابِ مجلسِ رسول سے ناواقف عامی لوگ دیر دیر تک اپنے لاتعلق قصے سناتے رہتے تھے۔ اور حضرت صاحب خاموشی کیساتھ بیٹھے سنتے رہتے اور کبھی کسی سے یہ نہ کہتے کہ اب بس کرو۔ نمازوں کے بعد یا بعض اوقات دوسرے موقعوں پر بھی حضور مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور ارد گرد مشتاقین گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور پھر مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہتی تھیں اور گویا تعلیم و تربیت کا سبق جاری ہو جاتا تھا۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ محسوس کرتے تھے۔ کہ علم و معرفت کا چشمہ پھوٹ رہا ہے۔ جس سے ہر شخص اپنے مقدور کے موافق اپنا برتن بھر لیتا تھا۔ مجلس میں کوئی خاص ضابطہ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ جہاں کہیں کسی کو جگہ ملتی تھی۔ بیٹھ جاتا تھا اور پھر کسی کو کوئی سوال پوچھنا ہوا تو اُسنے پوچھ لیا۔ اور حضرت صاحب نے جواب میں کوئی تقریر فرما دی یا کسی مخالف کا ذکر ہو گیا۔ تو اُس پر گفتگو ہو گئی یا حضرت نے اپنا کوئی نیا الہام سنایا۔ تو اُسکے متعلق کچھ فرما دیا۔ یا کسی فرد یا جماعت کی تکالیف کا ذکر ہوا تو اُسی پر کلام کا سلسلہ شروع ہو گیا غرض آپکی مجلس میں ہر قسم کی گفتگو ہو جاتی تھی۔ اور ہر آدمی جو بولنا چاہتا تھا۔ بول لیتا تھا جب حضرت گفتگو فرماتے تھے۔ تو سب حاضرین ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ آپ کی عادت تھی۔ کہ خواہ کوئی پبلک تقریر ہو یا مجلسی گفتگو ہو۔ ابتداء میں دھیمی آواز سے بولنا شروع کرتے تھے۔ اور پھر آہستہ آہستہ آواز بلند ہوتی جاتی تھی۔ حتّٰی کہ دُور سے دُور بیٹھا ہوا شخص بھی بخوبی سُن سکتا تھا۔ اور آپکی آواز میں ایک خاص قسم کا سوز ہوتا تھا۔

(۲۴۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ماٹن کلارک کے مقدمہ میں ایک شخص مولوی فضل الدین لاہوری حضور کی طرف سے وکیل تھا۔ یہ شخص غیر احمدی تھا۔ اور شاید اب تک زندہ ہے اور غیر احمدی ہے۔ جب مولوی محمد حسین بٹالوی حضرت صاحب کے خلاف شہادت میں پیش ہوا۔ تو مولوی فضل الدین نے حضرت صاحب سے پوچھا۔ کہ اگر اجازت ہو تو میں مولوی محمد حسین صاحب کے حسب و نسب کے متعلق کوئی سوال کروں۔ حضرت صاحب نے سختی سے منع فرما دیا کہ میں اسکی ہرگز اجازت نہیں دیتا اور فرمایا لا یحب اللہ الجھر بالسوء مولوی شیر علی صاحب نے بیان کیا۔ کہ یہ واقعہ

خود مولوی فضل دین نے باہر آکر ہم سے بیان کیا تھا۔ اور اُس پر اس بات کا بڑا اثر ہوا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا تھا کہ مرزا صاحب نہایت عجیب اخلاق کے آدمی ہیں۔ ایک پرلے درجہ کا دشمن ہے اور وہ اقدامِ قتل کے مقدمہ میں آپکے خلاف شہادت میں پیش ہوتا ہے اور میں اُس کا حسب و نسب پُوچھ کر اُسکی حیثیت کو چھوٹا کر کے اسکی شہادت کو کمزور کرنا چاہتا ہوں اور اس سوال کی ذمہ داری بھی مرزا صاحب پر نہیں تھی۔ بلکہ مجھ پر تھی مگر مینے جب پُوچھا۔ تو آپ نے بڑی سختی سے روک دیا۔ کہ ایسے سوال کی میں ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ خدا ایسے طریق کو ناپسند کرتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے مذہب میں بعض معیوب باتیں سمجھی جاتی تھیں۔ واللہ اعلم۔ جن کو وکیل اپنے سوال سے ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ مگر حضرت صاحب نے روک دیا۔ دراصل حضرت صاحب اپنے ہاتھ سے کسی دشمن کی بھی ذلت نہیں چاہتے تھے۔ ہاں جب خدا کی طرف سے کسی کی ذلت کا سامان پیدا ہوتا تھا تو وہ ایک نشان الٰہی ہوتا تھا جسے آپ ظاہر فرماتے تھے۔

(۲۴۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب مولوی محمد حسین بٹالوی قتل کے مقدمہ میں حضرت صاحب کے خلاف پیش ہوا تو اُسنے کمرے میں آکر دیکھا کہ حضرت صاحب ڈگلس کے پاس عزت کیساتھ کرسی پر تشریف رکھتے ہیں اسپر حسد نے اُسے بیقرار کر دیا۔ چنانچہ اُسنے بھی حاکم سے کرسی مانگی اور چونکہ وہ کھڑا تھا اور اُسکے اور حاکم کے درمیان پنکھا تھا جسکی وجہ سے وہ حاکم کے چہرہ کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ اسلیئے اُسنے پنکھے کے نیچے سے جھک کر حاکم کو خطاب کیا۔ مگر ڈگلس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی ایسی فہرست نہیں ہے۔ جس میں تمہارا نام کرسی نشینوں میں درج ہو اسپر اُسنے پھر اصرار کیساتھ کہا۔ تو حاکم نے ناراض ہو کر کہا کہ بک بک مت کر پیچھے ہٹ اور سیدھا کھڑا ہو جا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت صاحب کی بعض تحریروں میں 'سیدھا کھڑا ہو جا' کے الفاظ آتے تھے اور ہم نہ سمجھتے تھے۔ کہ اس سے کیا مراد ہے مگر اب پتہ لگا کہ مولوی محمد حسین چونکہ جھک کر پنکھے کے نیچے سے کلام کر رہا تھا۔ اسلیئے اُسے سیدھا ہونے کے لیئے کہا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اسوقت مولوی محمد حسین کے دل و سینہ میں کیا کیا نہ چھریاں چل گئی ہونگی۔ ایک طرف

اُسے اپنا یہ قول یاد آتا ہوگا کہ مَیں نے ہی اُسے (یعنی حضرت صاحب کو) اُٹھایا ہی اور اب مَیں ہی اسے گراؤنگا۔ اور دُوسری طرف حضرت صاحب کا وُہ الہام اسکی آنکھوں کے سامنے ہوگا کہ انّی مھین من اراد اھانتک یعنی جو تیری ذلت چاہتا ہو مَیں خود اسے ذلیل کرونگا۔ اللہ اکبر۔

(۲۵۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب قتل کے مقدمہ میں حضرت صاحب نے ایک موقعہ پر کپتان ڈگلس کے سامنے فرمایا کہ مجھ پر قتل کا الزام لگایا گیا ہے اور آگے بات کرنے لگے۔ تو اسپر ڈگلس فوراً بولا کہ مَیں تو آپ پر کوئی الزام نہیں لگاتا۔ اور جب اُسنے فیصلہ سنایا تو اُسوقت بھی اُسنے یہ الفاظ کہے۔ کہ مرزا صاحب مَیں آپکو مبارک دیتا ہُوں کہ آپ بَری ہیں خاکسار عرض کرتا ہے کہ ڈگلس اُن دِنوں میں ضلع کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ اور فوجی عہدہ کے لحاظ سے کپتان تھا اسکے بعد وہ ترقی کرتے کرتے جزائر انڈیمان کا چیف کمشنر ہوگیا۔ اور اب پنشن لے کر ولایت واپس جاچکا ہے اس وقت اُس کا فوجی عہدہ کرنیل کا ہے۔ آدمی غیر متعصب اور سمجھدار اور شریف ہے ولایت میں ہمارے مبلغ مولوی مبارک علی صاحب بنگالی نے ۲۸ جولائی ۱۹۲۲ء کو اُس سے ملاقات کی تو اُسنے خود بخود انکے ساتھ اس مقدمہ کا ذکر شروع کر دیا۔ اور کہنے لگا "میں غلام احمد (مسیح موعود) کو جانتا تھا اور میرا یقین تھا کہ وہ نیک بخت اور دیانتدار آدمی ہیں۔ اور یہ کہ وہ اُسی بات کی تعلیم دیتے ہیں۔ جس کا اُنہیں خود یقین ہے۔ لیکن مجھے ان کی موت کی پیشگوئیاں پسند نہ تھیں۔ کیونکہ وُہ بڑی مشکلات پیدا کرتی تھیں"۔ پھر اُسنے مقدمہ کے حالات سنائے۔ اور کہا کہ "وہ لڑکا نظام الدین (خاکسار عرض کرتا ہے کہ ڈگلس صاحب بھول گئے ہیں اُس لڑکے کا نام عبدالحمید تھا) ہر روز کوئی نئی بات بیان کرتا تھا اور اسکی کہانی ہر دفعہ زیادہ مکمل و مبسوط ہوتی جاتی تھی۔ اسلیئے مجھے اسکے متعلق شبہ پیدا ہُوا اور مَیں نے دریافت کیا کہ وہ کہاں رہتا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ وُہ مشنریوں کے پاس ٹھیرا ہُوا ہے جو اُسے سکھاتے رہتے ہیں چنانچہ مَیں نے حکم دیا کہ وہ مشنریوں کی نگرانی سے الگ کر کے پولیس کی نگرانی میں رکھا جاوے۔ اس سے میرا مطلب حل ہوگیا یعنی نظام دین آخر قابو ہو کر میرے قدموں پر گر گیا اور اُس نے

اقرار کیا کہ یہ ساری بات محض افترا ہے۔" ڈگلس نے سلسلہ کی اس حیرت انگیز ترقی پر بڑا تعجب ظاہر کیا اور کہا۔ کہ مجھے گمان نہ تھا۔ کہ مرزا غلام احمد کا قائم کیا ہوا سلسلہ اتنی ترقی کر جائیگا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ابھی تو ؎

ابتدائے عشق ہی روتا ہے کیا　　آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا

نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ ڈگلس کے ساتھ اپنی اس ملاقات کا حال مولوی مبارک علی صاحب نے لنڈن سے لکھ کر بھیجا ہے اور بوقت ملاقات گفتگو انگریزی زبان میں ہوئی تھی جسے یہاں ترجمہ کر کے اردو میں لکھا گیا ہے۔

(۲۵۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں بچپن میں گاؤں سے باہر ایک کنوئیں پر بیٹھا ہوا لاسا بنا رہا تھا کہ اسوقت مجھے کسی چیز کی ضرورت ہوئی۔ جو گھر سے لانی تھی میرے پاس ایک شخص بکریاں چرا رہا تھا میں نے اسے کہا کہ مجھے یہ چیز لا دو۔ اسنے کہا۔ میاں میری بکریاں کون دیکھیگا۔ میں نے کہا تم جاؤ۔ میں انکی حفاظت کرونگا اور چراؤنگا۔ چنانچہ اسکے بعد میں نے اسکی بکریوں کی نگرانی کی اور اسطرح خدا نے نبیوں کی سنت ہم سے پوری کرادی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ لاسا ایک لیسدار چیز ہوتی ہے۔ جو بعض درختوں کے دودھ وغیرہ سے تیار کرتے ہیں اور جانور وغیرہ پکڑنے کے کام آتا ہے۔ نیز والدہ صاحبہ فرماتی تھیں۔ کہ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ ہم بچپن میں چڑیاں پکڑا کرتے تھے۔ اور چاقو نہ ہوتا تھا۔ تو تیز سرکنڈے سے ہی حلال کر لیتے تھے ۔

(۲۵۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہم بچپن میں والدہ کے ساتھ ہوشیار پور جاتے تھے۔ تو ہوشیار پور کے چوہوں میں پھرا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ضلع ہوشیار پور میں کئی برساتی نالے ہیں جن میں بارش کے وقت پانی بہتا ہے اور ویسے وہ خشک رہتے ہیں۔ یہ نالے گہرے نہیں ہوتے۔ بلکہ قریباً ارد گرد کے کھیتوں کے ساتھ ہموار ہی ہوتے ہیں۔ ہوشیار پور کا سارا ضلع ان برساتی نالوں سے چھدا پڑا ہے۔ ان نالوں کو پنجابی میں چوہ کہتے ہیں ۔

(۲۵۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت صاحب

بیان فرماتے تھے۔ کہ جب ہم اُستاد سے پڑھا کرتے تھے تو ایک دفعہ ہمارے استاد نے بیان کیا کہ ایک شخص نے خواب دیکھا تھا۔ کہ ایک مکان ہے جو دھواں دار ہے۔ یعنی اُسکے اندر باہر سب دھواں ہو رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اندر آنحضرت صلعم ہیں اور چاروں طرف سے عیسائیوں نے اُس کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور ہمارے اُستاد نے بیان کیا کہ ہمیں کسی کو اسکی تعبیر نہیں آئی۔ مَیں نے کہا کہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص عیسائی ہو جائیگا۔ کیونکہ انبیاء کا وجود آئینہ کی طرح ہوتا ہے پس اسنے جو آپ کو دیکھا۔ تو گویا اپنی حالت کے عکس کو دیکھا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ میرا یہ جواب سُنکر میرے استاد بہت خوش ہوئے اور متعجب بھی اور کہنے لگے کہ وہ شخص واقعی بعد میں عیسائی ہو گیا تھا۔ اور کہنے لگے۔ کہ کاش ہم اسکی تعبیر جانتے اور اسے وقت پر سمجھاتے تو شاید وہ بچ جاتا خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوا کہ اُستاد سے کون استاد مراد ہیں۔ مولوی فضل الٰہی صاحب سے تعلیم پانیکے وقت آپکی عمر بہت چھوٹی تھی۔ اسلیئے اغلب ہے کہ مولوی فضل احمد صاحب اور مولوی گل علی شاہ صاحب میں سے کوئی صاحب ہونگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ یعقوب علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مولوی فضل الٰہی صاحب قادیان کے رہنے والے تھے اور مذہباً حنفی تھے۔ مولوی فضل احمد صاحب فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ کے باشندہ تھے اور مذہباً اہلحدیث تھے۔ یہ صاحب مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کے والد تھے۔ جنہوں نے (مولوی مبارک علی صاحب نے) حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی مگر جو بعد وفات حضرت خلیفہ اول فتنہ کی رو میں بہ گئے تیسرے استاد مولوی سید گل علی شاہ صاحب تھے جو بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ اور مذہباً شیعہ تھے +

(۲۵۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ میرا ایک کلاس فیلو تھا۔ جس کا نام محمد عظیم ہے اور جو پیر جماعت علی شاہ سیالکوٹی کا مرید ہے۔ وہ مجھ سے بیان کرتا تھا۔ کہ میرا بھائی کہا کرتا تھا کہ ایام جوانی میں جب مرزا صاحب کبھی کبھی امرتسر آتے تھے۔ تو مَیں ان کو دیکھتا تھا کہ وہ پادریوں کے خلاف بڑا جوش رکھتے تھے اس زمانہ میں عیسائی پادری بازاروں وغیرہ میں عیسائیت کا وعظ کیا کرتے تھے اور اسلام کے خلاف زہر

اُگلتے تھے۔ مرزا صاحب ان کو دیکھ کر جوش سے بھر جاتے تھے اور انکا مقابلہ کرتے تھے۔
مولوی صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ محمد عظیم اب بھی زندہ ہے اور غالباً وہ مولوی عبد القادر
صاحب احمدی مرحوم لدھیانوی کے تعلقداروں میں سے ہے۔

(۲۵۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جس رات امۃ النصیر
پیدا ہوئی ہے۔ حضرت صاحب خود مولوی محمد احسن صاحب کے کمرے کے دروازے پر آئے
اور دستک دی مولوی محمد احسن صاحب نے پوچھا کون ہے؟ حضرت صاحب نے فرمایا غلام احمد۔ مولوی
صاحب نے جھٹ اُٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت نے جواب دیا کہ میری ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور
اسکے متعلق مجھے الہام ہوا ہے کہ غاسق اللہ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ غاسق اللہ سے مراد یہ ہے کہ جلد
فوت ہو جانیوالا۔ چنانچہ وہ لڑکی جلد فوت ہو گئی۔

(۲۵۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض ہے کہ ایک شخص گوجرانوالہ کا باشندہ محمد بخش تھانہ
دار ہوتا تھا۔ جو سلسلہ کا پرلے درجہ کا معاند تھا اور ہر وقت عداوت پر کمربستہ رہتا تھا یہ شخص ۱۸۹۳ء
سے بٹالہ کے تھانہ میں متعین ہوا اور پھر کئی سال تک اسی جگہ رہا۔ چونکہ قادیان بٹالہ کے تھانہ
میں ہے اسلیئے اسے شرارت کا بہت اچھا موقعہ میسر آگیا چنانچہ اسنے اپنے زمانہ میں کوئی دقیقہ
ایذا رسانی اور مخالفت کا اُٹھا نہیں رکھا۔ حفظ امن کا مقدمہ جو ۱۸۹۹ء میں فیصلہ ہوا اسی کی
رپورٹ پر ہوا تھا۔ آخر یہ شخص طاعون سے ہلاک ہوا اور خدا کی قدرت ہے کہ اب اس کا لڑکا
بڑا مخلص احمدی ہے۔ ان کا نام میاں نیاز محمد صاحب ہے۔ جو علاقہ سندھ میں تھانہ دار ہیں۔
(خاکسار بوقت ایڈیشن ثانی کتاب ہذا عرض کرتا ہے کہ مجھ سے ڈاکٹر غلام احمد صاحب آئی
ایم ایس نے جو میاں نیاز محمد صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ بیان کیا ہے کہ ان کے دادا اصل
ابتداء میں ایسے مخالف نہ تھے۔ مگر بٹالہ کے بعض لوگوں کے بہکانے میں آکر زیادہ مخالف ہو گئے۔
لیکن پھر آخری بیماری میں اپنی مخالفت پر کچھ نادم نظر آتے تھے۔ نیز ڈاکٹر صاحب نے بتایا
کہ ان کے دادا کی وفات طاعون سے نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ٹائیفائیڈ کے کاربنکل سے ہوئی تھی۔
خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت [illegible] نے حقیقۃ الوحی میں طاعون سے مرنا بیان کیا
ہے۔ سو اگر ڈاکٹر صاحب کی اطلاع درست ہے تو چونکہ ان دنوں میں طاعون کا زور تھا۔

اسلیئے ممکن ہے۔ کہ کسی نے ہاتھ کے پھوڑے کی وجہ سے اس بیماری کو طاعون سے تعبیر کیکے
حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بیان کردیا ہو۔ واللہ اعلم)

(۲۵۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت صاحب کی عادت تھی۔ کہ اپنی جماعت
کے افراد کی مذہبی حالت کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ مگر جب آپ کسی میں کوئی اعتقادی یا
عملی یا اخلاقی نقص دیکھتے تھے تو عموماً اسے مخاطب فرما کر کچھ نہ کہتے تھے بلکہ موقعہ پاکر کسی پبلک
تقریر یا گفتگو میں ایسی طرز اختیار فرماتے تھے۔ جس سے اسکی اصلاح مقصود ہوتی تھی اور پھر اسے
مناسب طریق پر کسی موقعوں پر بار بار بیان فرماتے تھے۔ اور جماعت کی اصلاح اندرونی
کے متعلق آپ کو از حد فکر رہتا تھا۔ اور اسکے لیئے آپ مختلف طریق اختیار فرماتے رہتے تھے۔
اور زیادہ زور دعاؤں پر دیتے تھے۔ اور بعض اوقات فرماتے تھے۔ کہ جو باپ اپنے بچے کو ہر حرکت و سکون
پر ٹوکتا رہتا ہے۔ اور ہر وقت پیچھے پڑ کر سمجھاتا رہتا ہے اور اس معاملہ میں حد سے بڑھ کر احتیاط کرتا
ہے وہ بھی ایک گونہ شرک کرتا ہے۔ کیونکہ وہ گویا اپنے بچہ کا خدا بنتا ہے اور ہدایت اور گمراہی
کو اپنی نگرانی کیساتھ وابستہ کرتا ہے۔ حالانکہ دراصل ہدایت تو خدا کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ کہ عام
طور اپنے بچے کی حفاظت کرے مگر زیادہ زور دعا پر دے۔ اور خدا سے اسکی ہدایت مانگے نیز
حضرت صاحب کا یہ دستور تھا کہ ہدایت کے معاملہ میں زیادہ فکر جڑ کی کرتے تھے۔ اور شاخوں کا ایسا
خیال نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ حضور فرماتے تھے۔ کہ اگر جڑ درست ہو جاوے تو شاخیں خود بخود درست ہو جاتی
ہیں۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ اصل چیز تو دل کا ایمان ہے جب وہ قائم ہو جاتا ہے تو اعمال خود بخود ٹھیک
ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ کسی نے عرض کیا۔ کہ حضور کے پاس بعض لوگ ایسے آتے جاتے ہیں جنکی ڈاڑھیاں
مُنڈی ہوتی ہیں۔ فرمایا تمہیں پہلے ڈاڑھی کی فکر ہے مجھے ایمان کی فکر ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ جو شخص سچے
دل سے ایمان لاتا ہے اور مجھ کو واقعی خدا کا بھیجا ہوا سمجھتا ہے وہ جب دیکھیگا کہ میں داڑھی رکھتا ہوں
تو اس کا ایمان اس سے خود داڑھی رکھوائیگا۔ اخلاق پر حضور بہت زور دیتے تھے اور اخلاق میں
سے خصوصاً محبت تواضع حلم و رفق صبر اور ہمدردی خلق اللہ پر آپ کا بہت زور ہوتا تھا۔ اور تکبر
سنگدلی بخت گیری اور درشتی کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ تنعم و تعیش سے سخت نفرت تھی اور
سادگی اور محنت کشی کو پسند فرماتے تھے +

(۲۵۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہ ایک دفعہ کسی کام کے متعلق میر صاحب یعنی میر ناصر نواب صاحب کے ساتھ مولوی محمد علی صاحب کا اختلاف ہو گیا۔ میر صاحب نے ناراض ہو کر اندر حضرت صاحب کو جا اطلاع دی۔ مولوی محمد علی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ ہم لوگ یہاں حضور کی خاطر آئے ہیں کہ تا حضور کی خدمت میں رہکر کوئی خدمتِ دین کا موقعہ مل سکے۔ لیکن اگر حضور تک ہماری شکایتیں اس طرح پہنچینگی۔ تو حضور بھی انسان ہیں۔ ممکن ہے کسی وقت حضور کے دل میں ہماری طرف سے کوئی بات پیدا ہو تو اس صورت میں ہمیں بجائے قادیان آنیکا فائدہ ہونیکے اُلٹا نقصان ہو جائے گا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ میر صاحب نے مجھ سے کچھ کہا تو تھا۔ مگر میں اسوقت اپنے فکروں میں اتنا محو تھا۔ کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میر صاحب نے کیا کہا اور کیا نہیں کہا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ چند دن سے ایک خیال میرے دماغ میں اس زور کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ کہ اسنے دوسری باتوں سے مجھے بالکل محو کر دیا ہے بس ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے وہی خیال میرے سامنے رہتا ہے۔ میں باہر لوگوں میں بیٹھا ہوتا ہوں اور کوئی شخص مجھ سے کوئی بات کرتا ہے تو اسوقت بھی میرے دماغ میں وہی خیال چکر لگا رہا ہوتا ہے۔ وہ شخص سمجھتا ہوگا۔ کہ میں اس کی بات سن رہا ہوں مگر میں اپنے اس خیال میں محو ہوتا ہوں۔ جب میں گھر جاتا ہوں تو وہاں بھی وہی خیال میرے ساتھ ہوتا ہے غرض ان دنوں یہ خیال اس زور کے ساتھ میرے دماغ پر غلبہ پائے ہوئے ہے۔ کہ کسی اور خیال کی گنجائش نہیں رہی۔ وہ خیال کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان لائے اور اُسکے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے۔ اور آنحضرت صلعم کے اسوہ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقویٰ کے رستے پر چلے اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پائے اور خدا کا منشا پورا ہو پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی۔ تو اگر دلائل و براہین سے ہم دشمن پر غلبہ بھی پالیا اور اسکو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی۔ تو گویا ہمارا سارا کام ہی بیکار گیا۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل و براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن بھی اپنی شکست خوردی محسوس کرنے لگا ہے لیکن جو ہماری بعثت

کی اصل غرض ہے اسکے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے پس یہ خیال ہے جو مجھے آج کل کھا رہا ہے اور یہ اسقدر غالب ہو رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا ۔

(۲۵۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم کی شہادت کی خبر آئی۔ تو ایک طرف تو حضرت صاحب کو سخت صدمہ پہنچا کہ ایک مخلص دوست جدا ہو گیا اور دوسری طرف آپکو پرلے درجہ کی خوشی ہوئی۔ کہ آپ کے متبعین میں سے ایک شخص نے ایمان و اخلاص کا یہ اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ سخت سے سخت دکھ اور مصائب جھیلے اور بالآخر جان دیدی مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔

(۲۶۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جسوقت مولوی عبداللطیف صاحب واپس کابل جانے لگے تو وہ کہتے تھے کہ میرا دل یہ کہتا ہے کہ میں اب زندہ نہیں رہونگا میری موت آن پہنچی ہے اور وہ حضرت صاحب کی اس ملاقات کو آخری ملاقات سمجھتے تھے۔ جب رخصت ہونے لگے۔ اور حضرت صاحب انکو آگے چھوڑنیکے لیئے کچھ دور تشریف لے گئے تو وہ رخصت ہوتے ہوئے حضرت صاحب کے قدموں پر گر گئے اور زار زار روئے۔ حضرت صاحب نے اُن کو اُٹھنے کیلیئے کہا اور فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر وہ آپکے قدموں پر گرے رہے آخر آپنے فرمایا الامر فوق الادب اس پر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی حسرت کے ساتھ حضرت صاحب سے رخصت ہوئے (خاکسار عرض کرتا ہے کہ ان دنوں میں چونکہ قادیان میں ریل نہیں آئی تھی۔ آمدورفت کے لیئے بٹالہ اور قادیان کے درمیان کا کچا رستہ استعمال ہوتا تھا۔ اور حضرت صاحب بعض خاص خاص دوستوں کو رخصت کرنے کے لیئے اسی راستہ کے موڑ تک یا بعض اوقات نہر تک پیدل چلے جاتے تھے)

(۲۶۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ یعقوب علی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے اپنے والد صاحب کو مندرجہ ذیل خط لکھا تھا:۔

"حضرت والد مخدوم من سلامت! مراسم غلامانہ و قواعد فدویانہ بجا آوردہ معروض حضرت والا میکند چونکہ دریں ایام برأی العین می بینم و بچشم سر مشاہدہ میکنم کہ در ہمہ ممالک و بلاد بر سال چناں وبائے مے افتد کہ مردماں را از خویشاں جدا میکند و ہیچ سالے نہ می بینم کہ ایں نائرہ عظیم و چنیں حادثہ الیم در آں سال شور قیامت نیفگند۔ نظر بر آں دل از دنیا سرد شدہ و بعاد خوف جان زدہ۔ واکثر ایں دو مصرع مصلح الدین سعدی شیرازی بیاد

مے آیند و اشک حسرت ریختہ مے شود ؎

مکن تکیہ بر عمر ناپائدار مباش ایمن از بازئ روزگار

و نیز ایں دو مصرع ثانی از دیوان فرخ قادیانی نمک پاش جراحت دل میشود ؎

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں کہ وقتِ اجل میرسد ناگہاں

لہذا مے خواہم کہ بقیہ عمر در گوشۂ تنہائی نشینم و دامن از صحبتِ مردم بچینم و بیاد او سبحانہ مشغول شوم مگر گذشتہ را عذرے و مافات را تدارکے شود ؎

عمر بگذشت و نماند است جوانے چند بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

کہ دنیا را اساسے محکم نیست و زندگی را اعتبارے نے وایس من خاف علی نفسہ من افت غیرہ والسلام۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ مینے شیخ صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مرزا سلطان احمد صاحب نے مجھے چند پرانے کاغذات دیئے تھے جن میں سے حضرت کی یہ تحریر نکلی تھی لیکن خاکسار کی رائے میں اگر حضرت صاحب کی صرف تحریر ملی ہے تو اس سے یہ استدلال ضروری نہیں ہوتا کہ آپنے یہ خط اپنے والد صاحب کے پیش بھی کیا تھا بلکہ خط کے نیچے دستخط اور تاریخ کا نہ ہونا اس شبہ کو قوی کرتا ہے۔

(۲۶۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب کی دائی کا نام لاڈو تھا۔ اور وہ ہاکو نامی کو بر والوں سکنہ قادیان کی ماں تھی جب مینے اسے دیکھا تھا تو وہ بہت بوڑھی ہو چکی تھی۔ مرزا سلطان احمد بلکہ عزیز احمد کو بھی اسی نے جنایا تھا۔ ایکدفعہ حضرت صاحب نے اس سے اپنی پیدائش کے متعلق کچھ شہادت بھی لی تھی۔ اپنے فن میں وہ ماہر ہوشیار عورت تھی چنانچہ ایکدفعہ یہاں کسی عورت کے بچہ پھنس گیا اور پیدا نہ ہوتا تھا تو حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ لاڈو کو بلا کر دکھاؤ وہ ہوشیار ہے چنانچہ اسے بلایا گیا تو اللہ کے فضل سے بچہ آسانی سے پیدا ہو گیا۔ مگر والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ تم میں سے کسی کی پیدائش کے وقت اسے نہیں بلایا گیا۔ کیونکہ بعض وجوہات سے اسپر کچھ شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ عزیز احمد کی پیدائش کے وقت جب لاڈو آئی۔ تو ان دنوں میں اسے خارش کی مرض تھی چنانچہ اس سے عزیز احمد کو خارش ہو گئی۔ اور پھر آہستہ آہستہ تمہارے تایا کے گھر میں اکثر لوگوں کو خارش ہو گئی۔ اور آخر ادھر سے ہمارے گھر میں بھی خارش کا اثر پہنچا۔ چنانچہ حضرت صاحب

کو بھی اِن دنوں میں خارش کی تکلیف ہوگئی تھی۔

(۲۶۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت والدہ صاحبہ کا نام نصرت جہاں بیگم ہے اور والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ ان کا مہر میر صاحب کی تجویز پر گیارہ سو روپیہ مقرر ہوا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہماری نانا جان صاحب کا نام میر ناصر نواب ہے۔ میر صاحب خواجہ میر درد صاحب دہلوی کے خاندان سے ہیں اور پنجاب کے محکمہ نہر میں ملازم تھے۔ اور قریباً عرصہ پچیس سال سے پنشن پر ہیں۔ شروع شروع میں میر صاحب نے حضرت مسیح موعود کی کچھ مخالفت کی تھی۔ لیکن جلد ہی تائب ہوکر بیعت میں شامل ہوگئے۔

(۲۶۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ پٹیالہ میں خلیفہ محمد حسین صاحب وزیر پٹیالہ کے مصاحبوں اور ملاقاتیوں میں ایک مولوی عبدالعزیز صاحب ہوتے تھے۔ جو کوم ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ اُن کا ایک دوست تھا۔ جو بڑا امیر کبیر اور صاحب جائداد تھا۔ اور لاکھوں روپے کا مالک تھا۔ مگر اُسکے کوئی لڑکا نہ تھا۔ جو اُس کا وارث ہوتا اُسنے مولوی عبدالعزیز صاحب سے کہا کہ مرزا صاحب سے میرے لیئے دُعا کرواؤ کہ میرے لڑکا ہوجاوے مولوی عبدالعزیز نے مجھے بُلا کر کہا کہ ہم تمہیں کرایہ دیتے ہیں۔ تم قادیان جاؤ اور مرزا صاحب سے اس بارہ میں خاص طور پر دُعا کے لیئے کہو۔ چنانچہ میں قادیان آیا اور حضرت صاحب سے سارا ماجرا عرض کرکے دُعا کیلیئے کہا۔ آپ نے اسکے جواب میں ایک تقریر فرمائی۔ جس میں دُعا کا فلسفہ بیان کیا اور فرمایا کہ محض رسمی طور پر دُعا کے لیئے ہاتھ اُٹھا دینے سے دُعا نہیں ہوتی بلکہ اسکے لیئے ایک خاص قلبی کیفیت کا پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے جب آدمی کسی کے لیئے دُعا کرتا ہے تو اُسکے لیئے ان دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یا تو اس شخص کیساتھ کوئی ایسا گہرا تعلق اور رابطہ ہو کہ اُسکی خاطر دِل میں ایک خاص درد اور گداز پیدا ہوجائے۔ جو دُعا کے لیئے ضروری ہے اور یا اس شخص نے کوئی ایسی دینی خدمت کی ہو کہ جسپر دِل سے اُسکے لیئے دُعا نکلے۔ مگر یہاں نہ تو ہم اس شخص کو جانتے ہیں۔ اور نہ اس نے کوئی دینی خدمت کی ہے۔ کہ اس کے لیئے ہمارا دل پگھلے۔ پس آپ جاکر اسے یہ کہیں۔ کہ وہ اسلام کی خدمت کے لیئے ایک لاکھ روپیہ دے یا دینے کا وعدہ کرے۔ پھر ہم اس کیلیئے دعا کرینگے۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ پھر اللہ اسے ضرور لڑکا دیدیگا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے جاکر یہی جواب دیدیا۔ مگر وہ خاموش ہوگئی۔ اور آخر وہ شخص لاولد ہی مرگیا۔ اور اسکی جائداد اسکے دور نزدیک کے رشتہ داروں میں کئی جھگڑوں اور مقدموں کے بعد تقسیم ہوگئی۔

(۳۶۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں فخرالدین صاحب ملتانی نے کہ ابھی حضرت مسیح موعود کی وفات پر صرف دو تین ماہ ہی گذرے تھے۔ کہ میں ایک دو اور دوستوں کیساتھ بٹالہ میں میں مولوی محمد حسین بٹالوی سے ملنے گیا۔ میری غرض یہ تھی کہ مولوی محمد حسین سے باتوں باتوں میں حضرت صاحب کی عمر کیمتعلق سوال کروں کیونکہ ان دنوں میں آپکی عمر کیمتعلق بہت اعتراض تھا خیر میں گیا اور مولوی صاحب کے دروازے پر آواز دی مولوی محمد حسین نیچے آئے اور مسجد میں آکر ملاقات کی میرا ارادہ تھا کہ مولوی صاحب کو اپنا احمدی ہونا ظاہر نہ کرونگا لیکن مولوی صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ کہاں جاتے ہو؟ تو مجھے ناچار قادیان کا نام لینا پڑا۔ اور مولوی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ میں احمدی ہوں خیر مینے مولوی صاحب سے گفتگو شروع کی اور کہا کہ مولوی صاحب اور نہیں تو آپ کم از کم وفات مسیح ناصری کے تو قائل ہو ہی گئے ہونگے مولوی صاحب نے سختی سے کہا کہ نہیں میں تو مسیح کو زندہ سمجھتا ہوں۔ خیر اسپر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر میں نے مولوی محمد حسین سے پوچھا۔ کہ آپ تو حضرت مرزا صاحب کے پرانے واقف ہونگے۔ مولوی صاحب نے کہا ہاں میں تو جوانی سے جانتا ہوں اور میں اور مرزا صاحب بچپن میں ہم مکتب بھی تھے۔ اور پھر اسکے بعد ہمیشہ ملاقات رہی۔ میں نے کہا آپ اور حضرت مرزا صاحب ہم عمر ہی ہونگے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ نہیں مرزا صاحب مجھ سے تین چار سال بڑے تھے۔ میں نے سادگی کا چہرہ بنا کر پوچھا کہ مولوی صاحب آپکی اس وقت کیا عمر ہے؟ مولوی میرے داؤ کو نہ سمجھا اور بولا ۷۳-۷۴ سال کی ہے۔ مینے دل میں الحمد للہ کہا۔ اور جلدی ہی گفتگو ختم کر کے اٹھ آیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں فخرالدین صاحب مذکور نے خط کی قسم کھا کر یہ روایت بیان کی تھی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مولوی محمد حسین نے اپنے اس خط میں جسکی اشاعت آئینہ کمالات میں ہو چکی ہے۔ اپنی پیدائش کی تاریخ ۱۰ محرم ۱۲۵۶ھ بیان کی ہے۔ اس طرح اگر حضرت صاحب کو مولوی محمد حسین سے چار سال بڑا مانا جاوے۔ تو آپکی تاریخ پیدائش ۱۲۵۲ھ بنتی ہے اور ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ (دیکھو روایت ۱۸۵) خاکسار نے ایک اور جہت سے یہی تاریخ پیدائش ثابت کی تھی۔ سو الحمد للہ کہ اس کا ایک شاہد بھی مل گیا۔ اور مجھے یہ یاد پڑتا ہے کہ حضرت صاحب بھی فرمایا کرتے تھے کہ مولوی محمد حسین سے میں تین چار سال بڑا ہوں۔ ایک اور بھی بات ہے کہ ۱۸۹۴ء میں حضرت صاحب نے آتھم کے مقابلہ پر ایک اشتہار میں اپنی عمر ساٹھ سال بیان کی تھی اس سے بھی آپکی عمر وفات کیوقت ۷۴-۷۵ سال کی بنتی ہے۔

(۲۶۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ مجھے وہ لوگ جو دنیا میں سادگی سے زندگی بسر کرتے ہیں بہت ہی پیارے لگتے ہیں۔

(۲۶۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ (یعنی خدا کی رضا سب سے مقدم ہونی چاہیئے)

(۲۶۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ مدت کی بات ہے جب میاں ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کی پہلی بیوی فوت ہو گئی اور ان کو دوسری بیوی کی تلاش ہوئی۔ تو ایک دفعہ حضرت صاحب نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر میں دو لڑکیاں رہتی ہیں۔ ان کو میں لاتا ہوں آپ ان کو دیکھ لیں۔ پھر ان میں سے جو آپ کو پسند ہو اس سے آپکی شادی کر دی جاوے۔ چنانچہ حضرت صاحب گئے اور ان دو لڑکیوں کو بلا کر کمرہ کے باہر کھڑا کر دیا اور پھر اندر آکر کہا کہ وہ باہر کھڑی ہیں آپ چق کے اندر سے دیکھ لیں چنانچہ میاں ظفر احمد صاحب نے ان کو دیکھ لیا اور پھر حضرت صاحب نے ان کو رخصت کر دیا۔ اور اسکے بعد میاں ظفر احمد صاحب سے پوچھنے لگے۔ کہ اب بتاؤ۔ تمہیں کونسی لڑکی پسند ہے وہ نام تو کسی کا جانتے نہ تھے۔ اس لیئے انہوں نے کہا کہ جس کا منہ لمبا ہے۔ وہ اچھی ہے اسکے بعد حضرت صاحب نے میری رائے لی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضور میں نے تو نہیں دیکھا۔ پھر آپ خود فرمانے لگے۔ کہ ہمارے خیال میں تو دوسری لڑکی بہتر ہے۔ جس کا منہ گول ہے۔ پھر فرمایا جس شخص کا چہرہ لمبا ہوتا ہے وہ بیماری وغیرہ کے بعد عموماً بدنما ہو جاتا ہے۔ لیکن گول چہرہ کی خوبصورتی قائم رہتی ہے۔ میاں عبداحد صاحب نے بیان کیا۔ کہ اس وقت حضرت صاحب اور میاں ظفر احمد صاحب اور میرے سوا اور کوئی شخص وہاں نہ تھا۔ اور نیز یہ کہ حضرت صاحب ان لڑکیوں کو کسی احسن طریق سے وہاں لائے تھے اور پھر ان کو مناسب طریق پر رخصت کر دیا تھا جس سے ان کو کچھ معلوم نہیں ہوا مگر ان میں سے کسی کے ساتھ میاں ظفر احمد صاحب کا رشتہ نہیں ہوا۔ یہ مدت کی بات ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اللہ کے نبیوں میں خوبصورتی کا احساس بھی بہت ہوتا ہے۔ دراصل جو شخص حقیقی حسن کو پہچانتا اور اسکی قدر کرتا ہے۔ وہ مجازی حسن کو بھی ضرور پہچانیگا۔ اور

اسکے مرتبے کے اندر اندر اسکی قدر کریگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں روایت آتی ہے۔ کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصار میں سے کسی لڑکی کیساتھ شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ بغیر دیکھے کے شادی نہ کرنا۔ بلکہ پہلے لڑکی کو دیکھ لینا۔ کیونکہ انصار لڑکیوں کی آنکھ میں عموماً نقص ہوتا ہے۔ ایک اور صحابی جابرؓ سے جس نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی تھی۔ مگر وہ خود ابھی نوجوان لڑکا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "میاں کسی باکرہ لڑکی سے کیوں نہ شادی کی۔ جو تمہارے ساتھ کھیلتی۔ اور تم اسکے ساتھ کھیلتے"؟ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جن لوگوں نے دُنیا میں کچھ کام کرنا ہوتا ہے۔ اُن کے لیئے یہ ضروری ہوتا ہے۔ کہ انکی خانگی زندگی میں ہر جہت سے ایسے سامان مہیا ہوں۔ جو اُن کے لیئے راحت سکون اور اطمینان کا موجب ہوں تاکہ انکے بیرونی کام کا بوجھ ہلکا کرنے میں یہ خانگی راحت و سکون کسیقدر سہارے کا کام دے سکے ۔

(۲۶۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب میں نے ایک واقعی ضرورت پر نکاح ثانی کا قصد کیا۔ تو حضرت صاحبؑ نے مجھ سے فرمایا کہ جب کہیں موقعہ ملے۔ جلد اس قلعہ میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ اور زید و بکر کی پروانہ کرنی چاہیئے۔

(۲۷۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب ہر چیز میں خوبصورتی کو پسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے اللہ جمیل و یحب الجمال۔

(۲۷۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب حضرت مسیح موعود نے یہ اشتہار دیا کہ کوئی غیر مذہب کا پیرو یا مخالف اگر نشان دیکھنا چاہتا ہے۔ تو میرے پاس آکر رہے۔ پھر اگر نشان نہ دیکھے۔ تو میں اُسے اتنا انعام دونگا۔ تو ایک دن حضرت صاحب مجھے فرمانے لگے۔ کہ ہم نے اشتہار دے دیکر بہت بُلایا ہے مگر کوئی نہیں آتا۔ آجکل بٹالہ میں پادری وائٹ بریخٹ ہیں آپ اُن کے پاس جائیں اور ایک متلاشی حق کے طور پر اپنے آپ کو ظاہر کریں۔ اور کہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ایسا ایسا اشتہار دیا ہے۔ آپ ضرور چل کر اُن کا مقابلہ کریں۔ آپ کے لیئے کوئی مشکل بھی نہیں ہے۔ قادیان یہاں سے صرف چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ اگر مرزا صاحب اس مقابلہ میں ہار گئے تو میں بلا عذر حق

کو قبول کرلونگا۔ اور اور بھی بہت سی لوگ حق کو قبول کر لینگے۔ اور حضرت صاحب نے یہ بھی کہا۔ کہ یہ بھی اُسے کہنا کہ جھوٹے کو اُسکے گھر تک پہنچانا چاہیئے۔ یہ ایک بڑا نادر موقعہ ہے مرزا صاحب نے بڑا شور مچا رکھا ہے۔ آپ اگر ان کو شکست دینگے اور ان سے انعام حاصل کر لینگے۔ تو یہ ایک عیسائیت کی نمایاں فتح ہوگی۔ اور پھر کوئی مسلمان سامنے نہیں بول سکیگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں۔ جسوقت حضرت صاحبؑ نے یہ مجھ سے فرمایا۔ اسوقت شام کا وقت تھا۔ اور بارش ہو رہی تھی اور سردیوں کے دن تھے اسلیئے میاں حامد علی نے مجھے روکا۔ کہ صبح چلے جانا۔ مگر میں نے کہا۔ کہ جب حضرت صاحب نے فرمایا ہے۔ تو خواہ کچھ ہو۔ میں تو ابھی جاؤنگا۔ چنانچہ میں اُسیوقت پیدل روانہ ہوگیا اور قریباً رات کے دس گیارہ بجے بارش سے تر بتر اور سردی سے کانپتا ہوا بٹالہ پہنچا۔ اور اُسی وقت پادری مذکور کی کوٹھی پر گیا۔ وہاں پادری کے خانسامہ نے میری بڑی خاطر کی۔ اور مجھے سونے کے لئے جگہ دی۔ اور کھانا دیا۔ اور بہت آرام پہنچایا۔ اور وعدہ کیا۔ کہ صبح پادری صاحب سے ملاقات کراؤنگا۔ چنانچہ صبح ہی اُس نے مجھے پادری سے ملایا۔ اسوقت پادری کے پاس اس کی میم بھی بیٹھی تھی۔ میں نے اسی طریق پر جس طرح حضرت صاحب نے مجھے سمجھایا تھا۔ اس سے گفتگو کی۔ مگر اس نے انکار کیا۔ اور کہا کہ ہم ان باتوں میں نہیں آتے میں نے اسے بہت غیرت دلائی اور عیسائیت کی فتح ہوجانیکی صورت میں اپنے آپ کو حق کے قبول کرنے کیلئے تیار ظاہر کیا۔ مگر وہ انکار ہی کرتا چلا گیا۔ آخر میں مایوس ہوکر قادیان آگیا۔ اور حضرت صاحب سے سارا قصہ عرض کر دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ واقعہ غالباً سلسلۂ بیعت سے پہلے کا ہے۔

(۲۷۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے۔ کہ ایک دفعہ انبالہ کے ایک شخص نے حضرت صاحب سے فتوےٰ دریافت کیا۔ کہ میری ایک بہن کنچنی تھی۔ اس نے اس حالت میں بہت سا روپیہ کمایا۔ پھر وہ مرگئی۔ اور مجھے اسکا ترکہ ملا مگر بعد میں مجھے اللہ تعالےٰ نے توبہ اور اصلاح کی توفیق دی۔ اب میں اس مال کو کیا کروں؟ حضرت صاحب نے جواب دیا۔ کہ ہمارے خیال میں اس زمانہ میں ایسا مال اسلام کی خدمت

کنچنی = پیشہ ور طوائف عورت کو کہتے ہیں۔

میں خرچ ہو سکتا ہے۔ اور پھر مثال دیکر بیان کیا۔ کہ اگر کسی شخص پر کوئی سگِ دیوانہ حملہ کرے۔ اور اسکے پاس اسوقت کوئی چیز اپنے دفاع کے لئے نہ ہو۔ نہ سوٹی نہ پتھر وغیرہ۔ صرف چند نجاست میں پڑے ہوئے پیسے اسکے قریب ہوں۔ تو کیا وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے ان پیسوں کو اٹھا کر اس کتے کو نہ دے مارے گا۔ اور اسوجہ سے رُک جاویگا۔ کہ یہ پیسے ایک نجاست کی نالی میں پڑے ہوئے ہیں ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح اس زمانہ میں جو اسلام کی حالت ہے اسے مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اس روپیہ کو خدمت اسلام میں لگایا جا سکتا ہے۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا۔ کہ اس زمانے میں جب کی یہ بات ہے۔ آجکل والے انگریزی پیسے زیادہ رائج نہ تھے۔ بلکہ موٹے موٹے بھدّے سے پیسے چلتے تھے۔ جنکو منصوری پیسے کہتے ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں خدمتِ اسلام کے لئے بعض شرائط کے ماتحت سودی روپیہ کے خرچ کئے جانے کا فتوے بھی حضرت صاحب نے اسی اصول پر دیا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ یہ فتوے وقتی ہیں۔ اور خاص شرائط کے ساتھ مشروط ہیں۔ ومن اعتدٰی فقد ظلم وحارب اللہ۔

(۲۷۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔

(۲۷۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری نے کہ حضرت مسیح موعود فرماتے تھے۔ کہ سؤر سے مسلمانوں کو سخت نفرت ہے جو طبیعت کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ انسان اگر چاہے۔ تو تمام منہیات سے ایسی ہی نفرت کر سکتا ہے اور اُسے ایسی ہی نفرت کرنی چاہئے۔

سؤر سے نفرت کا سبب

(۲۷۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ آتھم کے مباحثہ میں میں بھی موجود تھا جب حضرت صاحب نے اپنے آخری مضمون میں یہ بیان کیا۔ کہ آتھم صاحب نے اپنی کتاب اندرونہ بائبل میں آنحضرت صلعم کو (نعوذ باللہ) دجال

کہا ہے۔ تو آتھم نے ایک خوف زدہ انسان کی طرح اپنا چہرہ بنایا۔ اور اپنی زبان باہر نکال کر کانوں کیطرف ہاتھ اُٹھائے اور کہا کہ مَیں نے یہ کہاں لکھا ہے۔ یا کب کہا ہے۔ یعنی نہیں لکھا۔

(۲۷۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے۔ کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے لدھیانہ والے مباحثہ میں میں موجود تھا۔ حضرت صاحب الگ اپنے خادموں میں بیٹھ جاتے تھے۔ اور مولوی محمد حسین الگ اپنے آدمیوں میں بیٹھ جاتا تھا۔ اور پھر تحریری مباحثہ ہوتا تھا۔ میں نے دوران مباحثہ میں کبھی حضرت صاحب اور مولوی محمد حسین کو آپس میں زبانی گفتگو کرتے نہیں سنا۔ ان دنوں میں لدھیانہ میں بڑا شور تھا۔ مولوی محمد حسین کے ملنے والوں میں ایک مولوی نظام الدین صاحب ہوتے تھے۔ جو کئی حج کر چکے تھے اور طبیعت ظریف رکھتے تھے وہ ایک دفعہ حضرت صاحب کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کہ آپ نے خلاف قرآن شریف وفات مسیح کا یہ کیا عقیدہ نکالا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ میں نے قرآن شریف کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ بلکہ میں تو اب بھی تیار ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص قرآن سے حیات مسیح ثابت کر دے۔ تو فوراً اپنے عقیدہ سے رجوع کر لونگا۔ مولوی نظام الدین نے خوش ہو کر کہا۔ کہ کیا واقعی آپ قرآن شریف کی آیات کے سامنے اپنے خیالات کو ترک کر دینگے۔ حضرت صاحب نے کہا۔ ہاں میں ضرور ایسا کرونگا۔ مولوی نظام الدین نے کہا۔ اچھا پھر کیا ہے میں ابھی مولوی محمد حسین کے پاس جاتا ہوں۔ اور پچاس آیتیں قرآن کریم کی حیات مسیح کے ثبوت میں لکھوا لاتا ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ پچاس کی ضرورت نہیں۔ میں تو اگر ایک آیت بھی نکل آئیگی۔ تو مان لونگا۔ اس پر مولوی نظام الدین خوشی خوشی اُٹھکر چلے گئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد سر نیچے ڈالے واپس آئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کیوں مولویصاحب آپ آیتیں لے آئے؟ مولویصاحب نے کہا۔ کہ میں نے مولوی محمد حسین صاحب سے جاکر یہ کہا تھا۔ کہ مولویصاحب مرزا صاحب کو بالکل قابو کر لیا ہے۔ اور یہ اقرار کروا لیا ہے۔ کہ اگر میں قرآن کریم کی ایک آیت بھی ایسی پیش کر دوں۔ جس میں حیات مسیح ثابت ہو۔ تو وہ مان لیں گے۔ اور اپنے عقائد سے توبہ کر لینگے۔ مگر میں نے انہیں

کہا ہے۔ کہ ایک آیت کیا۔ میں پچاس آیتیں لاتا ہوں۔ سو آپ جلد آیتیں نکال دیں۔ تا میں ابھی ان سے پاس جاکر اُن سے توبہ کرالوں۔ اسپر مولویصاحب نے سخت برہم ہوکر کہا۔ کہ اے اُلو! تم نے یہ کیا کیا۔ ہم تو اسے قرآن سے نکالکر حدیثوں کیطرف لاتے ہیں۔ اور تم اسے پھر قرآن کیطرف لے آئے۔ میں نے کہا۔ کہ مولویصاحب! تو کیا قرآن میں کوئی آیت مسیح کی حیات ثابت نہیں کرتی؟ مولویصاحب نے کہا۔ تم تو بیوقوف ہو۔ اُسے حدیثوں کیطرف لانا تھا۔ کیونکہ قرآن میں اسکا ذکر نہیں ہے۔ مولوی نظام الدین نے کہا۔ کہ میں نے کہا۔ کہ ہم تو پھر قرآن کے ساتھ ہیں۔ جب قرآن سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ تو ہم اسکے مخالف حدیثوں کو کیا کریں۔ اسپر مولویصاحب نے مجھے گالیاں دینی شروع کردیں اور کہا۔ کہ تو بے وقوف ہے۔ تجھے سمجھ نہیں وغیرہ وغیرہ۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ اسکے بعد مولوی نظام الدین صاحب نے حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ پیر سراج الحق صاحب نے اپنی کتاب تذکرۃ المہدی حصہ اول میں یہ واقعہ بیان کرکے یہ بات زائد بیان کی ہے کہ مولوی نظام الدین صاحب نے یہ بھی سنایا۔ کہ جب میںنے مولوی محمد حسین صاحب سے یہ کہا کہ ہم تو پھر قرآن کے ساتھ ہیں۔ تو مولویصاحب نے سخت برہم ہوکر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کہ اسکی روٹی بند کردو۔ (پیر صاحب لکھتے ہیں کہ مولوی نظام الدین صاحب کو مولوی محمد حسین کی طرف سے روٹی ملا کرتی تھی) اسپر میں نے ہاتھ باندھکر مولوی محمد حسین سے (ظرافت کے طور پر) کہا۔ کہ مولویصاحب میں قرآن کو چھوڑ دیتا ہوں۔ خدا کے واسطے میری روٹی نہ بند کرنا۔ اسپر مولوی محمد حسین صاحب سخت شرمندہ ہوئے۔

پیر صاحب نے لکھا ہے کہ جب مولوی نظام الدین نے عملاً اسی طرح ہاتھ باندھکر اس مکالمہ کو حضرت صاحب کے سامنے دُہرایا۔ تو حضرت صاحب بہت ہنسے اور پھر فرمانے لگے۔ کہ دیکھو ان مولویوں کی حالت کہاں تک گر چکی ہے۔ نیز میاں عبداللہ صاحب سنوری بیان کرتے تھے۔ کہ میں پہلے مولوی محمد حسین بٹالوی کا بڑا معتقد ہوتا تھا اور

اسکے پاس جاکر ٹھہرا کرتا تھا۔ پھر حضرت صاحب کی ملاقات کے بعد بھی جب کبھی مجھے حضرت صاحب مولوی محمد حسین کے پاس کوئی خط وغیرہ دیکر بھیجتے تھے۔ تو میں اس سے اسی عقیدت کے ساتھ ملتا تھا۔ لیکن جب اُس نے حضرت صاحب کی مخالفت کی تو مجھے اس سے نفرت ہوگئی۔ اور میں نے کبھی اسکی صورت تک دیکھنی پسند نہیں کی۔

خاکسار نے میاں عبداللہ صاحب سے دریافت کیا۔ کہ مخالفت سے پہلے مولوی محمد حسین کا حضرت صاحب کیساتھ کیسا تعلق تھا۔ آیا ایک عام برابری کا سا تعلق تھا یا وہ حضرت صاحب کے ساتھ عقیدت اور اخلاص رکھتا تھا۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ وہ حضرت صاحب سے عقیدت رکھتا تھا۔ چنانچہ جب کبھی کوئی حضرت صاحبؑ کا کام ہوتا۔ تو وہ شوق اور اخلاص سے کرتا تھا۔ اور اس کی باتوں سے پتہ لگتا تھا۔ کہ اسکے دل میں آپکی محبت اور ادب ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ براہین احمدیہ پر جو مولوی محمد حسین نے ریویو لکھا تھا۔ اس سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ مخالفت سے پہلے مولوی محمد حسین حضرت مسیح موعود کے ساتھ کافی عقیدت رکھتا تھا۔ یہ ریویو بڑا مبسوط و مکمل ہے اور اپنے حجم کے لحاظ سے گویا ایک مستقل کتاب کہلانیکا حقدار ہے۔

(۲۷۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنہ نے حضرت مسیح موعود کی تصنیف براہین احمدیہ پر جو ریویو لکھا تھا۔ اس کے بعض فقرے درج ذیل کرتا ہوں :-

"ہماری رائے میں یہ کتاب (یعنی براہین احمدیہ حصہ اول و دوم و سوم و چہارم مصنفہ حضرت مسیح موعود) اس زمانہ میں موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے۔ جس کی نظیر آجتک اسلام میں شائع نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ (یقول العبد الفقیر البشیر و قد صدق اللہ قول ھذا المولوی و احدث بعد ذلک امرا عظیما اذ جعل مصنف ھذا الکتب المسیح الموعود والمھدی المعھود وجعلہ اماما عدلا الذی ملاء الارض قسطا بعد ما ملئت جورا و اثما و نال الایمان من الثریا و کسر الصلیب و حارب الدجال

فقتله ولکن یحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزئون)
اور اسکا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جسکی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے۔ تو ہم کو کم از کم کوئی ایسی کتاب بتا دے۔ جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے۔ جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑا اٹھا لیا ہو۔ اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعوے کیا ہو۔ کہ جسکو وجود الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آکر اسکا تجربہ و مشاہدہ کرے اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔ مولف صاحب ہمارے ہموطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی اور شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب۔ اس زمانہ سے آجتک ہم میں ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری رہی ہے۔ اسلئے ہمارا یہ کہنا۔ کہ ہم انکے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں۔ مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے۔ مولف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی ہے اور مخالفین اسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدی کی ہے اور یہ منادی اکثر روئے زمین پر کر دی ہے۔ کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے خدا۔ اپنے طالبوں کے رہنما ان پر ان کی ذات سے ان کے ماں باپ سے تمام جہان کے شفقتوں سے زیادہ رحم فرما۔ (دیکھئے رحم فرمانیوالے) تو اس کتاب کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے۔ اور اسکے برکات سے انکو مالا مال کر دے۔ اور کسی اپنے صالح بندے کی طفیل اس خاکسار شرمسار گنہگار کو بھی اپنے فیوض اور انعامات اور اس کتاب کی اخص برکات سے فیضیاب کر آمین وللارض من کاس الکرام نصیب۔ یعنی بڑے لوگوں کے جام سے ان کی جام نوشی کیوقت زمین پر بھی کچھ شراب گر جاتی ہے۔ کیونکہ وہ بوجہ کثرت شراب کے بے پرواہی سے شراب پیتے ہیں۔ اور اسکے قطرے بہت گر جانے اور ضائع ہو جانیکی انکو پرواہ نہیں ہوتی پس اے اللہ ہم کو بھی حضرت

مرزا صاحب کی جام نوشی کے وقت تیری شراب سے جو تو نے انکو دی ہے اور نہیں تو صرف
اسی قدر حصہ ملجاوے۔ جو بوقتِ مے نوشی زمین پر گر کر ضائع ہو جایا کرتا ہے۔
خاکسار مؤلف) دیکھو اشاعۃ السنۃ جلد ۶۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود نے مولوی محمد حسین کے اس ریویو کا
اپنے عربی اشعار مندرجہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ایا را شقی قد کنت تمدح منطقی	وتثنی علیّ بالفۃٍ وتوقر
اے مجھ پر تیر چلانے والے کوئی زمانہ تھا کہ تو میرے کلام کی تعریف کرتا تھا	اور محبت کیساتھ میری ثنا کرتا تھا اور میری عزت کرتا تھا
و للہ درّک حین قرّظت مخلصًا	کتابی وصرت لکل ضال مخفر
اور کیا ہی اچھا تھا حال تیرا جبکہ تو نے اخلاص کیساتھ میری کتاب کا ریویو لکھا	اور تو گمراہ ہونیکو ہدایت کی پناہ میں لانیوالا تھا
وانت الذی قد قال فی تقریضہ	کمثل المولف لیس فینا غضنفر
تو وہی تو ہے جس نے اپنے ریویو میں یہ کہا تھا کہ براہین احمدیہ	کے مولف جیسا کوئی شیر بہادر ہم میں نہیں ہے
عرفت مقامی ثم انکرت مدبرًا	فما الجھل بعد العلم انکنت تشعر
تو نے میرے مقام کو پہچانا مگر پھر انکار کر دیا اور پیٹھ پھیر لی	لیکن ذرا خیال تو کر کہ علم کے بعد جہالت کی کیا حقیقت ہوتی ہے
کمثلک مع علم بحالی وفطنۃٍ	عجبت لہ یبغی الھدٰی ثم یاطر
تیرے جیسا شخص جو میرے حالات کو خوب جانتا ہے	تعجب ہے کہ وہ ہدایت پر آکر پھر راہ راست چھوڑ دے
قطعت وِدادًا قد غرسناہ فی الصبا	ولیس فوادی فی الوداد یقصّر
تو نے محبت کے اس درخت کو کاٹ دیا جو ہم نے نوجوانی میں لگایا تھا	مگر میرے دل نے محبت میں کوئی کوتاہی نہیں کی
علی غیر شیءٍ قلت ما قلت عجلۃً	ووالله انّی صادق لا ازوّر
تو نے میرے متعلق جو جلد بازی سے کہا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے	اور خدا کی قسم میں صادق ہوں جھوٹا نہیں ہوں

---

(۲۷۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود نے ۱۸۹۲ء
کے آواخر میں فتح اسلام تصنیف فرمائی تھی۔ اور اسکی اشاعت شروع ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ سے
کیگئی۔ یہ وہ پہلا رسالہ ہے۔ جس میں آپنے اپنی مثیل مسیح ہونے اور مسیح ناصری کی وفات کا ذکر کیا ہے

گویا مسیح موعود کے دعوے کا یہ سب سے پہلا اعلان ہے۔ بعض لوگ جو یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب نے مسیح موعود کے دعوے کے متعلق سب سے پہلے ایک اشتہار دیا تھا۔ میری تحقیق میں یہ غلطی ہے۔ سب سے پہلا اعلان فتح اسلام کے ذریعے ہوا اور وہ اشتہار جسکی سرخی یہ ہے۔ لیھلك من ھلك عن بینة ویحیٰ من حیّ عن بینة فتح اسلام کی اشاعت کے بعد دیا گیا تھا۔ بلکہ یہ اشتہار تو فتح اسلام کے دوسرے حصہ توضیح مرام کی اشاعت کے بھی بعد شائع کیا گیا تھا۔ جیسا کہ خود اس اشتہار کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس اشتہار کو دعوٰے مسیحیت کے متعلق ابتدائی اعلان سمجھنا جیسا کہ پیر سراج الحق صاحب نے اپنے رسالہ تذکرۃ المہدی میں اور غالباً ان کی اتباع میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنے رسالہ سیرت مسیح موعود میں شائع کیا ہے۔ ایک صریح غلطی ہے۔ حق یہ ہے کہ دعوٰی مسیحیت کے متعلق سب سے پہلا پبلک اعلان فتح اسلام کے ذریعہ ہوا اسکے بعد توضیح مرام کی اشاعت ہوئی۔ پھر بعض اشتہارات ہوئے۔ اور پھر ازالہ اوہام کی اشاعت ہوئی۔ ایک اور بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ فتح اسلام میں مسیح موعود ہونیکا دعوٰے اور وفات مسیح کا عقیدہ بہت صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوئے۔ اور نہ یہ اعلان ایسی صورت میں ہوا ہے۔ کہ جو ایک انقلابی رنگ رکھتا ہو۔ جس سے ایسا سمجھا جاوے کہ گویا اب ایک نیا دور شروع ہونیکا اعلان کیا جاتا ہے بلکہ محض سلسلہ کلام میں یہ باتیں بیان ہو گئی ہیں۔ نہ پوری صراحت ہے۔ نہ تحدی ہے۔ اسکے بعد توضیح مرام میں زیادہ وضاحت ہے۔ اور پھر بالآخر ازالہ اوہام میں یہ باتیں نہایت زور شور کے ساتھ مع ادلّہ بیان کیگئی ہیں۔ میں نے اسکی بہت تلاش کی کہ کوئی ایسا ابتدائی اعلان ملے۔ کہ جس میں مثلاً ایک نئے انکشاف کے طور پر حضرت صاحب نے یہ اعلان کیا ہو۔ کہ مجھ پر اللہ نے ظاہر کیا ہے کہ مسیح ناصری فوت ہو چکا ہے اور آنیوالا موعود مسیح میں ہوں۔ یعنی کوئی ایسا رنگ ہو۔ جو یہ ظاہر کرے کہ اب ایک نئے دور کا اعلان ہوتا ہے مگر مجھے ایسی صورت نظر نہیں آئی۔ بلکہ سب سے پہلا اعلان رسالہ فتح اسلام ثابت ہوا۔ مگر اسے دیکھا گیا۔ تو ایسے رنگ میں پایا گیا۔ جو اوپر بیان ہوا ہے۔ یعنی اس میں یہ باتیں ایسے طور پر بیان ہوئی ہیں کہ گویا کوئی نیا دور اور نیا اعلان نہیں ہے بلکہ اپنے خداداد منصب

مجددیت کا بیان کرتے ہوئے یہ باتیں بھی سلسلہ کلام میں بیان ہو گئی ہیں۔ جسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ حضرت صاحب کو اپنے مسیح موعود ہونے کے متعلق الہامات تو شروع سے ہی ہو رہے تھے۔ صرف ان کی تشریح اب ہوئی تھی۔

۲۷۹ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود نے دعوئے مسیحیت اور وفات مسیح ناصری کے عقیدے کا اعلان کیا۔ تو ملک میں ایک سخت طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی گو مسلمانوں کے ایک طبقہ میں آپ کی مخالفت تھی۔ لیکن اول تو وہ بہت محدود تھی۔ دوسرے وہ ایسی شدید اور پُرجوش نہ تھی۔ لیکن اس دعوئے کے بعد تو گویا ساری اسلامی دنیا میں ایک جوش عظیم پیدا ہو گیا۔ اور حضرت مسیح موعود کو اول لدھیانہ میں پھر دہلی میں اور پھر لاہور میں پُر زور مباحثات کرنے پڑے۔ مگر جب مولویوں نے دیکھا۔ کہ حضرت مسیح موعود اس طرح مولویوں کے رعب میں آنیوالے نہیں۔ اور لوگوں پر آپ کی باتوں کا اثر ہوتا جاتا ہے۔ تو سب سے پہلے مولوی محمد حسین بٹالوی نے ایک استفتاء تیار کیا۔ اور اس میں حضرت مسیح موعود کے متعلق علماء سے فتوئے کفر کا طالب ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے اپنے استاد مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے فتوی کفر حاصل کیا۔ چونکہ مولوی نذیر حسین تمام ہندوستان میں مشہور و معروف مولوی تھے۔ اور اہل حدیث کے تو گویا امام تھے۔ اور شیخ الکل کہلاتے تھے۔ اس لئے ان کے فتوئے دینے سے اور پھر مولوی محمد حسین صاحب جیسا مشہور مولوی مستفتی تھا۔ باقی اکثر مولویوں نے بڑے جوش و خروش سے اس کفرنامے پر اپنی مہریں ثبت کرنی شروع کیں اور قریباً دو سو مولویوں کی مہر تصدیق سے یہ فتوئے ۱۸۹۱ء میں شائع ہوا۔ اور اس طرح وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ مسیح موعود پر کفر کا فتوئے لگایا جائیگا۔

۲۸۰ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کے عالم شباب کے زمانہ قیام سیالکوٹ کے متعلق شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی کی تصنیف حیاۃ النبی سے مولوی میر حسن صاحب سیالکوٹی کی روایت دوسری جگہ (یعنی نمبر ۱۵ پر) درج کیجا چکی ہے اس روایت کے متعلق میں نے مولویصاحب موصوف کو سیالکوٹ خط لکھا تھا۔ مولویصاحب نے اسکی تصدیق کی۔ اور مجھے اپنی طرف سے اسکی روایت کی اجازت دی۔ اسکے علاوہ میری درخواست پر مولویصاحب موصوف نے انہی ایام کے بعض مزید حالات بھی لکھکر مجھے ارسال کئے ہیں۔ جو میں درج ذیل کرتا ہوں۔ مولویصاحب لکھتے ہیں :۔

"حضرت مخدوم زادہ والاشان سموالمکان زادالطافکم۔

بعد از سلام مسنون عرض خدمت والا یہ ہے۔ کہ چند در چند عوائق و موانع کے باعث آپکے ارشاد کی تعمیل میں دیر واقع ہوئی۔ اُمید ہے آپ معاف فرمائینگے۔ چونکہ عرصہ دراز گذر چکا ہے۔ اور اسوقت یہ باتیں چنداں قابل توجہ اور التفات نہیں خیال کی جاتی تھیں اسواسطے اکثر فراموش ہوگئیں۔ جو یاد کرنے میں بھی یاد نہیں آتیں۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ ادنےٰ تامل سے بھی دیکھنے والے پر واضح ہو جاتا تھا۔ کہ حضرت اپنے ہر قول و فعل میں دوسروں سے ممتاز ہیں۔ فقط

راقم جناب کا ادنےٰ نیاز مند میر حسن۔ ۲۶ر نومبر ۱۹۲۲ء

سیرت کی جلد اول تھوڑے دنوں میں روانہ خدمت کرونگا۔ فقط" اس سے مراد شیخ یعقوب علی صاحب کی تصنیف ہے۔ جو میں نے مولویصاحب کو بھجوائی تھی۔ اور جسکی روایت کی اپنے دوسرے خط میں انہوں نے تصدیق کی ہے۔ خاکسار) حضرت مسیح موعود کے حالات کے متعلق مولویصاحب اپنے اسی خط میں یوں رقمطراز ہیں کہ:۔

"حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے۔ عمراً نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے۔ تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ بیٹھ کر کھڑے ہو کر ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے۔ اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حسب عادت زمانہ صاحب حاجات جیسے اہلکاروں کے پاس جاتے ہیں۔ ان کی خدمت میں بھی آجایا کرتے تھے۔ اسی عمرا مالک مکان کے بڑے بھائی فضل الدین نام کو جو نے الجملہ محلہ میں موقر تھا۔ آپ بُلا کر فرماتے۔ میاں فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا دو۔ کہ یہاں نہ آیا کریں۔ نہ اپنا وقت ضائع کیا کریں اور نہ میرے وقت کو برباد کیا کریں میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں حاکم نہیں ہوں۔ جتنا کام میرے متعلق ہوتا ہے کچہری میں ہی کر آتا ہوں۔ فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا کر نکال دیتے۔ مولوی عبدالکریم صاحب بھی اُسی محلہ میں پیدا ہوئے۔ اور جوان ہوئے۔ جو آخر میں مرزا صاحب کے خاص مقربین میں شمار کئے گئے۔

اسکے بعد وہ مسجد جامع کے سامنے ایک بیٹھک میں بمعہ منصب علی حکیم کے رہا

کرتے تھے۔ وہ دیوانی منصب علی۔ خاکسار مولف) وثیقہ نویسی کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ بیٹھک کے قریب ایک شخص فضل الدین نام بوڑھے دوکاندار تھے۔ جو رات کو بھی دوکان پر ہی رہا کرتے تھے انکے اکثر احباب شام کے بعد ان کی دوکان پر آجاتے تھے۔ چونکہ شیخصاحب پارسا آدمی تھے اس لئے جو وہاں شام کے بعد آتے سب اچھے ہی آدمی ہوتے تھے۔ کبھی کبھی مرزا صاحب بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ اور گاہ گاہ نصر اللہ نام عیسائی جو ایک مشن سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ آجایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب اور ہیڈ ماسٹر کی اکثر بحث مذہبی امور میں ہو جاتی تھی۔ مرزا صاحب کی تقریر سے حاضرین مستفید ہوتے تھے۔

مولوی محبوب عالم صاحب ایک بزرگ نہایت پارسا اور صالح اور مرتاض شخص تھے مرزا صاحب ان کی خدمت میں بھی جایا کرتے تھے۔ اور لالہ بھیم سین صاحب وکیل کو بھی تاکید فرماتے تھے۔ کہ مولویصاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ بھی مولویصاحب کیخدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔

جب کبھی بیعت اور پیری مریدی کا تذکرہ ہوتا۔ تو مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو خود سعی اور محنت کرنی چاہئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ مولوی محبوب علی صاحب اس سے کشیدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ بیعت کے بغیر راہ نہیں ملتی۔

دینیات میں مرزا صاحب کی سبقت اور پیشروی تو عیاں ہے۔ مگر ظاہری جسمانی دوڑ میں بھی آپ کی سبقت اسوقت کے حاضرین پر صاف ثابت ہو چکی تھی۔

اس کا مفصل حال یوں ہے۔ کہ ایک دفعہ کچہری برخاست ہونے کے بعد جب اہلکار گھروں کو واپس ہونے لگے۔ تو اتفاقاً تیز دوڑنے اور مسابقت کا ذکر شروع ہو گیا۔ ہر ایک نے دعوےٰ کیا۔ کہ میں بہت دوڑ سکتا ہوں۔ آخر ایک شخص بلاسنگھ نام نے کہا۔ کہ میں سب سے دوڑنے میں سبقت لیجاتا ہوں۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ میرے ساتھ دوڑو۔ تو ثابت ہو جائیگا۔ کہ کون بہت دوڑتا ہے۔ آخر شیخ الہداد صاحب منصف مقرر ہوئے۔ اور یہ امر قرار پایا۔ کہ یہاں سے شروع کر کے اس پل تک جو کچہری کی سڑک اور شہر میں حد فاصل ہے ننگے پاؤں دوڑو۔ جوتیاں ایک آدمی نے اُٹھالیں۔ اور پہلے ایک شخص اس پل پر بھیجا گیا۔ تاکہ وہ شہادت دے۔ کہ کون سبقت لے گیا۔ اور پہلے پل پہ پہنچا۔ مرزا صاحب اور

بلاسنگھ ایک ہی وقت میں دوڑے اور باقی آدمی معمولی رفتار سے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب پل پر پہنچے۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت مرزا صاحب سبقت لے گئے اور بلاسنگھ پیچھے رہ گیا۔"

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ بعض اوقات دینی غیرت دنیاوی باتوں میں بھی رونما ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور ہے۔ کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے پاس کسی نے یہ بات پہنچائی۔ کہ فلاں سکھ سپاہی اس بات کا دعوےٰ رکھتا ہے۔ کہ کوئی شخص تیرنے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسپر شہید مرحوم کو غیرت آگئی۔ اور اسی وقت سے انہوں نے تیرنے کی مشق شروع کر دی اور بالآخر اتنی مہارت پیدا کر لی۔ کہ پہروں پانی میں پڑے رہتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ اب وہ سکھ میرے ساتھ مقابلہ کرلے۔ گویا ان کو یہ گوارا نہ ہوا۔ کہ ایک غیر مسلم تیرنے کی صفت میں بھی مسلمانوں پر فوقیت رکھے۔ حالانکہ یہ ایک معمولی دنیاوی بات تھی۔ سو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسوقت بھی ایسے رنگ میں گفتگو ہوئی ہوگی۔ کہ حضرت مسیح موعود کو بلاسنگھ کے مقابلہ میں غیرت آگئی۔ اور پھر عالم بھی شباب کا تھا۔

(۲۸۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بیان کیا ہم سے شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود سفر میں تھے۔ اور لاہور کے اسٹیشن کے پاس ایک مسجد میں وضو فرما رہے تھے۔ اسوقت پنڈت لیکھرام حضور سے ملنے کے لئے آیا۔ اور آکر سلام کیا۔ مگر حضرت صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس نے اس خیال سے کہ شاید آپ نے سنا نہیں۔ دوسری طرف سے ہو کر پھر سلام کہا۔ مگر آپ نے پھر بھی توجہ نہیں کی اس کے بعد حاضرین میں سے کسی نے کہا۔ کہ حضور! پنڈت لیکھرام نے سلام کیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ "ہمارے آقا کو گالیاں دیتا ہے۔ اور ہمیں سلام کرتا ہے!"

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کو آنحضرت صلعم کے ساتھ وہ عشق تھا کہ جس کی مثال نظر نہیں آتی۔

(۲۸۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جسوقت حضرت مسیح موعود فوت ہوئے۔ تو بہت سے ہندو اور عیسائی اخباروں نے آپکے متعلق نوٹ شائع کئے تھے۔ چنانچہ نمونۃً ہندوستان کے ایک نہایت مشہور و معروف انگریزی اخبار "پانیر" الہ آباد کی رائے کا اقتباس درج ذیل کرتا ہوں۔ "پانیر" کے ایڈیٹر اور منیجر اور مالک

سب انگریز عیسائی ہیں" پانیر" نے لکھا۔ کہ :-

"اگر گذشتہ زمانہ کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آکر اس زمانہ میں دنیا کے اندر تبلیغ کرے۔ تو وہ بیسویں صدی کے حالات میں اس سے زیادہ غیر موزون معلوم نہ ہوگا۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد خان قادیانی تھے (یعنی مرزا صاحب کے حالات اسرائیلی نبیوں سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ مولف) .....

ہم یہ قابلیت نہیں رکھتے۔ کہ ان کی عالمانہ حیثیت کے متعلق کوئی رائے لگا سکیں۔ .... مگر مرزا صاحب کو اپنے دعوے کے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات کا یقین رکھتے تھے۔ کہ ان پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اور یہ کہ ان کو ایک خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے ..... ایک مرتبہ انہوں نے بشپ ویلڈن کو چیلنج دیا (جس نے اسکو حیران کر دیا) کہ وہ نشان نمائی میں ان کا مقابلہ کرے۔ یہ چیلنج اسی طریق پر تھا۔ جیسا کہ الیاس نبی نے بعل کے پروہتوں کو چیلنج دیا تھا۔ اور مرزا صاحب نے اس مقابلہ کا یہ نتیجہ قرار دیا۔ کہ یہ فیصلہ ہو جائیگا۔ کہ سچا مذہب کونسا ہے۔ اور مرزا صاحب اس بات کے لئے تیار تھے۔ کہ حالات زمانہ کے ماتحت پادری صاحب جس طرح چاہیں اپنا اطمینان کر لیں۔ کہ نشان دکھانے میں کوئی دھوکا اور فریب استعمال نہ ہو۔

وہ لوگ جنہوں نے مذہب کے رنگ میں دنیا کے اندر ایک حرکت پیدا کر دی ہے۔ وہ اپنی طبیعت میں مرزا غلام احمد خاں سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ بہ نسبت مثلاً ایسے شخص کے جیسا کہ اس زمانہ میں انگلستان کا لاٹ پادری ہوتا ہے۔ اگر ارنسٹ رین (فرانس کا ایک مشہور مصنف ہے۔ مولف) گذشتہ بیس سال میں ہندوستان میں ہوتا۔ تو وہ یقیناً مرزا صاحب کے پاس جاتا اور انکے حالات کا مطالعہ کرتا۔ جسکے نتیجہ میں انبیاء بنی اسرائیل کے عجیب و غریب حالات پر ایک نئی روشنی پڑتی .....

بہرحال قادیان کا نبی ان لوگوں میں سے تھا۔ جو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے"

(۲۸۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود فرماتے تھے۔ کہ جب سلطان احمد پیدا ہوا۔ اس وقت ہماری عمر صرف سولہ سال کی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ عمر کے متعلق حضرت صاحب کے سب اندازے

ہی ہیں۔ کوئی یقینی علم نہیں ہے۔ پس آپ کی تاریخ پیدائش اور عمر کے متعلق اگر کوئی قابل اعتماد ذریعہ ہے۔ تو یہی ہے۔ کہ مختلف جہات سے اس سوال پر غور کیا جاوے۔ اور پھر اُن کے مجموعی نتیجہ سے کوئی رائے قایم کیجاوے۔ کسی منفرد کڑی سے اس سوال کا حل مشکل ہے۔ خود حضرت صاحب کی اپنی تحریرات اس معاملہ میں ایک دوسرے کے مخالف پڑتی ہیں کیونکہ وہ کسی قطعی علم پر مبنی نہیں ہیں۔ بلکہ محض اندازے ہیں جو آپ نے لگائے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے خود براہین احمدیہ حصہ پنجم میں بیان فرمادیا ہے۔ خاکسار کی تحقیق میں آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲۵۲ھ ہجری نکلتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۸۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا۔ حضرت خلیفہ ثانی نے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ اوّل کا ایک رشتہ دار جو ایک بھنگی چرسی اور بدمعاش آدمی تھا۔ قادیان آیا۔ اور اسکے متعلق کچھ شبہ ہوا۔ کہ وہ کسی بدارادے سے یہاں آیا ہے۔ اور اُسکی رپورٹ حضرت صاحب تک بھی پہنچی۔ آپ نے حضرت خلیفہ اوّل کو کہلا بھیجا۔ کہ اسے فوراً قادیان سے رُخصت کر دیں۔ لیکن جب حضرت خلیفہ اول نے اسے قادیان سے چلے جانے کو کہا۔ تو اس نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا۔ اور کہا۔ کہ اگر مجھے اتنے روپے دیدوگے تو میں چلا جاؤنگا۔ حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے تھے۔ کہ جتنے روپے وہ مانگتا تھا۔ اسوقت اتنے روپے حضرت خلیفہ اوّل کے پاس نہ تھے۔ اس لئے آپ کچھ کم دیتے تھے۔ اسی جھگڑے میں کچھ دیر ہوگئی۔ چنانچہ اس کی اطلاع پھر حضرت صاحب تک پہنچی۔ کہ وہ ابھی تک نہیں گیا۔ اور قادیان میں ہی ہے۔ اسپر حضرت صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کو کہلا بھیجا۔ کہ یا تو اسے فوراً قادیان سے رخصت کردیں۔ یا خود بھی چلے جاویں۔ حضرت مولویصاحب تک یہ الفاظ پہنچے۔ تو انہوں نے فوراً کسی سے قرض لیکر اُسے رخصت کر دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ احمد کے نبی جہاں ایک طرف محبت اور احسان اور مروّت کا بے نظیر نمونہ ہوتے ہیں وہاں دوسری طرف خدا کی صفتِ استغناء کے بھی پورے مظہر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل کا یہ رشتہ دار آپ کا حقیقی بھتیجا تھا۔ اور اس کا نام عبدالرحمن تھا۔ یہ ایک نہایت آوارہ گرد اور بدمعاش آدمی تھا۔ اور اسکے متعلق اسوقت یہ شبہ کیا گیا تھا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ یہ شخص قادیان میں کسی فتنہ عظیمہ کے پیدا کرنے کا موجب ہوجائے۔

(۲۸۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے۔ کہ ایک دفعہ راولپنڈی سے ایک غیر احمدی آیا۔ جو اچھا متمول آدمی تھا۔ اور اُس نے حضرت صاحب سے درخواست کی کہ میرا فلاں عزیز بیمار ہے۔ حضور حضرت مولوی نورالدین صاحب (خلیفہ اول) کو اجازت دیں۔ کہ وہ میرے ساتھ راولپنڈی تشریف لے چلیں۔ اور اسکا علاج کریں حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ ہمیں یقین ہے۔ کہ اگر ہم مولوی صاحب کو یہ بھی کہیں۔ کہ آگ میں گھس جاؤ۔ یا پانی میں کود جاؤ۔ تو ان کو کوئی عذر نہیں ہوگا۔ لیکن ہمیں بھی تو مولوی صاحب کے آرام کا خیال چاہیئے۔ ان کے گھر میں آجکل بچہ ہونے والا ہے۔ اسلئے میں ان کو راولپنڈی جانے کے لئے نہیں کہہ سکتا۔ مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ اسکے بعد حضرت مولوی صاحب حضرت صاحب کا یہ فقرہ بیان کرتے تھے۔ اور اس بات پر بہت خوش ہوتے تھے۔ کہ حضرت صاحب نے مجھپر اس درجہ اعتماد ظاہر کیا ہے۔

(۲۸۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے چوہدری حاکم علی صاحب نے۔ ایک دفعہ حضرت صاحب بڑی مسجد میں کوئی لیکچر یا خطبہ دے رہے تھے۔ کہ ایک سکھ مسجد میں گھس آیا۔ اور سامنے کھڑا ہوکر حضرت صاحب کو اور آپ کی جماعت کو سخت گندی اور فحش گالیاں دینے لگا۔ اور ایسا شروع ہوا کہ بس چُپ ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ مگر حضرت صاحب خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ اسوقت بعض طبائع میں اتنا جوش تھا کہ اگر حضرت کی اجازت ہوتی۔ تو اُس کی وہیں تکا بوٹی اڑ جاتی۔ مگر آپ سے ڈر کر سب خاموش تھے۔ آخر جب اس کی فحش زبانی حد کو پہنچ گئی۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ دو آدمی اسے نرمی کے ساتھ پکڑ کر مسجد سے باہر نکال دیں۔ مگر اسے کچھ نہ کہیں۔ اگر یہ نہ جاوے تو حاکم علی سپاہی کے سپرد کردیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حکومت کیطرف سے بالعموم قادیان میں ایک پولیس کا سپاہی رہا کرتا تھا۔ اور ان دنوں میں حاکم علی نامی ایک سپاہی ہوتا تھا۔

(۲۸۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ مجھے بعض اوقات غصہ کیحالت تکلف سے بنانی پڑتی ہے ورنہ خود طبیعت میں بہت کم غصہ پیدا ہوتا ہے۔

(۲۸۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ

مولوی محمد علی صاحب یہاں ڈھاب میں کنارے پر نہانے لگے۔ مگر پاؤں پھسل گیا۔ اور وہ گہرے پانی میں چلے گئے۔ اور پھر لگے ڈوبنے۔ کیونکہ تیرنا آتا نہیں تھا۔ کئی لوگ بچانے کیلئے پانی میں کودے۔ مگر جب کوئی شخص مولویصاحب کے پاس جاتا تھا۔ تو وہ اُسے ایسا پکڑتے تھے۔ کہ وہ خود بھی ڈوبنے لگتا تھا۔ اس طرح مولوی صاحب نے کئی غوطے کھائے۔ آخر شاید قاضی امیر حسین صاحب نے پانی میں غوطے لگا لگا کر نیچے سے انکو کنارے کی طرف دھکیلا تب وہ باہر آئے۔ جب مولوی صاحب حضرت صاحب سے اس واقعہ کے بعد ملے۔ تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ مولویصاحب آپ گھڑے کے پانی سے ہی نہا لیا کریں۔ ڈھاب کیطرف نہ جائیں۔ پھر فرمایا۔ کہ میں بچپن میں اتنا تیرتا تھا۔ کہ ایک وقت میں ساری قادیان کے اردگرد تیر جاتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ برسات کے موسم میں قادیان کے اردگرد اتنا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ کہ سارا گاؤں ایک جزیرہ بن جاتا ہے۔

(۲۸۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ جاننے کیلئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے گھر والوں کے ساتھ کیسا معاملہ تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم مغفور کی تصنیف سیرت مسیح موعود کے مندرجہ ذیل فقرات ایک عمدہ ذریعہ ہیں۔ مولویصاحب موصوف فرماتے ہیں:۔

"عرصہ قریب پندرہ برس کا گذرتا ہے۔ جبکہ حضرت صاحب نے بار دیگر خدا تعالےٰ کے امر سے معاشرت کے بھاری اور نازک فرض کو اُٹھایا ہے۔ اس اثنار میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا۔ کہ خانہ جنگی کی آگ مشتعل ہوئی ہو۔ وہ ٹھنڈا دل اور بہشتی قلب قابل غور ہے۔ جسے اتنی مدت میں کسی قسم کے رنج اور تنغص عیش کی آگ کی آنچ تک نہ چھوئی ہو۔ اس بات کو اندرون خانہ کی خدمتگار عورتیں۔ جو عوام الناس سے ہیں۔ اور فطری سادگی اور انسانی جامہ کے سوا کوئی تکلف اور تصنع زیرکی اور استنباطی قوت نہیں کار رکھتیں۔ بہت عمدہ طرح محسوس کرتی ہیں۔ وہ تعجب سے دیکھتی ہیں۔ اور زمانہ اور گرد و پیش کے عام عُرف اور برتاؤ کے بالکل برخلاف دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتی ہیں۔ اور میں نے بارہا انہیں خود حیرت سے کہتے ہوئے سنا ہے۔ کہ:۔

"میرجا بیوی دی گل بڑی مَنڈا اے"

.....اس بدمزاج دوست کا واقعہ سُن کر آپ معاشرت نسوان کے بارے میں دیر تک گفتگو فرماتے رہے اور آخر میں فرمایا۔ کہ میرا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی پر آوازہ کسا تھا۔ اور میں محسوس کرتا تھا۔ کہ وہ بانگِ بلند دل کے رنج سے ملی ہوئی ہے اور بایں ہمہ کوئی دلآزار اور درشت کلمہ میں نے منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اسکے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا اور بڑے خشوع اور خضوع سے نفل پڑھے اور کچھ صدقہ بھی دیا۔ کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیت الٰہی کا نتیجہ ہے..... حضرت صاحبؑ کی اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیئے جو ایک نکاح کے متعلق ہے۔ حضرت صاحبؑ کی بیوی صاحبہ کرمہ نے بارہا رو رو کر دعائیں کی ہیں۔ اور بارہا خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہا ہے۔ کہ گو میری زنانہ فطرت کراہت کرتی ہے۔ مگر صدق دل اور شرح صدر سے چاہتی ہوں۔ کہ خدا کے مُنہ کی باتیں پوری ہوں۔ ایک روز دعا مانگ رہی تھیں۔ حضرت صاحبؑ نے پوچھا۔ آپ کیا دعا مانگتی ہیں؟ آپ نے بات سُنائی۔ کہ یہ مانگ رہی ہوں۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔ سوت کا آنا تمہیں کیونکر پسند ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے اس کا پاس ہے۔ کہ آپ کے مُنہ سے نکلی ہوئی باتیں پوری ہو جائیں۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے دینی مشاغل میں ایسی تندہی اور محویت سے مصروف رہتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی اسکی ایک نہایت ادنےٰ مثال یوں سمجھنی چاہیئے۔ کہ جیسے ایک دوکاندار ہو۔ جو اکیلا اپنی دوکان پر کام کرتا ہو اور اسکے کا مال اسکی وسیع دوکان میں مختلف جگہ پھیلا ہوا ہو۔ اور ایسا اتفاق ہو۔ کہ بہت سے گاہک جو مختلف چیزیں خریدنے کے خیال سے آئے ہوں اسکی دوکان پر جمع ہو جائیں۔ اور اپنے مطالبات پیش کریں۔ ایسے وقت میں ایک ہوشیار اور سمجھدار دوکاندار جس مصروفیت کے ساتھ اپنے گاہکوں کے ساتھ مشغول ہو جائیگا۔ اور اسے کسی بات کی ہوش نہ رہیگی۔ بس یہی حال مگر ایک بڑے پیمانہ پر حضرت مسیح موعودؑ کا نظر آتا تھا۔ اور روز صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک آپ کا وقت اسی محو کر دینے والی مصروفیت میں گذر جاتا تھا۔ اور جس طرح ایک مسافر جس کے پاس وقت تھوڑا ہو۔ اور اُسنے ایک بہت بڑی مسافت طے کرنی ہو۔ اپنی حرکات میں غیر معمولی سرعت سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح آپ کا حال تھا۔ بسا اوقات ساری ساری رات تصنیف کے کام میں لگا دیتے تھے۔ اور صبح کو پھر کمر کس کر ایک چوکس اور چست سپاہی کی طرح دینِ خدا کی خدمت میں ایستادہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا۔ کہ جو لوگ آپ کی مدد کے لیئے آپ کے ساتھ کام کرتے تھے۔ وہ گو باری باری آپ کے ساتھ لگتے تھے

مگر پھر بھی وُہ ایک ایک کر کے ماندہ ہو کر بیٹھتے جاتے تھے۔ لیکن یہ خدا کا بندہ اپنے آقا کی خدمت میں نہ تھکتا تھا۔ اور نہ ماندہ ہوتا تھا۔

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اپنی کتاب سیرت مسیح موعودؑ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"میں نے دیکھا ہے کہ حضرت اقدس نازک سے نازک مضمون لکھ رہے ہیں یہاں تک کہ عربی زبان میں بے مثل فصیح کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اور پاس ہنگامۂ قیامت برپا ہے بے تمیز بچے اور سادہ عورتیں جھگڑ رہی ہیں۔ چیخ رہی ہیں۔ چلا رہی ہیں۔ یہانتک کہ بعض آپس میں دست و گریبان ہو رہی ہیں۔ اور پوری زنانہ کرتوتیں کر رہی ہیں۔ مگر حضرت صاحبؑ یوں لکھے جا رہے ہیں۔ اور کام میں یوں مستغرق ہیں۔ کہ گویا خلوت میں بیٹھے ہیں یہ ساری لانظیر اور عظیم الشان عربی۔ اُردو۔ فارسی کی تصانیف ایسے ہی مکانوں میں لکھی ہیں میں نے ایک دفعہ پوچھا۔ اتنے شور میں حضور کو لکھنے میں یا سوچنے میں ذرا بھی تشویش نہیں ہوتی؟ مُسکرا کر فرمایا "میں سُنتا ہی نہیں تشویش کیا ہو"

(۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک دفعہ ایسا اتفاق ہُوا۔ کہ جن دِنوں حضرت صاحبؑ تبلیغ (یعنی آئینۂ کمالات اسلام کا عربی حصہ) لکھا کرتے تھے۔ مولوی نورالدین صاحب تشریف لائے حضرت صاحبؑ نے ایک بڑا دو ورقہ مضمون لکھا۔ اور اس کی فصاحت و بلاغتِ خداداد پر حضرت صاحبؑ کو ناز تھا اور وُہ فارسی ترجمہ کے لیئے مجھے دینا تھا۔ مگر یاد نہ رہا اور جیب میں رکھ لیا اور باہر سیر کو چلدیئے مولوی صاحب اور جماعت بھی ساتھ تھی۔ واپسی پر کہ ہنوز راستہ ہی میں تھے۔ مولوی صاحب کے ہاتھ میں کاغذ دے دیا۔ کہ وُہ پڑھکر عاجز راقم کو دے دیں مولوی صاحب کے ہاتھ سے وُہ مضمون گر گیا۔ واپس ڈیرہ میں آئے۔ اور بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب معمولاً اندر چلے گئے میں نے کسی سے کہا۔ کہ آج حضرت صاحبؑ نے مضمون نہیں بھیجا۔ اور کاتب سر پر کھڑا ہے اور ابھی مجھے ترجمہ بھی کرنا ہے۔ مولوی صاحب کو دیکھتا ہوں۔ تو رنگ فق ہو رہا ہے۔ ..... حضرت صاحب کو خبر ہوئی تو معمولی ہشاش بشاش چہرہ۔ تبسم زیرِ لب تشریف لائے اور بڑا عذر کیا کہ مولوی صاحب کو کاغذ کے گم ہونے سے بڑی تشویش ہوئی۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ

اس کی جستجو میں اس قدر تگا پو کیوں کیا گیا۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بہتر عطا فرماویگا"

۹۳ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید سرور شاہ صاحب نے کہ جن دنوں میں حضرت صاحبؑ نے شروع شروع میں مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا تھا میں طالب علم تھا۔ اور لاہور میں پڑھتا تھا۔ ان دنوں میں حضرت مولوی نورالدین صاحب حضرت صاحبؑ کو ملنے کے لیئے جموں سے آئے۔ اور راستہ میں لاہور ٹھہرے۔ چونکہ مولوی صاحب کے ساتھ میرے والد صاحب کے بہت تعلقات تھے۔ اور وہ مجھے تاکید فرماتے رہتے تھے۔ کہ مولوی صاحب سے ضرور ملتے رہا کرو۔ اس لیئے میں مولوی صاحب سے ملنے کے لیئے گیا۔ مولوی صاحب ان دنوں میں نماز چوبنیاں کی مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ وہاں مولوی صاحب نماز پڑھنے گئے اور حوض پر بیٹھ کر وضو کرنے لگے۔ تو ادھر سے مولوی محمد حسین بٹالوی بھی آگیا۔ اور اسنے مولوی صاحب کو دیکھتے ہی کہا۔ کہ مولوی صاحب! تعجب ہے۔ آپ جیسا شخص بھی مرزا کے ساتھ ہوگیا ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ کہ مولوی صاحب میں نے تو مرزا صاحب کو صادق اور منجانب اللہ پایا ہے۔ اور میں سچ کہتا ہوں۔ کہ میں نے ان کو یونہی نہیں مانا۔ بلکہ علیٰ وجہ البصیرت مانا ہے۔ اس پر باہم بات ہوتی رہی۔ آخر مولوی محمد حسین نے کہا۔ کہ اب میں آپ کو لاہور سے جانے نہیں دونگا۔ حتّٰی کہ آپ میرے ساتھ اس معاملہ میں بحث کرلیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ اچھا میں تیار ہوں۔ اس پر اگلا دن بحث کے لیئے مقرر ہو گیا۔ چنانچہ دوسرے دن مولوی صاحب کی مولوی محمد حسین کے ساتھ بحث ہوئی۔ لیکن ابھی بحث ختم نہ ہونے پائی تھی۔ کہ مولوی صاحب کو جموں سے مہاراج کا تار آگیا۔ کہ فوراً چلے آؤ۔ چنانچہ مولوی صاحبؓ فوراً لاہور سے بطرف لدھیانہ روانہ ہوگئے۔ تاکہ حضرت صاحبؑ سے ملاقات کرکے واپس تشریف لے جائیں۔ اسکے کچھ عرصہ بعد میں لاہور سے تعلیم کے لیئے دیوبند جانے لگا۔ تو راستہ میں اپنے ایک غیر احمدی دوست مولوی ابراہیم کے پاس لدھیانہ ٹھہرا۔ وہاں مجھے مولوی ابراہیم نے بتایا۔ کہ آجکل مرزا صاحب قادیانی یہیں ہیں۔ میں نے اُسے کہا۔ کہ چلو پھر ان سے چلکر ملیں اور ان کے حالات دیکھیں اسنے کہا کہ مرزا صاحب کی مخالفت بہت ہے اور میرے یہاں لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔ اس لیئے میں تو نہیں جاسکتا لیکن آپ کے ساتھ اپنا ایک طالبعلم بھیجے دیتا ہوں۔ جو آپ کو مرزا صاحب کے مکان کا راستہ بتادیگا

چنانچہ میں اکیلا حضرت صاحبؑ کی ملاقات کے لیئے گیا۔ جب میں اس مکان پر پہنچا۔ جہاں حضرت صاحبؑ قیام فرماتے۔ تو اسوقت آپ اندر کے کمرے سے نکل کر باہر نشست گاہ میں تشریف لا رہے تھے۔ میں نے مصافحہ کیا۔ اور بیٹھ گیا۔ اسوقت شاید حضرت صاحبؑ کے پاس شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری اور کوئی اور صاحب تھے۔ حضرت صاحبؑ سر نیچا کر کے خاموش بیٹھ گئے۔ جیسے کوئی شخص مراقبہ میں بیٹھتا ہے۔ شیخ صاحب نے یا جو صاحب وہاں تھے۔ انگریزی حکومت کا کچھ ذکر شروع کر دیا۔ کہ یہ حکومت بہت اچھی ہے۔ اور ایک لمبا عرصہ ذکر کرتے رہے۔ مگر حضرت صاحب اسیطرح سر نیچے ڈالے آگے کیطرف جھکے ہوئے بیٹھے رہے۔ اور کچھ نہیں بولے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپ سُن رہے ہیں۔ ایک موقعہ پر آپ نے کسی بات پر صرف ہاں یا نہ کا لفظ بولا اور پھر اسی طرح خاموش ہو گئے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا۔ کہ اس وقت میں نے دیکھا۔ کہ آپ کا رنگ زرد تھا۔ اور آپ اتنے کمزور تھے۔ کہ کچھ حد نہیں۔ کچھ دیر کے بعد میں مصافحہ کر کے وہاں سے اُٹھ آیا جب میں مولوی ابراہیم کے مکان پر پہنچا۔ تو اُسنے پوچھا۔ کہ کہو مرزا صاحبؑ سے مل آئے؟ میں نے کہا ہاں! مگر لوگوں نے یونہی مخالفت کا شور مچا رکھا ہے مرزا صاحب تو صرف چند دن کے مہمان ہیں۔ بچتے نظر نہیں آتے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں۔ کہ اس وقت میرا یہی یقین تھا۔ کہ ایسا کمزور شخص زیادہ عرصہ نہیں زندہ رہ سکتا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ ابتدائے دعوٰی کے زمانہ میں چونکہ بیماری کے دَوروں کی بھی ابتدا تھی۔ حضرت صاحب کی صحت سخت خراب ہو گئی تھی۔ اور آپ ایسے کمزور ہو گئے تھے۔ کہ ظاہری اسباب کے رُو سے واقعی صرف چند دن کے مہمان نظر آتے تھے۔ غالباً انہی دِنوں میں حضرت صاحب کو الہام ہوا۔ کہ تردد علیک انوار الشباب۔ یعنی اللہ فرماتا ہے۔ کہ تیری طرف شباب کے انوار لوٹائے جائیں گے۔ چنانچہ اسکے بعد کر جیسا کہ دُوسرے الہامات میں ذکر ہے۔ یہ بیماری تو آپ کے ساتھ رہی۔ لیکن دَوروں کی سختی اتنی کم ہو گئی۔ کہ آپ کے بدن میں پھر پہلے کی سی طاقت آ گئی اور آپ اچھی طرح کام کرنے کے قابل ہو گئے۔

(۲۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے پیر افتخار احمد صاحب نے کہ ایک دفعہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ کہ میں نے دیکھا۔ کہ مرزا نظام الدین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوچہ بندی میں کھڑے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی ڈیوڑھی سے نکلے۔ اور آپ کے ہاتھ میں دو بند لفافے تھے۔ یہ لفافے آپ نے مرزا نظام الدین کے سامنے کر دیئے۔ کہ ان میں سے ایک

اٹھالیں۔ انہوں نے ایک لفافہ اُٹھا لیا اور دُوسرے کو لیکر حضرت صاحبؑ فوراً اندر واپس چلے گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مجھے حضرت والدہ صاحبہ سے معلوم ہُوا ہے۔ کہ یہ لفافے باغ کی تقسیم کے متعلق تھے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے باغ کا نصف حصہ لینا اور نصف مرزا سلطان احمد صاحب کو جانا تھا اسلیئے حضرت صاحب نے اس تقسیم کے لیئے قرعہ کیصورت اختیار کی تھی۔ اور مرزا نظام الدین مرزا سلطان احمدؑ کی طرف سے مختار کار تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس تقسیم کے مطابق باغ کا جنوبی نصف حصہ حضرت صاحبؑ کو آیا اور شمالی نصف مرزا سلطان احمد صاحب کے حصہ میں چلا گیا۔ اور حضرت والدہ صاحبہ نے خاکسار سے بیان کیا۔ کہ اس تقسیم کے کچھ عرصہ بعد حضرت صاحبؑ کو کسی دینی غرض کے لیئے کچھ روپے کی ضرورت پیش آئی۔ تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ مجھے تم اپنا زیور دے دو۔ میں تم کو اپنا باغ رہن دے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے سب رجسٹرار کو قادیان میں بُلوا کر باقاعدہ رہن نامہ میرے نام کروادیا۔ اور پھر اندر آکر مجھ سے فرمایا۔ کہ میں نے رہن کے لیئے تیس سال کی میعاد لکھدی ہے۔ کہ اس عرصہ کے اندر یہ رہن فک نہیں کروایا جائیگا۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ رہن کے متعلق میعاد کو عموماً فقہ والے جائز قرار نہیں دیتے سو اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قول کی اہل فقہ کے قول سے تطبیق کی ضرورت سمجھی جاوے۔ تو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ گویا حضرت صاحبؑ نے میعاد کو رہن کی شرائط میں نہیں رکھا۔ بلکہ اپنی طرف سے یہ بات زائد بطور احسان و مروّت کے درج کرادی۔ کیونکہ ہر شخص کو حق ہے کہ بطور احسان اپنی طرف سے جو چاہے۔ دُوسرے کو دے دے۔ مثلاً یہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو کچھ قرض دے۔ تو اصل سے زیادہ واپس نہ مانگے کیونکہ یہ سُود ہو جاتا ہے۔ لیکن باینہمہ اس بات کو شریعت نے نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ قرار دیا ہے کہ ہو سکے۔ تو مقروض روپیہ واپس کرتے ہُوئے اپنی خوشی سے قارض کو اصل رقم سے کچھ زیادہ دے دے۔ علاوہ ازیں خاکسار کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ گو شریعت نے رہن میں اصل مقصود ضمانت کے پہلو کو رکھا ہے۔ اور اسی وجہ سے عموماً فقہ والے رہن میں میعاد کو تسلیم نہیں کرتے لیکن شریعت کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ بعض اوقات ایک امر ایک خاص بات کو ملحوظ رکھ کر جاری کیا جاتا ہے۔ مگر بعد اسکے جائز ہو جانے کے اسکے جواز میں دُوسری جہات سے بھی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً سفر میں نماز کا قصر کرنا دراصل مبنی ہے اس بات پر

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ میں سفروں میں نکلتے تھے۔ تو چونکہ دشمن کی طرف سے خطرہ ہوتا تھا۔ اسلیئے نماز کو چھوٹا کر دیا گیا۔ لیکن جب سفر میں ایک جہت سے نماز قصر ہوئی۔ تو پھر اللہ نے مومنوں کے لیئے اس قصر کو عام کر دیا۔ اور خوف کی شرط درمیان سے اٹھا لیگئی۔ پس گورنمنٹ کی اصل بنیاد ضمانت کے اصول پر ہے۔ لیکن جب اس کا دروازہ کھلا تو باری تعالےٰ نے اس کو عام کر دیا۔ مگر یہ فقہ کی باتیں ہیں۔ جس میں رائے دینا خاکسار کا کام نہیں

(۲۹۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر کئی اخباروں نے آپ کے متعلق اپنی آراء کا اظہار کیا تھا۔ ان میں سے بعض کی رائے کا اقتباس درج ذیل کرتا ہوں:۔

۱۔ اخبار "ٹائمز آف لنڈن" نے جو ایک عالمگیر شہرت رکھتا ہے لکھا کہ "مرزا صاحب شکل و شباہت میں صاحبِ عزت و وقار۔ وجود میں تاثیر جذبہ رکھنے والے اور خوب ذہین تھے۔ مرزا صاحب کے متبعین میں صرف عوام الناس ہی نہیں۔ بلکہ بہت سے اعلےٰ اور عمدہ تعلیم یافتہ لوگ شامل ہیں۔ یہ بات کہ یہ سلسلہ امن پسند اور پابند قانون ہے۔ اسکے بانی کے لیئے قابل فخر ہے۔ ہمیں ڈاکٹر گرسفولڈ کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ مرزا صاحب اپنے دعاوی میں دھوکا خوردہ تھے۔ دھوکا دینے والے ہرگز نہ تھے"

۲۔ "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ" نے جو ایک غیر احمدی پرچہ ہے لکھا۔ کہ "مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا"

۳۔ "دی یونیٹی کلکتہ" یوں رقمطراز ہوا کہ "مرحوم ایک بہت ہی دلچسپ شخص تھا اپنے چال چلن اور ایمان کے زور سے اُسنے بیس ہزار متبع پیدا کر لئے تھے۔ مرزا صاحب اپنے ہی مذہب سے پوری پوری واقفیت نہ رکھتے تھے۔ بلکہ عیسائیت اور ہندو مذہب کے بھی خوب جاننے والے تھے۔ ایسے آدمی کی وفات قوم کے لیئے افسوسناک ہے"

۴۔ "صادق الاخبار ریواڑی" نے جو ایک غیر احمدی پرچہ ہے۔ ان الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ کہ "واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کما حقہٗ ادا کر کے خدمتِ دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ انصاف تقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامیٔ اسلام اور معین المسلمین فاضلِ اجل عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جاوے"

۵۔ "تہذیب نسوان لاہور" کے ایڈیٹر صاحب جو ہمارے سلسلہ سے موافقت نہیں رکھتے یوں گویا ہوئے کہ "مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ اور نیکی کی ایسی قوت

رکھتے تھے۔ جو سخت سے سخت دل کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مذہباً مسیح موعود تو نہیں مانتے۔ لیکن ان کی ہدایت اور رہنمائی مُردہ رُوحوں کے لیئے واقعی مسیحائی تھی۔"

۶۔ "اخبار آریہ پتر کا لاہور" نے جو ایک سخت معاند آریہ اخبار ہے۔ لکھا کہ "جو کچھ مرزا صاحب نے اسلام کی ترقی کے لیئے کیا ہے۔ اُسے مسلمان ہی خوب جج کر سکتے ہیں مگر ایک قابلِ نوٹس بات جو ان کی تصانیف میں پائی جاتی ہے۔ اور جو دوسروں کو بھی معلوم ہو سکتی ہے یہ ہے کہ عام طور پر جو اسلام دُوسرے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اسکی نسبت مرزا صاحب کے خیالات اسلام کے متعلق زیادہ وسیع اور زیادہ قابل برداشت تھے۔ مرزا صاحب کے تعلقات آریہ سماج سے کبھی بھی دوستانہ نہیں ہوئے۔ اور جب ہم آریہ سماج کی گزشتہ تاریخ کو یاد کرتے ہیں تو اُن کا وجود ہمارے سینوں میں بڑا جوش پیدا کرتا ہے۔"

۷۔ رسالہ "اندر" لاہور جو آریوں کا ایک اخبار تھا۔ یُوں رقمطراز ہُوا۔ کہ "اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو مرزا صاحب اپنی ایک صفت میں محمد صاحب (صلعم) سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور وہ صفت ان کا استقلال تھا۔ خواہ وُہ کسی مقصود کو لے کر تھا۔ اور ہم خوش ہیں۔ کہ وُہ آخری دم تک اسپر ڈٹے رہے اور ہزاروں مخالفتوں کے باوجود ذرا بھی لغزش نہیں کھائی۔"

۸۔ اخبار "برہمچارک" لاہور نے جو برہمو سماج کا ایک پرچہ ہے مندرجہ ذیل الفاظ لکھے "ہم یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ مرزا صاحب کیا بلحاظ لیاقت اور کیا بلحاظ اخلاق و شرافت ایک بڑے پایہ کے انسان تھے۔"

۹۔ "امرتا بازار پتر کا" نے جو کلکتہ کا ایک مشہور بنگالی اخبار ہے لکھا کہ "مرزا صاحب درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور سینکڑوں آدمی روزانہ انکے لنگر سے کھانا کھاتے تھے ان کے مریدوں میں ہر قسم کے لوگ فاضل مولوی با اثر رئیس تعلیم یافتہ امیر سوداگر پائے جاتے ہیں۔"

۱۰۔ "دی سٹیٹسمین" کلکتہ نے جو ایک بڑا نامی انگریزی اخبار ہے۔ لکھا کہ "مرزا صاحب ایک نہایت مشہور اسلامی بزرگ تھے۔"

(۲۹۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اخبار "وکیل" امرتسر میں جو ایک مشہور غیر احمدی اخبار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر ایڈیٹر کی طرف سے جو مضمون شایع ہُوا تھا۔ اس کا مندرجہ ذیل اقتباس ناظرین کے لیئے موجب دلچسپی ہوگا۔ اس سے

پتہ لگتا ہے۔ کہ غیر احمدی مسلمان باوجود حضرت مسیح موعود کی مخالفت کے آپ کو اور آپ کے کام کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ دراصل جو کام آپ نے کیا وہ اس پایہ کا تھا۔ کہ سوائے اس کے کہ کوئی مخالف اپنی مخالفت میں اندھا ہو رہا ہو۔ اسکی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور گو وہ اپنے منہ سے آپ کو مسیح موعود نہ مانیں۔ لیکن انکے دل بولتے تھے۔ کہ آپ کا دم ان کے لیئے مسیحائی کا حکم رکھتا ہے۔ غرض "وکیل" نے لکھا کہ:۔

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا۔ اور زبان جادو وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جسکی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے۔ اور جسکی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لیئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اٹھ گیا۔ یہ تلخ موت یہ زہر کا پیالہ موت جس نے مرنے والے کی ہستی تہ خاک پنہاں کی۔ ہزاروں لاکھوں زبانوں پر تلخ کامیاں بن کے رہیگی۔ اور قضا کے حملے نے ایک جیتی جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتل عام کیا ہے صدائے ماتم مدتوں اسکی یادگار تازہ رکھیگی۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے۔ اور مٹانے کے لیئے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جاوے ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندان تاریخ بہت کم منظر عالم پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں۔ دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کے ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا ہے اور اسکے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اسکی ذات سے وابستہ تھی۔ خاتمہ ہو گیا۔ انکی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جاوے۔ تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جسنے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا۔ آئندہ بھی جاری رہے۔

میرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا۔ قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں اس لٹریچر کی قدر و عظمت

آج جبکہ وُہ اپنا کام پُورا کر چکا ہے ہمیں دِل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اُڑا دیئے۔ جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اسکی جان تھا۔ بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دُھواں ہو کر اڑنے لگا۔ غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنیوالی نسلوں کو گرانبارِ احسان رکھیگی۔ کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا کہ جو اسوقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی گچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت سرانجام دی ہے ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعوے پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جاوے۔ ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جاسکیں۔

فطری ذہانت مشق و مہارت اور مسلسل بحث و مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک خاص شان پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذہب غیر پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی۔ اور وہ اپنی ان معلومات کو نہایت سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب و ملت کا ہو اُن کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں۔ اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اسکی نظیر غالباً دنیا میں کسی اور جگہ نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعوے تھا۔ کہ میں ان سب کے لیئے حکم و عدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں۔ کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں بہت مخصوص قابلیت تھی۔ اور یہ نتیجہ تھی اُن کی فطری استعداد کا ذوقِ مطالعہ اور کثرتِ مشق کا۔ آئندہ امید نہیں۔ کہ ہندوستان کی مذہبی دُنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔ جو اپنی اعلیٰ قابلیتیں اس طرح مذہب کے مطالعہ میں صرف کر دے"۔

(۲۹۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اپنی انگریزی کتاب "احمدیہ موومنٹ" میں پادری والٹر ایم۔ اے جو ائی ایم۔ سی۔ اے۔ کے سیکرٹری تھے۔ حضرت مسیح موعود کے متعلق مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کرتے ہیں:۔

"یہ بات ہر طرح سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب اپنی عادات میں سادہ اور فیاضانہ جذبات رکھنے والے تھے۔ ان کی اخلاقی جرأت جو انہوں نے اپنی مخالفین کی طرف سے سخت مخالفت اور ایذا رسانی کے مقابلہ میں دکھائی۔ یقیناً قابلِ تحسین ہے صرف ایک مقناطیسی جذب اور نہایت خوشگوار اخلاق رکھنے والا شخص ہی ایسے لوگوں کی دوستی اور وفاداری حاصل کر سکتا تھا۔ جن میں سے کم از کم دو نے افغانستان میں اپنے عقاید کی وجہ سے جان دیدی۔ مگر مرزا صاحب کا دامن نہ چھوڑا میں نے بعض پرانے احمدیوں سے ان کے احمدی ہونے کی وجہ دریافت کی۔ تو اکثر نے سب سے بڑی وجہ مرزا صاحب کے ذاتی اثر اور انکے جذب اور کھینچ لینے والی شخصیت کو پیش کیا"

(۲۹۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب نے لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ جب حضرت صاحب باہر سے اندرونِ خانہ تشریف لے جا رہے تھے کسی فقیر نے آپ سے کچھ سوال کیا مگر اسوقت لوگوں کی باتوں میں آپ فقیر کی آواز کو صاف طور پر سُن نہیں سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ کسی فقیر نے سوال کیا تھا وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے اسے تلاش کیا مگر نہ پایا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ فقیر خود بخود آگیا اور آپ نے اسے کچھ نقدی دے دی۔ اس وقت آپ محسوس کرتے تھے۔ کہ گویا آپ کی طبیعت پر سے ایک بھاری بوجھ اُٹھ گیا ہے۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے دُعا بھی کی تھی کہ اللہ تعالےٰ اس فقیر کو واپس لائے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسوقت لوگوں کی باتوں میں مل کر فقیر کی آواز دب گئی۔ اور آپ نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ لیکن جب آپ اندر تشریف لیگئے اور لوگوں کی آوازوں سے الگ ہوئے۔ تو اس فقیر کی آواز صاف طور پر الگ ہو کر آپ کے سامنے آئی اور آپ کو اسکی امداد کے لیئے بیقرار کر دیا۔

(۲۹۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے کسی حوالہ وغیرہ کا کوئی کام میاں معراجدین صاحب عمر لاہوری اور دوسرے لوگوں کے سپرد کیا۔ چنانچہ اس ضمن میں میاں معراجدین صاحب چھوٹی چھوٹی پرچیوں پر لکھ کر بار بار حضرت صاحب سے کچھ دریافت کرتے تھے۔ اور حضرت صاحب جواب دیتے تھے۔ کہ یہ تلاش کر دیا فلاں کتاب بھیجو وغیرہ۔ اسی دوران میں میاں معراجدین صاحب نے ایک پرچی حضرت صاحب کو بھیجی اور حضرت صاحب کو مخاطب کر کے بغیر السلام علیکم لکھے اپنی بات لکھ دی۔ اور چونکہ بار بار ایسی پرچیاں آتی

جاتی تھیں اسلیئے جلدی میں ان کی توجہ اسطرف نہ گئی۔ کہ السلام علیکم بھی لکھنا چاہیئے حضرت صاحب نے جب اندر سے اس کا جواب بھیجا۔ تو اس کے شروع میں لکھا۔ کہ آپ کو السلام علیکم لکھنا چاہیئے تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات نظر آتی ہے مگر اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ آپ کو اپنی جماعت کی تعلیم و تادیب کا کتنا خیال تھا۔ اور نظرِ غور سے دیکھیں تو یہ بات معمولی بھی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک مسلّم سچائی ہے۔ کہ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں میں ادب اور احترام اور آداب کا خیال نہ رکھا جاوے تو پھر آہستہ آہستہ بڑی باتوں تک اس کا اثر پہنچتا ہے اور دل پر ایک زنگ لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ملاقات کے وقت السلام علیکم کہنا اور خط لکھتے ہوئے السلام علیکم لکھنا شریعت کا حکم بھی ہے۔

نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ دستور تھا۔ کہ آپ اپنے تمام خطوط میں بسم اللہ اور السلام علیکم لکھتے تھے۔ اور خط کے نیچے دستخط کر کے تاریخ بھی ڈالتے تھے۔ میں نے کوئی خط آپ کا بغیر بسم اللہ اور سلام اور تاریخ کے نہیں دیکھا۔ اور آپ کو سلام لکھنے کی اتنی عادت تھی کہ مجھے یاد پڑتا ہے۔ کہ آپ ایک دفعہ کسی ہندو مخالف کو خط لکھنے لگے۔ تو خود بخود السلام علیکم لکھا گیا۔ جسے آپ نے کاٹ دیا۔ لیکن پھر لکھنے لگے۔ تو پھر سلام لکھا گیا۔ چنانچہ آپ نے دوسری دفعہ اُسے پھر کاٹا۔ لیکن جب آپ تیسری دفعہ لکھنے لگے۔ تو پھر ہاتھ اسی طرح چل گیا۔ آخر آپ نے ایک اور کاغذ لے کر ٹھہر ٹھہر کر خط لکھا۔ یہ واقعہ مجھے یقینی طور پر یاد نہیں۔ کہ کس کے ساتھ ہوا تھا۔ لیکن میں نے کہیں ایسا دیکھا ضرور ہے اور غالب خیال پڑتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کو دیکھا تھا۔ واللہ اعلم

(۳۰۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب میں شروع شروع میں قادیان آیا تھا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز کے وقت پہلی صف میں دوسرے مقتدیوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ لیکن پھر بعض باتیں ایسی ہوئیں۔ کہ آپ نے اندر حجرہ میں امام کے ساتھ کھڑا ہونا شروع کر دیا۔ اور جب حجرہ گرا کر تمام مسجد ایک کی گئی۔ تو پھر بھی آپ بدستور امام کے ساتھ ہی کھڑے ہوتے رہے (خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اوائل میں مسجد مبارک بہت چھوٹی ہوتی تھی اور لمبی قلمدان کی صورت میں تھی جسکے غربی حصہ میں ایک چھوٹا سا حجرہ تھا۔ جو مسجد کا حصہ ہی تھا لیکن درمیانی دیوار کی وجہ سے علیحدہ صورت میں تھا۔ امام اس حجرہ کے اندر کھڑا ہوتا تھا۔ اور مقتدی نیچے بڑے حصہ میں ہوتے تھے۔ بعد میں جب مسجد کی توسیع کی گئی تو اس غربی حجرہ کی دیوار اُڑا کر اُسے مسجد کے ساتھ ایک کر دیا گیا)

(۳۰۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے بیوہ مرحومہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے۔ کہ جب مولوی عبدالکریم صاحب بیمار ہوئے۔ اور ان کی تکلیف بڑھ گئی تو بعض اوقات شدت تکلیف کے وقت نیم غشی کی سی حالت میں وہ کہا کرتے تھے۔ کہ سواری کا انتظام کرو۔ میں حضرت صاحب سے ملنے کے لیے جاؤنگا۔ گویا وہ سمجھتے تھے۔ کہ میں کہیں باہر ہوں۔ اور حضرت صاحب قادیان میں ہیں۔ اور بعض اوقات کہتے تھے۔ اور ساتھ ہی زار زار رو پڑتے تھے۔ کہ دیکھو میں نے اتنے عرصہ سے حضرت صاحب کا چہرہ نہیں دیکھا۔ تم مجھے حضرت صاحب کے پاس کیوں نہیں لے جاتے۔ ابھی سواری منگاؤ۔ اور مجھے لے چلو۔ ایک دن جب ہوش تھی۔ کہنے لگے جاؤ۔ حضرت صاحب سے کہو کہ میں مرچلا ہوں۔ مجھے صرف دور سے کھڑے ہو کر اپنی زیارت کرا جائیں اور بڑے روئے اور اصرار کیساتھ کہا۔ کہ ابھی جاؤ۔ میں نیچے حضرت صاحب کے پاس آئی۔ کہ مولوی صاحب اس طرح کہتے ہیں۔ حضرت صاحب فرمانے لگے۔ کہ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کیا میرا دل مولوی صاحب کے ملنے کو نہیں چاہتا؟ مگر بات یہ ہے۔ کہ میں ان کی تکلیف کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مولویانی مرحومہ کہتی تھیں کہ اسوقت تمہاری والدہ پاس تھیں۔ انہوں نے حضرت صاحب سے کہا۔ کہ جب وہ اتنی خواہش رکھتے ہیں۔ تو آپ کھڑے کھڑے ہو آئیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ اچھا میں جاتا ہوں۔ مگر تم دیکھ لینا۔ کہ ان کی تکلیف کو دیکھ کر مجھے دورہ ہو جائیگا۔ خیر حضرت صاحب نے پگڑی منگا کر سر پر رکھی۔ اور ادھر جانے لگے میں جلدی سے سیڑھیاں چڑھ کر آگے چلی گئی۔ تاکہ مولوی صاحب کو اطلاع دوں کہ حضرت صاحب تشریف لاتے ہیں۔ جب میں نے مولوی صاحب کو جا کر اطلاع دی۔ تو انہوں نے الٹا مجھے ملامت کی۔ کہ تم نے حضرت صاحب کو کیوں تکلیف دی؟ کیا میں نہیں جانتا۔ کہ وہ کیوں تشریف نہیں لاتے؟ میں نے کہا کہ آپ نے خود تو کہا تھا۔ انہوں نے کہا۔ کہ وہ تو میں نے دل کا دکھڑا رویا تھا۔ تم فوراً جاؤ۔ اور حضرت صاحب سے عرض کرو کہ تکلیف نہ فرمائیں۔ میں بھاگی گئی۔ تو حضرت صاحب سیڑھیوں کے نیچے کھڑے اوپر آنے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے عرض کر دیا۔ کہ حضور آپ تکلیف نہ فرماویں۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت صاحب کو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے بہت محبت تھی اور یہ اسی محبت کا تقاضا تھا۔ کہ آپ مولوی صاحب کی تکلیف کو نہ دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ باہر مسجد میں کئی دفعہ فرماتے تھے۔ کہ مولوی صاحب کی ملاقات کو بہت دل چاہتا ہے مگر میں ان کی تکلیف نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ آخر مولوی صاحب اسی مرض میں فوت ہو گئے۔ مگر حضرت صاحب ان کے پاس نہیں جا سکے۔ بلکہ حضرت صاحب نے مولویصاحب کی بیماری میں اپنی رہائش کا کمرہ بھی بدل لیا تھا

کیونکہ جس کمرہ میں آپ رہتے تھے۔ وُہ چونکہ مولوی صاحب کے مکان کے بالکل نیچے تھا۔ اس لیئے وہاں مولوی صاحب کے کراہنے کی آواز پہنچ جاتی تھی۔ جو آپ کو بیتاب کر دیتی تھی۔ اور مولویصاحب مرحوم چونکہ مرض کارنکل میں مبتلا تھے۔ اس لیئے ان کا بدن ڈاکٹروں کی چیرا پھاڑی سے چھلنی ہو گیا تھا۔ اور وُہ اسکے درد میں بے تاب ہو کر کراہتے تھے۔

نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم حضرت صاحب کے مکان کے اس حصہ میں رہتے تھے۔ جو مسجد مبارک کے اوپر کے صحن کے ساتھ ملحق ہے اس مکان کے نیچے خود حضرت صاحبؑ کا رہائشی کمرہ تھا۔ مولوی عبد الکریم صاحب کے علاوہ حضرت مولوی نورالدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے بھی حضرت صاحب کے مکان کے مختلف حصوں میں رہتے تھے۔ اور شروع شروع میں جب نواب محمد علی خان صاحب قادیان آئے تھے۔ تو ان کو بھی حضرت صاحب نے اپنے مکان کا ایک حصہ خالی کر دیا تھا۔ مگر بعد میں انہوں نے خود اپنا مکان تعمیر کروالیا۔ اسیطرح شروع میں مفتی محمد صادق صاحب کو بھی آپ نے اپنے مکان میں جگہ دی تھی۔ مولوی محمد احسن صاحب بھی کئی دفعہ حضرت صاحبؑ کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔ ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب بھی جب فیملی کے ساتھ آتے تھے۔ تو عموماً حضرت صاحبؑ ان کو اپنے مکان کے کسی حصہ میں ٹھہراتے تھے۔ دراصل حضرت صاحب کی یہ خواہش رہتی تھی۔ کہ اس قسم کے لوگ حتی الوسع آپ کے قریب ٹھہریں۔

(۳۰۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مفتی محمد صادق صاحب نے کہ ایک دفعہ جب مَیں حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر تھا۔ تو آپ کے کمرہ کا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا اور سید آل محمد صاحب امروہوی نے آواز دی۔ کہ حضورؑ میں ایک نہایت عظیم الشان فتح کی خبر لایا ہوں۔ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ کہ آپ جاکر ان کی بات سُن لیں۔ کہ کیا خبر ہے۔ مَیں گیا۔ اور سید آل محمد صاحب سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا فلاں جگہ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی کا فلاں مولوی سے مباحثہ ہُوا۔ تو مولویصاحب نے اُسے بہت سخت شکست دی۔ اور بڑا رگیدا اور وہ بہت ذلیل ہُوا وغیرہ وغیرہ۔ اور مولوی صاحب نے مجھے حضرت صاحب کے پاس روانہ کیا ہے کہ جاکر اس عظیم الشان فتح کی خبر دوں۔ مفتی صاحب نے بیان کیا کہ مَیں نے واپس آکر حضرت صاحب کے سامنے آل محمد صاحب کے الفاظ دُہرا دیئے۔ حضرت صاحبؑ ہنسے اور فرمایا (کہ ان کے اسطرح دروازہ کھٹکھٹانے اور فتح کا اعلان کرنے سے) مَیں سمجھا تھا کہ شاید

یورپ مُسلمان ہو گیا ہے۔ مفتی صاحب کہتے تھے کہ اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ حضرت اقدسؑ کو یورپ میں اسلام قائم ہو جانے کا کتنا خیال تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ گو تبلیغ کے لیئے سب جگہیں برابر ہیں۔ اور ہر غیر مُسلم ایک سا مستحق ہے۔ کہ اس تک حق پہنچایا جاوے اور ہر غیر مسلم کا مسلمان ہونا ہمارے لیئے ایک سی خوشی رکھتا ہے خواہ کوئی بادشاہ ہو۔ یا ایک غریب بھنگی۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں۔ کہ بعض اوقات ایک خاص قوم یا خاص مُلک کے متعلق حالات ایسے جمع ہو جاتے ہیں۔ کہ اسکی تبلیغ خاص رنگ پیدا کر لیتی ہے۔ آج کل یورپ مسیحیت اور مادیت کا گھر ہے۔ پس لاریب اس کا مُسلمان ہونا اسلام کی ایک عظیم الشان فتح ہے (اور انشاء اللہ یہ فتح کسی دن خدام مسیح کے ہاتھ پر ہو کر رہیگی)۔

(۳۰۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مفتی محمد صادق صاحب نے کہ ایک دفعہ ہم چند دوست مسجد میں بیٹھے ہوئے خواجہ کمال الدین صاحب کی عادت نسیان کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اندر سے ہماری باتوں کو سُن لیا۔ اور کھڑکی کھول کر مسجد میں تشریف لے آئے۔ اور مسکراتے ہُوئے فرمایا۔ کہ آپ کیا باتیں کر رہے ہیں؟ ہمنے عرض کیا۔ کہ حضورؑ خواجہ صاحب کے حافظہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ ہنسے اور فرمایا۔ کہ ہاں خواجہ صاحب کے حافظہ کا تو یہ حال ہے۔ کہ ایک دفعہ یہ رفع حاجت کے لیئے پاخانہ گئے اور لوٹا وہیں بھول آئے۔ اور لوگ تلاش کرتے رہے کہ لوٹا کدھر گیا۔ آخر لوٹا پاخانہ میں ملا۔

مفتی صاحب نے بیان کیا۔ کہ حضرت اقدس علیہ السلام اپنے خدام کے ساتھ بالکل بے تکلف رہتے تھے۔ اور ان کی ساری باتوں میں شریک ہو جاتے تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس مجموعہ کی کاپیاں لکھی جا رہی تھیں۔ کہ مفتی صاحب امریکہ سے جہاں وہ تبلیغ کے لیئے تشریف لے گئے ہُوئے تھے۔ واپس تشریف لے آئے اور اپنی بعض تقریروں میں انہوں نے یہ باتیں بیان کیں۔ خاکسار نے اس خیال سے کہ مفتی صاحب کا اس کتاب میں حصہ ہو جاوے۔ انہیں درج کر دیا ہے۔

نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ یوں تو حضرت صاحبؑ اپنے سارے خدام سے ہی بہت محبت رکھتے تھے۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا تھا کہ آپ کو مفتی صاحب سے خاص محبت ہے۔ جب کبھی آپ مفتی صاحب کا ذکر فرماتے۔ تو فرماتے "ہمارے مفتی صاحب" اور جب مفتی صاحب لاہور سے قادیان آیا کرتے تھے۔ تو حضرت صاحبؑ انکو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ میرے نزدیک محبت اور اسکے اظہار کے اقسام ہیں۔ جنہیں نہ سمجھنے کیوجہ سے بعض وقت لوگ غلط خیالات قائم کر لیتے ہیں۔ انسان کی محبت اپنی بیوی سے اَور رنگ کی ہوتی ہے۔ اور والدین سے اَور رنگ کی۔ رشتہ داروں سے اَور رنگ کی ہوتی ہے اور دوسروں سے اَور رنگ کی۔ رشتہ داروں میں سے عمر کے لحاظ سے چھوٹوں سے اَور رنگ کی محبت ہوتی ہے اور بڑوں سے اَور رنگ کی۔ خادموں کے ساتھ اَور رنگ کی ہوتی ہے اور دوسروں کے ساتھ .....

..... اَور رنگ کی۔ دوستوں میں سے بڑی عمر کے لوگوں کیساتھ محبت اَور رنگ کی ہوتی ہے۔ چھوٹوں کے ساتھ اَور رنگ کی۔ اپنے جذباتِ محبت پر قابو رکھنے والوں کے ساتھ اَور رنگ کی ہوتی ہے۔ اور وہ جن کی بات بات سے محبت ٹپکے اور وہ اس جذبہ کو قابو میں نہ رکھ سکیں۔ اُن کے ساتھ اَور رنگ کی وغیرہ وغیرہ۔ غرض محبت اور محبت کے اظہار کے بہت سے شعبے اور بہت سی صورتیں ہیں۔ جن کے نظر انداز کرنے سے غلط نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان باتوں کو نہ سمجھنے والے لوگوں نے فضیلتِ صحابہؓ کے متعلق بھی بعض غلط خیال قائم کئے ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ اور حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کی مقابلۃً فضیلت کے متعلق مسلمانوں میں بہت کچھ کہا اور لکھا گیا ہے مگر خاکسار کے نزدیک اگر جہات اور نوعیتِ محبت کے اصول کو مدنظر رکھا جاوے۔ اور اس علم کی روشنی میں آنحضرت صلعم کے اُس طریق اور اُن اقوال پر غور کیا جاوے۔ جن سے لوگ عموماً استدلال پکڑتے ہیں تو بات جلد فیصلہ ہو جاوے حضرت علی آنحضرت صلعم کے عزیز تھے۔ اور بالکل آپکے بچوں کی طرح آپکے ساتھ رہتے تھے۔ اس لیئے ان کے متعلق آپ کا طریق اور آپ کے الفاظ اَور قسم کی محبت کے حامل تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ آپ کے ہم عمر اور غیر خاندان سے تھے اور سنجیدہ مزاج اور بزرگ آدمی تھے اسلئے اُن کے ساتھ آپکا طریق اور آپ کے الفاظ اَور قسم کے ہوتے تھے۔ ہر دو کو اپنے اپنے رنگ کے معیاروں سے ناپا جاوے۔ تو پھر موازنہ ہو سکتا ہے۔ مفتی محمد صادق صاحب سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی ہی محبت تھی جیسی اپنے چھوٹے عزیزوں سے ہوتی ہے اور اسکے مطابق آپ کا انکے ساتھ رویہ تھا لہٰذا مولوی شیر علی صاحب کی روایت سے یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیئے۔ اور نہ غالباً مولوی صاحب کا یہ مطلب ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مفتی صاحب کے ساتھ مثلاً حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ یا مولوی عبدالکریم صاحبؓ جیسے بزرگوں کی نسبت بھی زیادہ محبت تھی۔

(۳۴۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے۔ کہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے کہ ایکدفعہ حضرت مسیح موعود نے مجھ سے فرمایا۔ کہ ایک بادشاہ نے ایک نہایت اعلےٰ درجہ کے کاریگر سے کہا۔ کہ تم اپنے ہنر

اور کمال کا مجھے نمونہ دکھاؤ اور نمونہ بھی ایسا نمونہ ہو کہ اس سے زیادہ تمہاری طاقت میں نہ ہو۔ گویا اپنے انتہائی کمال کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کرو۔ اور پھر اس بادشاہ نے ایک دوسرے اعلیٰ درجہ کے کاریگر سے کہا کہ تم بھی اپنی کمال کا اعلیٰ ترین نمونہ بنا کر پیش کرو اور ان دونوں کے درمیان اس بادشاہ نے ایک حجاب حائل کر دیا کاریگر نمبر اوّل نے ایک دیوار بنائی۔ اور اس کو نقش و نگار سے اتنا آراستہ کیا۔ کہ بس حد کر دی۔ اور اعلیٰ ترین انسانی کمال کا نمونہ تیار کیا۔ اور دوسرے کاریگر نے ایک دیوار بنائی۔ مگر اس کے اوپر کوئی نقش و نگار نہیں کیے لیکن اس کو ایسا صاف کیا۔ اور چمکایا کہ ایک مصفا شیشے سے بھی اپنے صیقل میں وہ بڑھ گئی۔ پھر بادشاہ نے پہلے کاریگر سے کہا۔ کہ اپنا نمونہ پیش کرو۔ چنانچہ اسنے وہ نقش و نگار سے مزیّن دیوار پیش کی۔ اور سب دیکھنے والے اُسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پھر بادشاہ نے دوسرے کاریگر سے کہا۔ کہ اب تم اپنے کمال کا نمونہ پیش کرو۔ اس نے عرض کیا۔ کہ حضور یہ حجاب درمیان سے اُٹھا دیا جاوے۔ چنانچہ بادشاہ نے اُسے اُٹھوا دیا۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ بعینہٖ اسی قسم کی دیوار جو پہلے کاریگر نے تیار کی تھی۔ دوسری طرف بھی کھڑی ہے۔ کیونکہ درمیانی حجاب اُٹھ جانے سے اس دیوار کے سب نقش و نگار بغیر کسی فرق کے اس دوسری دیوار پر ظاہر ہو گئے

میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ جب حضرت صاحب نے مجھے یہ بات سُنائی۔ تو میں سمجھا۔ کہ شاید کسی بادشاہ کا ذکر ہو گا۔ اور میں نے اسکے متعلق کوئی زیادہ خیال نہ کیا۔ لیکن جب حضرت مسیح موعودؑ نے ظلی نبوت کا دعوےٰ کیا۔ تو تب میں سمجھا۔ کہ یہ تو آپ نے اپنی ہی مثال سمجھائی تھی۔ چنانچہ میں نے ظلی نبوت کا مسئلہ اسی مثال دیکر غوث گڑھ والوں کو سمجھایا اور وہ اچھی طرح سمجھ گئے۔ پھر جب لاہوریوں کی طرف سے مسئلہ نبوت میں اختلاف ہوا۔ تو اسوقت غوث گڑھ کی جماعت کو کوئی تشویش پیدا نہ ہوئی اور انہوں نے کہا کہ یہ بات تو آپ نے ہم کو پہلے سے سمجھائی ہوئی ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ واقعی حضرت مسیح موعودؑ کا کمال اسی میں ہے کہ آپ نے اپنی لوحِ قلب کو ایسا صیقل کیا۔ کہ اسنے سرِ دو کائنات کے نقش و نگار کی پوری پوری تصویر اُتار لی۔ اور لاریب جو کوئی بھی اپنے دل کو پاک و صاف کریگا۔ وہ اپنی استعداد کے مطابق آپکے نقش و نگار حاصل کر لیگا۔ محمد رسول اللہ صلعم (فداہ نفسی) بخیل نہیں ہیں بلکہ بخل ہم میں ہے۔ جو آپکی اتباع کو کمال تک نہیں پہنچاتے۔

اللھم صل علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ اصحابہ وعلیٰ عبدک المسیح الموعود وبارک وسلم واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ؛

تمام شد